سرزمین اور باشندے

اٹلی

تصنیف : فرانسس ولن وار

ترجمہ : مولانا غلام رسُول مہرؔ

ناشر

شیخ غلام علی اینڈ سنز پبلشرز

لاہور ۔ پشاور ۔ حیدرآباد ۔ کراچی

This is an authorized Urdu translation of THE LAND OF THE ITALIAN PEOPLE by Frances Winwar. Copyright, 1951, by Frances Winwar. Published by J.B. Lippincott Company, Philadelphia and New York. Illustrations by Courtesy of the Council General of Japan, New York.

FIRST EDITION

PRINTED IN PAKISTAN

طبع اوّل ۱۹۶۳ء

تعداد ۲۱۰۰

طابع .. .. شیخ نیاز احمد

مطبع .. .. علمی پرنٹنگ پریس

قیمت فی جلد .. .. چھ روپے

ناشر

شیخ غلام علی اینڈ سنز۔ کشمیری بازار۔ لاہور

بہ اشتراک

موسسۂ مطبوعاتِ فرینکلن، لاہور۔ نیویارک

پیش لفظ

اٹلی کے متعلق یہ کتاب اگرچہ مختصر ہے، مگر بہت دلچسپ اور قیمتی معلومات سے لبریز ہے اس میں تاریخی، جغرافیائی، تمدنی، ادبی، عمرانی، زرعی اور صنعتی۔ غرض ہر قسم کی ضروری معلومات فراہم کر دی گئی ہیں۔ یہاں تک کہ فنونِ لطیفہ، مجسمہ طرازی اور موسیقی کو بھی نظر انداز نہیں کیا گیا۔ یہ ایک طویل سلسلے کی کتاب ہے اور جو لوگ اٹلی کی سیر کرنا چاہیں ان کے لیے ایک اچھے مشیر کا کام دے سکتی ہے۔ جو گھر بیٹھے اِس ملک کے بارے میں ضروری معلومات حاصل کرنے کے خواہاں ہوں، انھیں یہ کتاب اکثر بڑی بڑی کتابوں سے بھی بے نیاز کر دے گی۔ اس کے بعض ابواب علمی اعتبار سے بے حد اہم اور دلآویز ہیں۔ اُمید ہے کہ اس ترجمے سے اُردو میں اٹلی کے متعلق عمدہ اور مستند معلومات کا اضافہ ہوگا۔

اس کتاب کی بطورِ خاص قابلِ ذکر خوبی یہ ہے کہ خوانندگانِ کرام اٹلی کے بارے میں جس قسم کی معلومات حاصل کرنا چاہیں، ان کے لیے اس کے مختلف ابواب ایک اہم مقدّمے کا کام دیں گے۔

فہرستِ ابواب

جزیرہ نمائے اٹلی اور جزیرے

جو شخص بھی یورپ کے نقشے پر نظر ڈالے گا وہ جزیرہ نمائے اٹلی کی بوٹ جیسی شکل دیکھ کر متحیّر رہ جائے گا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اٹلی سسلی کو ٹھوکر مار کر بحیرۂ روم سے باہر پھینک دینا چاہتا ہے۔ سسلی اپنی تاریخ کے اعتبار سے اٹلی کا "فٹ بال" مشہور ہے۔ ابتدائی دور کے جغرافیہ نگار اسے ٹرائی ناکریا[1] کہتے تھے۔ کیونکہ اس کی شکل مثلث کی ہے جب انھوں نے سارڈینیا[2] کا نام رکھا تو اپنے تخیل سے بطورِ خاص کام لیا۔ یہ اٹلی کا دوسرا بڑا جزیرہ ہے۔ اس کا ابتدائی نام شنوسا[3] تھا۔ جس کا مطلب ہے "نقشِ پا"۔ اٹلی کے نام یعنی اطالیہ[4] کی اصل غیر یقینی ہے۔ بعض اہلِ علم اسے ایک بہت پرانے قبیلے سے منسوب کرتے ہیں، جو وتولی[5] یا اتالی[6] کے نام سے مشہور تھا۔ دوسرے اہلِ علم اس قبیلے کی ہستی ہی کے متعلق شبہات ظاہر کر رہے ہیں، لہٰذا نام کی اصل حقیقت پردۂ راز ہی میں رہی۔

یہ امر واقعی حیرت انگیز ہے کہ صدیوں پیشتر سلطنتِ رومہ کے

---

[1] Trinacria
[2] Sardinia یہاں مسلمانوں نے بھی حکومت کی تھی وہ اسے سردرینا کہتے تھے۔
[3] Ichnusa
[4] Italia
[5] Vituli
[6] Itali

سقوط کے بعد اطالوی قوم کی مستقل حیثیت اور ملک کی سیاسی وحدت ۱۸۶۰ء تک ناپید رہی۔ ۱۸۶۰ء میں عوام نے اجنبی اقتدار کا تختہ اُلٹا اور شاہ سارڈینیا کو تخت نشینی کی دعوت دے دی۔ غرض اہلِ اطالیہ بہ حیثیت قوم اہلِ جمہوریۂ امریکہ سے عمر میں بھی تقریباً اسی سال کم ہیں۔ گویا اٹلی بہ لحاظ جمہوریت ہنوز نومولود[1] ہے۔

سیاسی کمسنی کے باوجود اٹلی ہمیں برابر یاد دلاتا رہتا ہے کہ وہ کل کا بچہ نہیں۔ اس کی تہذیب ہزاروں سال پرانی ہے اور یہ داستان آپ اس کے شہروں میں پتھروں کی زبان سے سُن سکتے ہیں۔ مثلاً روما ہی کو لے لیجئے۔ پھر یہ تصور کیجئے کہ آپ نیویارک میں گرانڈ سنٹرل سٹیشن پر کھڑے ہیں۔ آپ ایک بازار میں داخل ہوتے ہیں، جس کی سطح وہی ہے جو گرانڈ سنٹرل سٹیشن کی ہے۔ پھر آپ چلتے چلتے ایک اور سطح پر، اسی طرح مزید نئی سطح پر پہنچ جاتے ہیں۔ آپ اُس شخص کی حکمت اور خوش تدبیری پر متعجب رہ جاتے ہیں جس نے مین ہٹن[2] کے ٹیلے میں رنگ لگاکر ایک ایسی چیز تعمیر کردی جو زیرِ زمین ایک چھوٹے شہر سے مشابہ ہے۔ روما کے قدیم بازاروں کے نیچے بھی ایسی ہی سطحیں ہیں، لیکن وہ تمدن و ثقافت کی سطحیں ہیں، اُن دوروں کی سطحیں ہیں، جو صدیوں پر پھیلے ہوئے ہیں۔ ہنوز تمام سطحیں بروئے کار

---

[1] یعنی جمہوریت یہاں دوسری عالمگیر جنگ کے بعد شروع ہوئی۔ [2] Manhattan (نیویارک)

نہیں آئیں۔ باہر سے جو سیاح روما پہنچتے ہیں وہ رومی فورم[1] سے بخوبی آگاہ ہیں، جو سیزروں (قیصروں) کی سلطنت کے قلب میں واقع تھی۔ کوئی تیس سال ہوئے، معلوم ہوا کہ فورم کے نیچے ایک قبرستان تھا، جس کا تعلق ابتدائی دورِ آہن سے تھا۔ پاس ہی اور بہت سے کھنڈر ہیں، جو حال ہی میں منظرِ عام پر آئے ہیں۔ ایک نہایت حیرت انگیز دریافت پہلی عالمی جنگ کے دوران میں ہوئی۔ کچھ مزدور پورٹا میجیور[2] کے نزدیک ریلوے لائن کے نیچے کھدائی کر رہے تھے۔ جب وہ کام پورا کر چکے تو نیچے سے ایک مستطیل گرجے کا ہال نکلا، جو پہلی صدی عیسوی میں تعمیر ہوا تھا۔

صرف روما ہی میں تہذیب و تمدن کے ایسے نقوش نہیں ملتے۔ جو مقامات مرکزِ حکومت سے دور ہیں، مثلاً سسلی اور سارڈینیا، وہاں بھی رومی، یونانی اور فینیقی اور ان سے قدیم تر تہذیبوں کے باقیات مدفون ہیں یا کچھ نکال لیے گئے ہیں۔ جس حد تک جزیرہ نمائے اٹلی کا تعلق ہے، وہاں ایک گاؤں بھی مشکل سے ملے گا، جس میں "کھنڈروں" کی نمود نہ ہو۔ بعض نہایت شاندار کھنڈر پاآسٹم[3] میں ملتے ہیں جو زمانۂ قدیم میں گلاب کے ایسے پودوں کے لیے مشہور تھا، جن میں دو مرتبہ پھول آتے تھے۔ بعض تقریباً بنجر مقامات کے درمیان ایسے مندر اور ستون نظر آتے ہیں جن کی عظمت و شوکت کی کوئی

---

[1] Forum اس کا مطلب ہے چوک یا مرکز مباحث یا مرکز عدالت۔

[2] Porta Maggiore [3] یہ مقام اٹلی کے مغربی ساحل پر نیپلز کے جنوب میں تھا۔

نظیر نہیں مل سکتی۔ پتھروں سے گلاب کی بیلیں لپٹ گئیں اور یہ بدستور چلی آتی ہیں۔ عمارتیں حضرت مسیح سے تقریباً چار پانچ سو سال پیشتر بنائی گئی تھیں۔ اگر کسی شخص کو خوش نصیبی سے اٹلی میں کوئی جاگیر مل جائے اور حکومت کھدائی کی اجازت دے دے تو اُمید کی جاسکتی ہے کہ اس کے نصیب کا ستارہ بھی نپولین کے بھائی لوشیاں[1] کی طرح چمک اُٹھے گا۔ لوشیاں نے اتروریا[2] میں اپنی زمین کے اندر کھدائی کرائی تھی اور اسے سیکڑوں یونانی ظروف ملے، جن پر نہایت حسین جمیل نقش و نگار بنے ہوئے تھے۔ معلوم ہوتا ہے، لُوشیاں کی جائداد کے نیچے ولشی[3] نام ایک قبیلے کا مرگھٹ تھا۔ لوشیاں کی دریافت کا نتیجہ یہ ہوا کہ یونانی ظروف پر نقش و نگار کا مطالعہ سرگرمی سے شروع ہوگیا۔ اِس مطالعے کی بدولت ہمیں زمانۂ ماضی کے حالات بہتر انداز میں ذہن نشین کرنے کا موقع مل گیا۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ تمام شہر کیونکر دفن ہوگئے؟ بعض اوقات وہ طبعی اسباب کی بنا پر برباد ہوئے۔ مثلاً ہرکولینیم[4] اور پومپیائی[5] جو وسیوویس[6] کی گرم راکھ کے نیچے دب[7] گئے۔ بعض

---

[1] Lucien [2] Etruria اٹلی کا ایک صوبہ

[3] Vulci [4] Herculaneum [5] Pompeii

[6] Vesuvius [7] پومپیائی گرم راکھ اور روڑے کنکر میں دبا تھا۔ اس لئے سلامت نکل آیا۔ ہرکولینیم ایک لاوے سے دبا اور ایک چٹان بن گیا۔

اوقات وہ لڑائیوں کا ہدف بن گئے۔ اس کی مثال سیبارس[1] کی شاندار اور پُر تکلف نوآبادی پیش کرتی ہے۔ اس پر کروٹن[2] نے ایسی شدت اور بیدردی سے حملہ کیا کہ سیبارس کی تسخیر سے اسّی سال بعد مورخ ہیروڈوٹس کو اُس نوآبادی کا خفیف سا بھی نشان روئے زمین پر نہ ملا۔ بعض اوقات شہروں کو اس لئے چھوڑ دیا جاتا ہے کہ اُن کے طبعی وسائل ختم ہوجاتے ہیں یا مضر صحت حالات اور وبائی امراض کی پے درپے لہریں آبادیاں ختم کردیتی ہیں۔ ہم جنگ کے زخموں سے چُور یورپ کا حال دیکھ چکے ہیں۔ قدرت زخموں کے اندمال میں بڑی مستعدی سے کام لیتی ہے۔ مثلاً جہاں جہاں بموں کے گرنے سے بڑے بڑے گڑھے پڑ گئے تھے، وہاں تیزی سے روئیدگی کی صفیں بچھ گئیں اور آتش زدہ کھنڈروں میں بہت جلد شاندار خود رَو پھولوں کے تختے تیار ہو گئے۔ یہی کیفیت ماضی کے تباہ شدہ یا متروک شہروں کو پیش آئی۔ اُن پر بعد کے دوروں اور تہذیبوں نے نئے قصبے تعمیر کر لئے اور عملِ تعمیرِ نَو کے سلسلے میں تاریخی باقیات کے چہرے پر سے پردہ اُٹھ گیا۔

بعض باقیات ایسے ہیں۔ جیسے کل کے ہوں۔ لیکن کرۂ ارض کے مشرقی طول البلد کے درجہ ۶ اور درجہ ۱۸ اور شمالی عرض البلد کے درجہ ۳۶ اور درجہ ۴۶ کے درمیان یعنی اٹلی میں تعمیرات کی

---

[1] Sybaris اٹلی کے جنوب میں ٹرینٹم نام ایک خلیج ہے اس کے مغربی ساحل پر یہ نوآبادی آٹھویں صدی قبل مسیح میں قائم ہوئی تھی اور بہت خوشحال تھی۔ [2] Croton

ابتدا پر غور کیا جائے تو یہ آثار بہت پرانے ثابت ہوتے ہیں۔ جزیرہ نمائے اٹلی کا پورا رقبہ ایک لاکھ پانسو گیارہ مربع میل ہے، یعنی کیلیفورنیا کا دو تہائی۔ سسلی نو ہزار نو سو پینتیس اور سارڈینیا نو ہزار ایک سو ستاسی مربع میل ہے۔ رقبے کی کمی اٹلی نے ساحل کی طوالت میں پوری کردی۔ سسلی اور سارڈینیا کو نظر انداز کرتے ہوئے اٹلی کا ساحل پانچ ہزار میل لمبا ہے، لیکن دیکھئے اتنے لمبے ساحل پر مقابلۃً اچھی بندرگاہیں صرف چند ہیں، اگرچہ نیپلز، جینوآ، وینس، سویتا ویشیا[1]، املفی[2] اور برنڈزی کے حوالی بڑے شاندار ہیں۔ پورے یورپ اور اٹلی کے درمیان کوہستانِ ایلپس حد بنا ہوا ہے۔ صرف شمالی سمت چھوڑ کر اس کوہستان کی ہر سمت میں دریا اور ندیاں نالے بہتے ہیں۔ خود ایلپس میں ایک خصوصیت ہے جو اٹلی کی تاریخ میں بڑی حد تک کارفرما رہی۔ اس کوہستان کے شمال کی طرف سے اٹلی کی جانب آنا بہت سہل ہے۔ اٹلی سے برِ اعظم جانا اتنا سہل نہیں۔ اٹلی کی زیادہ سے زیادہ چوڑائی شمالی حصے میں ہے۔ یہ تین سو میل سے کسی قدر زیادہ ہوگی۔ اصل جزیرہ نما تقریباً ایک سو میل چوڑا ہے۔ بعض مقامات پر اس کی چوڑائی بڑھ بھی گئی ہے، مگر ڈیڑھ سو میل سے اوپر نہیں گئی، البتہ اس کی لمبائی سات سو ساٹھ میل ہے۔

شمال میں کوہستان ایلپس کے علاوہ اٹلی میں کوہستان ایپنائنز

---

[1] Civita Vecchia [2] Amalfi یہ مقام خلیج سلرنو میں ہے جو نیپلز کے جنوب میں واقع ہے

کا سلسلہ بھی موجود ہے، جو اٹلی کے طول میں ریڑھ کی ایک زبردست ہڈی کی طرح چلا آرہا ہے اور یہ سلسلہ مشرقی ساحل کی طرف خم کھاگیا ہے، جو بحیرۂ ایڈریاٹک پر واقع ہے۔ اٹلی میں ایک پہاڑ بھی ہے جو خاصا شاندار ہے اور اس میں جابجا چونے کے پتھر کی چوٹیاں ہیں۔ یہ اٹلی اور آسٹریا کے درمیان حدِّ فاصل ہے۔ جزیرہ نما کا مغربی حصّہ نسبتاً کم کوہستانی ہے۔ اُدھر ایڈریاٹک کی سمت کے برعکس پہاڑوں اور سمندر کے درمیان ہموار زمین زیادہ ہے۔ صنعت و حرفت تجارت اور وسائل حمل و نقل کے لیے اٹلی کا شمالی حصّہ نہایت سازگار ہے، جسے دریائے پوؔ کا طاس کہتے ہیں۔ یہ ایک وسیع مستطیل میدان ہے، جو کوہستانِ الپس اور آس پاس کی ندّیوں سے سیراب ہوتا ہے۔ یہ تمام ندّیاں مل کر اس طویل دریا میں شامل ہوتی جاتی ہیں، جس کا نام حددرجہ مختصر ہے (پو)۔ ارد گرد کی ڈھلانیں میدانی علاقے میں حمل و نقل کے لیے مشکلات پیدا نہیں کرتیں، بلکہ اس کے لیے حفاظت کا ذریعہ مہیّا کرتی ہیں۔

اٹلی کے بعض حصّوں میں جیسی بھی پہاڑی سڑکیں ہیں، ان پر یا تو پیدل سفر کیا جاسکتا ہے یا گدھے کی سواری پر۔ معلوم ہوتا ہے کہ قدرت اس مشکل سے آگاہ تھی، لہٰذا اس نے دوسری قابلِ گزر سڑکوں کا انتظام کردیا۔ ان سڑکوں کے بارے میں صرف یہ سمجھ لینا چاہیے کہ یہ ندّیوں اور میلوں کی خشک سطحیں ہیں۔ جب برف پگھلتی ہے تو انھیں میں سے

Po ؔپو

پانی بہ کر تفسیدہ وادیوں کو سیراب کر دیتا ہے ۔ اکثر سیاح یہ دیکھ کر حیران رہ جاتے ہیں کہ بکریوں کا کوئی ریوڑ اُلٹی اونچے نیچے راستوں میں سے جا رہا ہے ، جہاں چند ہفتے پیشتر پانی کے ریلے کے باعث کسی کو پاؤں رکھنے کا حوصلہ نہ تھا ۔ لیکن اطالوی کسان زندگی کی مشکلات میں دن پورے کرنے کا ڈھب سیکھ چکا ہے ۔ وہ جانتا ہے کہ قدرت ایک ہاتھ سے دے کر دوسرے ہاتھ سے چھین لیتی ہے ۔ لہٰذا وہ نرمی کے موسم میں کاشت کرتا ہے اور اس زمانے میں جتنا زیادہ سے زیادہ پانی جمع کر سکے ، کر لیتا ہے ۔ پھر خشکی کا موسم آتا ہے تو وہ اپنے جانور لے کر اور نالوں کی تلیٹیوں میں سے گزرتا ہوا چارے کی تلاش میں نکل جاتا ہے ۔ اس نے تجربے سے تقدیر پر شاکر رہنے کا ڈھنگ سیکھ لیا ہے ۔ دوسرے جفاکش اطالویوں کی طرح وہ بھی آزمائش کے اوقات میں اس ایک لفظ سے دل کو تسلّی دے لیتا ہے ، جو اٹلی میں اکثر سُنا جاتا ہے یعنی "صبر[1]" ۔

چونکہ جابجا پہاڑوں کی حدیں کھڑی ہیں ، اس لیے قصبات و دیہات میں اپنی اپنی زندگیاں بسر کرنے کا رجحان نمایاں ہے ۔ وہ نسلاً بعد نسل قائم شدہ مراسم پر چلے آ رہے ہیں ۔ یہی وجہ ہے کہ اٹلی میں آپ کو تنوّع اور تلوّن بہت ملتا ہے ۔ جینوآ ، جینوآ ہے جس طرح روما روما ہے ۔ جس طرح نیپلز اپنی جاذبیت ۔ صفائی سے بے پروائی اور شور و ہنگامے کی بنا پر نیپلز ہے ۔ کوہستانِ ایپی نائنز ہر موضع کو

---

[1] Patience اطالوی میں اسے Pazienza کہتے ہیں ۔

ایک دوسرے سے منقطع کرنے کے علاوہ اٹلی کے اُس حصے میں بھی خطِ تقسیم بنا گیا ہے، جو برّ اعظم اور جزیرہ نما کو باہم وابستہ کرتا ہے پھر جنوب کی طرف یہ سلسلہ آتے آتے سسلی کے شمالی و مشرقی گوشے تک پہنچ گیا ہے۔ اس طبعی سرحد کا نتیجہ یہ ہوا کہ شمالی اٹلی اور جنوبی اٹلی میں کردار اور نشو و نما کا اختلاف پیدا ہوگیا۔ سسلی اور سارڈینیا سیاسی اعتبار سے قوم کے ساتھ وابستہ ہوگئے، مگر سمندر اُنھیں اٹلی سے الگ کرتا ہے اور تاریخی لحاظ سے بھی یہ الگ رہے۔ یوں انھوں نے خود اپنا رنگ پیدا کرلیا۔

جغرافیہ نگاروں کے نزدیک ایک زمانہ ایسا بھی تھا، جب سسلی برّی اعتبار سے اٹلی کے تلوے کے ساتھ وابستہ تھا۔ اب دونوں کے درمیان دو میل چوڑی آبنائے حائل ہے، جسے آبنائے میسینا[1] کہتے ہیں، لیکن (دونوں کا ملے ہوئے ہونا) یہ بہت پرانی بات ہے۔ ہومر کے زمانے میں جہاز راں اس آبنائے سے پوری طرح آگاہ تھے اور اس کے خطرناک بھنوروں میں سے گزرتے ہوئے بڑے محتاط رہتے تھے۔ انھوں نے اِس حصّے میں سمندر کے تموج و تلاطم کا ذمّہ دار دو افسانوی دیووں کو قرار دے لیا تھا، ایک "سِلّا"[2] اور دوسرا چیریب ڈس[3]۔ سِلّا کیلبریا (اٹلی) کے ساحل پر تھا اور یہ ایک غار میں رہتا تھا، مگر اس نے اپنی دس ٹانگیں دُور دُور پھیلا رکھی تھیں۔

---

[1] Messina [2] Scylla [3] Charybdis

ملاحوں اور جہاز رانوں کی تاک میں رہتا تھا۔ وہی اس کی من بھاتی خوراک تھے ۔ چیرب ڈس سسلی کے ساحل پر تھا اور صرف سیّال غذا پر قناعت کرتا تھا۔ وہ دن میں تین مرتبہ آبنائے کا پانی پی لیتا اور تین وقت اُسے اُگل دیتا۔

آج کل جو کشتیاں اور جہاز آبنائے میسینا سے ہر نصف گھنٹے کے بعد گزرتے ہیں ، اُنھیں "سلاّ" اور "چیرب ڈس" کا کوئی خوف نہیں جو یونانیوں کی چھوٹی چھوٹی اور ہلکی کشتیوں کے لیے تباہی کا باعث تھے ، لیکن ملاحوں اور جہازرانوں کو ہضم کرجانے والے دیو کی یاد اب تک سلاّ کی شکل میں زندہ ہے - اطالوی ساحل کی ایک چوٹی پر سلاّ نام ایک قلعہ بنا ہوا ہے - باقی رہا چیرب ڈس تو اس کے بھنور اب بھی گلابی رنگ کے جھاگ پانی کی سطح پر پیدا کرتے رہتے ہیں ، جس کا نام شاعر مزاج اطالوی ماہی گیروں نے گیروفانی[1] رکھ چھوڑا ہے ، یعنی گلابی رنگ کے پھول۔ یوں افسانے نے ایک حسین و جمیل لباس پہن لیا اور اس سے خوفزدہ ہونے کی کوئی وجہ نہ رہی ۔

دنیا کے اس مسحور کُن حصّے میں اور بھی طبعی عجائب موجود ہیں دورِ حاضر کے ایک مستند صاحب علم پروفیسر ولہیلم ڈیک[2] نے اعلان کیا کہ افریقہ اور سسلی کے درمیان ایک طبعی بڑی پُل موجود تھا۔ جب اس پُل کی جگہ سمندر نے لے لی تو جو ہاتھی اس کے راستے

---

[1] Garofani

[2] Wilhelon Deecke

افریقہ سے یورپ جایا کرتے تھے، وہ ختم ہوگئے۔ یہ پُل پروفیسر ڈیک کے قول کے مطابق آج بھی سمندر کے نیچے موجود ہے اور اس کے وجود کے لیے ہمیں موصوف کا قول درست مان لینا چاہیئے۔ نیپلز کے نزدیک ویسوویس کا آتش فشاں۔ سسلی میں کٹانیا[1] شہر کے نزدیک اٹینا[2] کا آتش فشاں۔ سسلی کے شمالی ساحل سے آگے بڑھ کر جزائرِ لیپاری[3] میں سے سٹرومبولی[4] کا شاندار آتش فشاں بھی عجائبات میں سے ہیں، خصوصاً جب یہ لاوا اُگلتے ہیں۔ اٹینا سے ہر وقت تھوڑا بہت دھواں اُٹھتا رہتا ہے۔ نومبر ۱۹۲۸ء میں اس نے خوفناک تیزی اور تندی اختیار کرلی۔ اس سے صرف گرج اور کڑک ہی کی صدائیں نہ آتی تھیں، بلکہ پگھلے ہوئے لاوے کا کئی سو فٹ چوڑا سَیل اس کی ڈھلانوں سے بہ نکلا اور راستے کے تمام دیہات اور قصبات محو کر ڈالے۔

نومبر ۱۹۵۰ء میں یہ دوبارہ پھٹا اور ہفتوں لاوا اُگلتا رہا۔ سسلی کے دیہاتیوں نے اپنے تمام بزرگوں کے سامنے مجسّمے باہر نکالے اور وہ جلوس کی شکل میں پھرے۔ ساتھ ہی دعائیں مانگیں کہ ان کے گھر محفوظ رہیں۔ ایک مصنّف اینتھونی بوٹیٹا[5] نے اس کی چشم دید کیفیت ایک مکتوب میں بیان کی تھی، آپ بھی ملاحظہ

---

[1] Catania [2] Etna [3] Lipari سسلی کے شمال میں جزائر کا ایک مجموعہ ہے، جس میں سب سے بڑا جزیرہ لیپاری ہے اور اسی سے سب کو جزائر لیپاری کہتے ہیں۔

[4] Stramboli [5] Buttitta

فرما لیجیے:

"ہم میں سے چند دوست لاوے کا سیل شروع ہونے سے چند منٹ بعد بیل سوگیورنو[1] (ٹارمینا[2]) سے اس کا نظارہ دیکھنے گئے۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ ایک گرجتی ہوئی بھٹی جوش زن ہے۔ دھماکے پر دھماکے ہو رہے ہیں اور آگ کا ایک بلند ستون اُٹھ کر بادلوں میں پہنچ رہا ہے۔ ہر دھماکے سے ایک نیا دہانہ نمودار ہوتا تھا۔ اس طرح تھوڑی سی دیر میں اڑتیس دہانے پیدا ہو گئے۔ آگ اور گندھک کا دھواں برابر اُٹھ رہے تھے۔ لاوا دہانوں سے نکل رہا تھا اور وادیٔ بوؤ[3] میں آتشیں ندی کئی میل تک نظر آ رہی تھی .... ۶۔ دسمبر کو میں وہ ندی دیکھنے گیا۔ کیا کہوں، کیا منظر تھا۔ اُس وقت مٹی، پتھر اور دھات کے گرم آتشیں سیل کی رفتار تیس یا چھتیس گز فی گھنٹہ تھی۔ معلوم ہو رہا تھا کہ کسی بہت بڑے زخم سے خون اُبل اُبل کر بہ رہا ہے۔"

بلا شبہ یہ آتش فشانی نہایت ہولناک تھی، لیکن اس آتش فشانی سے اُس کا کیا مقابلہ ہو سکتا تھا، جو ۷۹ء میں ویسووس نے دکھائی اور شہر پومپئی جلتی ہوئی راکھ کی بارش میں دفن ہو گیا۔ ۱۷۴۶ء تک مدفون ہی رہا۔ پھر ایک کسان نے وہاں کنواں کھودنا چاہا تو اسے ایک خوبصورت مجسمہ مل گیا۔ مزید کھدائی کی تو ایک نہایت عمدہ

---

[1] Bel Soggiorno [2] Toormina [3] اسلامی عہدِ حکومت میں اسے شرمہ کہتے تھے۔ Bove

کمرہ نکل آیا، جس کی دیواروں پر تصویریں بنی ہوئی تھیں۔ آج آپ وہاں جائیں تو پومپئی کے تمام مکان اور بازار دیکھ سکتے ہیں، جنھیں کھدائی سے برآمد کرلیا گیا ہے، بلکہ جانوروں اور انسانوں کے ڈھانچے بھی مل جاتے ہیں، جو مکانوں میں دب گئے تھے۔

ہرکولینیم بھی اسی آتش فشانی میں برباد ہوا تھا۔

اُس وقت سے ویسوویس پھر بھی وقتاً فوقتاً آگ اُگلتا رہا۔ اٹینا کی بلندی ۱۸۶۱ء میں دس ہزار آٹھ سو ستر فٹ تھی، ۱۹۵۱ء میں دس ہزار سات سو اکتالیس فٹ رہ گئی۔ اسی طرح ویسوویس کی بلندی میں بھی کمی آگئی ہے۔ شروع میں یہ چار ہزار دو سو پچھتر فٹ تھا مگر اب اس کی چوٹی اُڑ گئی ہے اور اس کا پُرعظمت خاکہ بالکل بدل گیا ہے۔

سٹرامبولی بھی اگرچہ سرگرم آتش فشاں پہاڑ ہے، مگر اس نے زیادہ شہرت حاصل نہ کی، صرف ایک فلم میں اس کا نام آیا اور وہاں جو ماہی گیر رہتے ہیں، اُن کے پاس کوئی خاص چیز ہے ہی نہیں، جو تباہ ہوسکے۔ تاہم ان لوگوں کو ایسے خطرے کے کنارے زندگی بسر کرتے ہوئے دیکھنا خاصا درد انگیز ہے، جو اُن کے وطن سے چمٹا ہوا ہے۔ آگ اُگلنے کے بعد لاوا ٹھنڈا ہوجاتا ہے تو بچے کھچے لوگ پھر اپنے جلے ہوئے دیہات کی تعمیرِ نو میں مصروف ہوجاتے ہیں۔ اور انگور کے باغ دوبارہ لگالیتے ہیں۔ شاید یہ سب کچھ اطالویوں کی حُبِّ وطن کا نتیجہ ہے جسے سان فرانسس نے مدت ہوئی بڑے اچھے انداز میں پیش کیا

تھا۔ فرمایا تھا! "کیا تم زیارت کے لئے جانا چاہتے ہو؟ جاؤ، اپنے گھر جاؤ، کیونکہ وہی خدا کا مقدّس گھر ہے۔" تاہم ان جفاکش ماہی گیروں کے سلسلے میں یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ آتش فشانی کے بعد آس پاس کی زمین زیادہ زرخیز ہو جاتی ہے، لہٰذا یہ لوگ اس سے چپٹے ہوئے ہیں۔

پہاڑوں اور آگ اُگلنے والے دہانوں کو چھوڑتے ہوئے، جو آگ اور گندھک کی فراوانی سے جہنّم پیدا کر دیتے ہیں، اٹلی ہمیشہ بے شمار پھولوں کی سرزمین رہا ہے، جس کی فضا عموماً پاک صاف رہتی ہے اور آب و ہوا میں بہشت کی سی کیفیت ہے۔ جو لوگ ابتدا ہی میں اٹلی پہنچے، وہ اس کے عجائبات کی کہانیاں ساتھ لائے۔ چودھویں صدی میں امریکہ ابھی دریافت نہیں ہوا تھا اور انگریز شاعر چاسر اٹلی پہنچتے ہی اس کا شیدائی بن گیا۔ اس نے کہا: "یہ روئے زمین پر فردوس ہے۔" بعد کے سیاحوں نے اس سے اتفاق کیا۔

اٹلی کی خاص جغرافیائی حیثیت، نیز اس کے سلسلہ ہائے کوہ کے موقع اور محل کے باعث آب و ہوا نے خاص شکل اختیار کی۔ یہ یورپ کے گرم ترین ملکوں میں سے ایک ہے، تاہم مشرق و مغرب میں بحیرۂ ایڈریاٹک اور بحیرۂ ترہینیا[1] کے باعث آب و ہوا میں اعتدال پیدا ہو جاتا ہے۔ شمال میں ایلپس کی برفوں

---

[1] Tyrrhenian Sea

اور برفانی چٹانوں کے باعث وسیع میدانی علاقہ ملک کا سرد ترین حصّہ بن گیا ہے، مگر وہاں بھی موسم سرما میں تورین[1] جیسے شمالی شہر کے پارہ پانچ سے نیچے شاذ ہی گرتا ہے۔ حد درجہ عجیب واقعہ یہ ہے کہ سب سے زیادہ سرد آب و ہوا علاقہ ابروزی[2] میں پائی جاتی ہے، جو اطالوی بوٹ کی پنڈلی سے ذرا نیچے ہے اور جہاں کوہستانِ ایپی نائنز کے وسطی سلسلے نے متوازی ٹیلوں کا ایک سلسلہ قائم کر دیا ہے، وہاں نومبر کے اوائل میں برف گرنے لگتی ہے۔ شمالی علاقے میں ایسی صورت شاذ ہی پیش آتی ہے۔ یہاں کھیت اور پہاڑ بڑے بنجر اور بے رونق ہیں۔ خلیج جنیوآ کے سواحل پر رویرا پونینتی[3] سے یہ حالت بالکل مختلف ہے۔ یہ علاقہ دُور شمال مغرب میں ہے۔ ابروزی میں لیمو، سنترہ اور کھجور کے درخت سرما میں بھی بڑھتے رہتے ہیں اور انسان یہ دیکھ کر محوِ حیرت رہ جاتا ہے کہ جس شے کو وہ پہاڑوں کی ڈھلوانوں پر برف سمجھتا ہے، وہ نورچشم[4] یا یورپی ڈیزی کے پھولوں کا تختہ ہوتا ہے۔ حقیقی برفباری اٹلی کے اکثر حصّوں میں کم ہی ہوتی ہے اور جب برف گرتی ہے تو سکولوں کے بچے چھٹی کا مطالبہ کرتے ہیں اور انھیں چھٹی دے دی جاتی ہے۔

اٹلی کی آب و ہوا پر ایلپس کے بجائے ایپی نائنز نے

لے Turin   لے Abruzzi   لے Riviera Ponente

لے Marguerites یورپ کا ایک مشہور پھول جسے یورپی ڈیزی کہتے ہیں۔

زیادہ اثر ڈالا - یہ جزیرہ نما کے طول و عرض میں اپنی نائنز کی موقعیت کا نتیجہ ہے ۔ پہاڑوں اور سمندر کے درمیان جو زمین ہے ، وہ زیتون کی کاشت کے لیے مثالی مقام ہے اور پھل والے درختوں میں زیتون کی عمر سب سے زیادہ لمبی ہوتی ہے ۔ انگور تاکستانوں میں پیدا ہوتے ہیں ، جو پہاڑوں کی ڈھلانوں پر درجہ بدرجہ ، پایہ بہ پایہ بنا دیے جاتے ہیں ۔ باڑیں عموماً ناگ پھنی کی ہوتی ہیں ، جسے خاردار ناشپاتی یا ہندوستانی انجیر کہتے ہیں - جتنا جنوب کی طرف جائیں ، نباتات زیادہ ہوتی جاتی ہے ۔ انسان جن پھولوں ، جھاڑیوں اور درختوں سے اب تک آشنا ہوا ، وہ سب یہاں مثالی انداز میں پیدا ہوتے ہیں ۔ سسلی میں بھی فراوانی کی یہی کیفیت ہے ، جہاں سنترے اور لیموں بھی ہوتے ہیں اور بادام بھی دو مرتبہ پھل دیتے ہیں ۔

جس شخص نے فروری میں تارمینا (سسلی) کی بلندی پر کھڑے ہوکر گرد و پیش نظر ڈالی ، اسے پُر عظمت اٹینا کی برفانی ڈھلانوں پر بادام کے درختوں میں ہلکے پیازی رنگ کے پھول نظر آئے ، وہ اس منظر کو کبھی نہ بھلا سکا ۔ خوشنمائی کے علاوہ بادام نہایت قیمتی فصل ہیں اور اطالوی انھیں ہری چھال کے ساتھ تازہ تازہ ہی کھا لینے کے شائق ہیں ۔ یہاں خاردار ناشپاتی بھی ہوتی ہے ۔ اس کے گول گول تنے سے نئے نئے شگوفے پھوٹتے ہیں ۔ ناگ پھنی اس سرزمین میں اس کثرت سے ہوتی ہے کہ جب بتایا جائے ، یہ جھاڑی سولھویں صدی میں میکسیکو سے آئی تھی تو انسان حیران رہ جاتا ہے ۔ یہاں سائراکیوز میں

ایک اور چیز بہت ہوتی ہے، یعنی پیپرس - پیپرس مصر سے آئی تھی -
پھل والے درختوں کے علاوہ لیمو اور سنترے بھی بہ کثرت ہوتے ہیں -
انار بھی بہت ہے - اس کے ستارہ نما قرمزی پھول بڑے خوبصورت معلوم
ہوتے ہیں اور پھل ایسا ہوتا ہے، جیسے چرمی بٹوے میں لعل بھروئے
گئے ہوں - زمانۂ قدیم سے سسلی بحیرۂ روم کے ملکوں کا اناج گھر
چلا آتا ہے، کیونکہ اس میں گندم اور دوسرے غلّے بہ کثرت پیدا ہوتے
ہیں - اس پر تعجب نہ ہونا چاہیئے کہ یہاں پلوٹو[1] اور پروسرپائن[2]
—— جو غلّے کی دیوی سیرس[3] کی بیٹی تھی —— کے افسانے کے لئے
سسلی میں اٹینا کی وادی متعیّن ہوئی - یہیں عالمِ اسفل کا دیوتا زمین
پر آیا اور پروسرپائن کو اُس وقت اُٹھا لے گیا، جب وہ نرگس
کے پھول جمع کر رہی تھی - نرگس اب بھی ہر سال یہاں بہ کثرت
ہوتی ہے -

اٹلی میں اور جو درخت پائے جاتے ہیں، ان میں سے قابلِ
ذکر زیتون، انجیر، خرمالا، صنوبر اور سرو ہیں - سرو کے درخت بلندی
میں آسمان پر پہنچے ہوئے نظر آتے ہیں - مدّت ہوئی، اٹلی میں
درختوں کے جنگل تھے، مگر کسانوں نے ضرورت کے لئے کاٹ لئے اور
زمین کے مالک مجرمانہ بے پروائی سے کام لیتے رہے -

حالت دردناک ہوگئی - درخت کاٹے گئے تو ڈھلانوں کی
زمین کے جمے رہنے کی کوئی صورت نہ رہی - برسات کے موسم

---

[1] Pluto حصّۂ اسفل کا دیوتا۔ [2] Proserpine [3] Ceres

میں پانی کے ریلے آئے تو ان زمینوں کو بہا بہا کر میدانوں میں لے گئے۔ جنوبی اٹلی میں جنگلوں کے کٹ جانے کا نتیجہ نہایت خوفناک ہوا۔ ڈھیلی چٹانوں اور زمین کے اجزا بہہ بہہ کر ندیوں کی تلیٹیاں بھر گئیں اور وہاں جابجا ملیریا والے مچھر پرورش پانے لگے۔ اٹلی کا ایک ضلع میرِمانہ[1] ہے۔ دانتے[2] اس سے خوب واقف تھا اور تیرھویں صدی میں اس ضلع کے متعلق اس نے حد درجہ مؤثر انداز میں لکھا۔ پونتائن[3] کی دلدلیں اس درجہ صحت تباہ کرنے والی تھیں کہ جب ایک گڈریے سے پوچھا گیا کہ "تم یہاں جیتے کیونکر ہو؟" اس نے حسرت سے جواب دیا "ہم یہاں جیتے نہیں، بلکہ مرتے ہیں۔" ماضی قریب میں جنگل دوبارہ پیدا کرنے کی کوششیں کی گئیں۔ باقی رہے جانور تو لمبے لمبے سینگوں والے روپہلے بادامی رنگ کے بیلوں کے علاوہ — جو رومی کمپانا[4]، اپولینا اور لشکنی میں ہوتے ہیں — بھیڑ بکریاں عام ہیں۔ ابروزی میں خچر بھی پائے جاتے ہیں۔ سارڈینیا میں بڑی بڑی آنکھوں والے ہرن کے رنگ کے گدھے بھی ہیں، لیکن ان کا قد سان برنارڈ کے کتوں سے بڑا نہیں ہوتا۔ وہ بار برداری کے کام آتے ہیں۔ سارڈینیا میں موفلون[5] بھی ہوتی ہیں۔ یہ بھیڑوں کی ایک خاص قسم ہے، جو تقریباً ناپید ہو چکی ہے۔ سرخ رنگ اور سینگ نصف دائرے کی شکل میں جھکے ہوئے۔ جب ۱۹۲۴ء

---

[1] Maremma — [2] Dante — [3] Pontine

[4] Roman Campayna — [5] Moufflon

میں روما کے ارد گرد کی دلدلیں خشک کرنے لگے تو بھینسوں سے بھی کام لیا گیا۔ انھوں نے آبی پودوں کی جڑیں اُکھاڑ دیں اور اُن کی تیز پیدا وار رُک گئی۔ بھینسے ۲۰۰ ق-م کے قریب ہینی بال افریقہ سے لایا تھا۔ جنگلی سوٗر زمانۂ حال تک جھاڑیوں میں گھومتے پھرتے تھے۔ بھیڑیے بھی ہوتے ہیں۔ کیا یہ واقعہ نہیں کہ ایک بھیڑنی نے دو جُڑواں بچوں رومیولس[1] اور رمیس[2] کو دودھ پلایا؟ اِنھیں نے آگے چل کر روما کی بنیاد رکھی۔

---

[1] Romulus [2] Remus یہ دونوں بھائی روما کے افسانوی بانی مانے جاتے ہیں۔

دوسرا باب

اہلِ اٹلی میں تنوّع

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ اٹلی کیا ہے اور اطالوی کون ہیں؟ دوسرے سوال کے مقابلے میں پہلے کا جواب آسان ہے۔ ۲۔ جون ۱۹۴۶ء سے اٹلی میں جمہوری حکومت قائم ہے۔ دوسری عالمی جنگ کے بعد آزادانہ انتخابات ہوئے تو شاہ ہمبرٹ[1] دوم — جو خاندان سیوائے کا آخری بادشاہ تھا — اہل و عیال کے ساتھ ملک سے باہر چلا گیا اور لیوگی ایناوڈی[2] اٹلی کا پہلا صدر بنا۔

جمہوریہ اٹلی اٹھارہ خطوں میں منقسم ہے۔ ان میں سے اکثر اُس وقت سے چلے آتے ہیں، جب اٹلی میں ایک قوم بھی وجود پذیر نہیں ہوئی تھی۔ خطے یہ ہیں: پیمونٹ[3]، لمبارڈیا[4]، لیگوریا[5]، وینیٹو[6]، وینیزیا[7]، ترائی دنیتینا[8]، وینیزیا جیولیا[9]، ایمیلیا[10]، دی مارش[11]، تسکنا[12]، لیزیو[13]، امبریا[14]، ابروزی اور مولیز[15]، کمپانیا[16]، پگلی[17]، بیسیلیکاٹا[18]

---

1. Humbert
2. Luigi Einaudi
3. Peimont
4. Lombardia
5. Liguria
6. Veneto
7. Venezia
8. Tridentina
9. Venizia Giulia یہ وہی علاقہ ہے جس میں ٹریسٹ واقع ہے۔
10. Emilia
11. the Marche
12. Toscana
13. Lezio
14. Umbria
15. Molise
16. Campania
17. Puglie
18. Basilicata

(اسے لوکانیا[۱] بھی کہتے ہیں)، کیلیبریا، جزیرۂ سسلی، سارڈینیا، ٹریسٹ، استریا زارا[۲]، بعد میں اطالوی جمہوریت سے وابستہ ہوئے۔

عجیب امر یہ ہے کہ اٹلی کے اندر دو بالکل خود مختار ضلعے ہیں، ایک شہر ویٹیکان[۳]، دوم جمہوریہ سان مارینو[۴]، جو بولونا[۵] کے نزدیک ہے۔ یہ چھوٹی سی جمہوریت صرف اڑتالیس مربع میل ہے۔ غالباً دُنیا کی قدیم ترین جمہوریت ہے، کیونکہ چوتھی صدی عیسوی میں مسیحیوں کے ایک گروہ نے اس کی بنیاد رکھی تھی۔ سان مارینو ان مسیحیوں کو شہنشاہ ڈایوکلیشن[۶] کے ظلم و جور سے بچاکر لے گیا تھا اور انھیں مونٹی ٹٹانو[۷] میں آباد کیا۔ وہاں انھوں نے ایک خود مختار شہر بنا لیا، جس نے بعد ازاں جمہوریت کی شکل اختیار کرلی۔ یہ جمہوریت جزیرہ نمائے اٹلی میں سولہ سو سال سے امن کی زندگی بسر کر رہی ہے۔

شہر ویٹیکان فروری ۱۹۲۹ء میں معاہدۂ لیٹران[۸] کے ذریعے سے آزاد ریاست بنا تھا۔ یہ معاہدہ پوپ اور وقت کی فاشسٹ حکومت کے درمیان ہوا تھا۔ اگرچہ اس کا رقبہ صرف ایک سو نو ایکڑ ہے اور پورا ویٹیکان شہر گولف کے ایک میدان سے زیادہ بڑا نہیں، لیکن اس میں سینٹ پیٹر کا گرجا موجود ہے، جو دنیا میں سب سے بڑا گرجا ہے۔ ویٹیکان کا محل ہے، جس میں ایک ہزار کمرے ہیں۔

---

[۱] Lucania
[۲] Istria Zara
[۳] Vatican
[۴] San Marino
[۵] Bologna.
[۶] Diocletion
[۷] Monte Titano
[۸] Lateran

مشہور نگارخانے ہیں، جن میں مسیحی دنیا کی بعض نہایت بیش بہا چیزیں محفوظ ہیں۔ اٹلی کے اتحاد سے پیشتر پاپائی جاگیرات جزیرہ نما میں بحیرۂ ایڈریاٹک سے بحیرۂ ترہینیا تک سولہ ہزار مربع میل میں پھیلی ہوئی تھیں۔ ۱۸۷۰ء میں اطالوی فوجوں نے رومہ پر قبضہ کیا تو پوپ سے حکومت کے اختیارات لے لئے گئے۔ عذر یہ پیش کیا گیا کہ رومہ کو سلطنت میں شامل نہ کیا گیا تو اٹلی میں حقیقی اتحاد پیدا نہ ہوگا۔

پوپ پائس نہم اور اس کے جانشین اپنے آپ کو ویٹیکان میں قیدی سمجھتے رہے۔ وہ نہ محل سے باہر نکلتے اور نہ بادشاہی کی کسی تقریب میں حصہ لیتے۔ اُن کا عذر یہ تھا کہ اب ویٹیکان پر اطالوی حکومت قابض ہے اور اس نے پوپوں کا محض زندہ رہنا برداشت کرلیا ہے۔ معاہدۂ لیٹران کے بعد حکومت اور ویٹیکان کے درمیان پورے سفارتی تعلقات قائم ہوگئے۔ پوپ کو شہر ویٹیکان کا رئیس تسلیم کرلیا گیا اور پورے قانونی، انتظامی اور عدالتی اختیارات اسے دے دیے گئے۔ دوسری آزاد حکومتوں کی طرح ویٹیکان نے بھی باقی دنیا سے سفارتی تعلقات قائم کرلے۔ آج سینتیس حکومتوں کے نمائندے پوپ کے پاس موجود ہیں۔

ویٹیکان کی اپنی ریل ہے، جو صرف نصف میل لمبی ہے۔ ریڈیو کا ایک اعلیٰ مرکز ہے۔ ڈاک خانہ ہے۔ رصدگاہ، کتب خانہ، بارکیں اور عدالت ہے۔ ایک جیل خانہ بھی ہے، لیکن اس میں زیادہ قیدی نہیں رہتے، صرف چند آدمی نظر آتے ہیں۔ ایک وقت میں صرف ایک ہی قیدی تھا۔ وہ کتب خانے کا منتظم تھا، جس بہد کتابیں

چُرانے کا الزام لگا تھا۔

شہر ویٹیکان کا اپنا مطبع اور اپنا اخبار ہے، جو اطالوی میں نکلتا ہے، اس کے نام کا انگریزی ترجمہ ہے: "رومن آبزروور"[1] - اس اخبار کے ذریعے سے پاپائی عدالت کی کارروائیاں اور اہم بین الاقوامی معاملات کی روداديں چھپتی رہتی ہیں - کتب خانے میں بیش بہا مخطوطے ہیں، جن سے استفادے کے لئے دنیا کے اہلِ علم آتے ہیں - قدیم مخطوطے محفوظ رکھنے کے لئے موجودہ دور کے سائنٹفک طریقے استعمال کئے جاتے ہیں - بعض قیمتی مخطوطوں کی اصل حالت بحال کی گئی، کیونکہ ان پر بعد کے افراد نے نئی تصانیف لکھ دی تھیں - اسی سلسلے میں سسرو کی ایک نامعلوم تحریر جمہوریت کے متعلق ملی، جس پر ساتویں صدی کے ایک مصنف نے نئی کتاب تحریر کردی تھی[2]۔

نئے دور کی تجدیدات کے ساتھ ساتھ ویٹیکان نے زمانۂ ماضی کی شان و شوکت بھی محفوظ رکھی ہے - عمارتوں میں بھی اسے دیکھا جاسکتا ہے اور سوئزرلینڈ کی گارد کی وردیوں میں بھی - اس گارد کی تنظیم پہلے پہل پوپ جولیس[3] دوم نے کی تھی اور گارد کی وردیاں وقت کے عام لباسوں کے مطابق تیار کی گئی تھیں - پھر مائیکل اینجلو[4] نے اِن میں اصلاح کی - جس شخص نے بھی گارد کو نیلی پیلی اور سرخ پٹیوں والی وردیوں

---

[1] Roman Observer (اطالوی Osservatore Romano)

[2] مصنف کا مطلب یہ ہے کہ مخطوطے کا خیال نہ رکھا، سمجھ لیا گیا کہ کاغذوں کا پُلندا ہاتھ آگیا ہے اور اس پر اپنی تصنیف شروع کردی۔ [3] Julius [4] Michelangelo

سیاہ ٹوپیوں اور سُرخ فیتوں میں دیکھا ہے، وہ اچانک کسی اور ہی زمانے میں پہنچ جاتا ہے۔ اسی طرح ویٹیکان شہر کی ایک کارگاہ میں پہنچ کر بھی یہی کیفیت پیدا ہوتی ہے، جہاں راہباؤں کی ایک جماعت ایک بڑی میز پر جھکی ہوئی کسی مشجّر کی مرمت کرتی ہے۔ ان کے سامنے ریشمی دھاگے کے درجنوں گولے ہوتے ہیں۔ وہ ان شاہکاروں کی مرمت میں حد درجہ احتیاط سے کام لیتی ہیں، جن کا نقشہ چار سو سال پیشتر ریفائل[1] نے تیار کیا تھا اور فلانڈرس کے نہایت چابکدست کاریگروں نے وہ مشجّر بنایا تھا۔

آپ راہباؤں کو کام میں مصروف چھوڑ کر ویٹیکان کے ایک دفتر کی عمارت میں جاتے ہیں۔ وہاں ٹیلیفون کی آواز سُن کر متحیّر ہو جاتے ہیں۔ دروازے کے پیچھے سے ٹائپ کی مشینوں کی ٹک ٹک سُنتے ہیں۔ یہ مشینیں امریکہ کی بنی ہوئی ہیں۔ پھر آپ سینٹ پیٹر کے گرجے میں جاتے ہیں تو وہاں موسیقی اور آوازیں سنتے ہیں، جنھیں دُور دُور پہنچانے کے لیے آلہ ہائے مکبّر الصّوت لگے ہوئے ہیں۔ سینٹ پیٹر کے گرجے کے سامنے جو چوک ہے ــــ جسے ایک دائرہ کہنا چاہیئے ــ وہاں بھی آلہ ہائے مکبّر الصّوت لگے ہوئے ہیں اور اس تاریخی مقام میں ایک خاص اثر پیدا کرتے ہیں۔

روما میں آپ جہاں جائیں، الگ سے الگ چیز پائیں گے۔ بازاروں کی دیواروں پر آپ اشتہار دیکھیں گے، جن میں کسی امریکی فلم

---

[1] Raphael

کا ذکر ہوگا۔ اہلِ روما بڑی سنجیدگی سے اپنا کام کر رہے ہوں گے، اگرچہ ان کا لباس قدرے میلا ہوگا۔ ان کے چہروں میں حیرت انگیز بوقلمونی نظر آتی ہے۔ کہیں ایک لڑکی "ہسپانوی سیڑھیوں"[ل] پر موسم کے پھول آپ کی خدمت میں پیش کرے گی۔ اس کے بال بھورے اور آنکھیں نیلی ہوں گی۔ پاس ہی ایک اور گلفروش لڑکی ہوگی، جس کی آنکھیں سیاہ چمکیلی ہوں گی۔ اس کے ہاتھ میں بھی نہایت عمدہ گلدستے ہوں گے۔ پھر ایک موٹر آکھڑی ہوگی۔ ڈرائیور اُتر کر ایک گلدستہ خریدے گا اور موٹر میں بیٹھی ہوئی محترمہ اشارے سے بتائے گی کہ کون سا خریدنا چاہیئے۔ محترمہ کے چہرے پر وہی سنجیدگی اور باقاعدگی ہوگی، جو پرانے زمانے کے سکّوں کی تصویروں سے عیاں ہے۔ فوّارے کے قریب خمیدہ ناک اور سیاہ مونچھوں والا آدمی — جسے ہالی وُڈ کے بدمعاش کا مرقع سمجھنا چاہیئے — اپنا گدھا ہانکتا ہوا لے جارہا ہوگا۔ یہ سب لوگ رومی اور اطالوی ہوں گے۔ اگر آپ کسی خاص نمونے اور خط و خال کی تلاش میں ہیں تو یقیناً آپ کو مایوسی ہوگی۔

روما یا اٹلی میں کوئی ایسا نمونہ نہیں مل سکتا، جسے آپ بالخاصہ اطالوی قرار دے سکیں اور روما کی تاریخ ہی سے ظاہر ہے کہ کسی خاص نمونے کا نشوونما وہاں غیر ممکن تھا۔ جب رومیوں نے اقتدار حاصل کرلیا تو فاتحین یونانیوں، مصریوں، ایشیائے کوچک کے

ل Spanisch Stairs

باشندوں ، سامیوں ، گالوں اور ہسپانویوں کو غلام بناکر روما لاتے رہے ساتھ ہی اعلیٰ درجے کے دستکار اور آزاد آدمی آتے رہے - پشتوں تک باہم شادی بیاہ کا سلسلہ جاری رہا - یوں افراد میں غیر معمولی تنوّع پیدا ہوگیا - لہٰذا فنکار کے چوبی ماڈل کی طرح کوئی خاص وضع تجویز کرکے اسے طالوی یا فرانسیسی یا انگریز قرار دینا غلط ہوگا اور یہ بھی واضح رہے کہ تمام اطالویوں ، تمام فرانسیسوں اور تمام انگریزوں کو اس نمونے کے مطابق اتارنا بھی بالکل ٹھیک نہ ہوگا - زندگی تنوعات سے لبریز ہے - تاریخ حد درجہ پُرپیچ ہے - ان حالات میں آپ کو جُدا جُدا نمونوں کی اُمید نہ رکھنی چاہیئے -

اگر آپ کہیں اٹلی میں یکسانی پاتے ہیں تو اس حالت میں بھی آپ کو تنوّع نظر آئے گا - مثلاً آپ نے سوئزرلینڈ کی گارد کا عمدہ لباس دیکھ لیا - اب بتائیے ، یہ لوگ کون ہیں ، جو سُرخ چغے پہنے اور سیاہ کمر بند باندھے متانت کے ساتھ اُس بڑی عمارت سے نکل رہے ہیں ؟ یہ جرمن اور ہنگری کے کالج کے طلبہ ہیں ، جنھیں رومی اُبلے ہوئے جھینگے قرار دیتے ہیں - روما میں یہ ایک قدیم ترین درسگاہ ہے ، جہاں ہر قوم کے طلبہ آتے ہیں اور پادریوں کی تربیت پاکر جاتے ہیں - پھر یہ لوگ کون ہیں جو فورم میں آپ کو ملے ؟ ان کے چغے اور کمر بند مختلف رنگوں کے ہیں - یہ بھی طلبہ ہیں اور رنگوں سے آپ پر واضح ہوگا کہ یہ ہسپانیہ سے آئے یا جرمنی سے - ان کا تعلق آئرلینڈ یا سکاٹ لینڈ سے ہے یا امریکہ سے -

ان کی یونیورسٹی کی بنیاد ۱۵۵۲ء میں اگنیٹیس[1] لایولا نے رکھی تھی۔ لیکن اٹلی ہی میں نہیں بلکہ یورپ میں قدیم ترین یونیورسٹی بولونا کی ہے، جو ۱۰۸۰ء میں قانون اور طب کی تعلیم کے لئے قائم ہوئی تھی۔ ابتداء میں یہ یونیورسٹی سے بالکل غیر مشابہ تھی۔ طلبہ بے آرائش کمروں میں دوزانو بیٹھ جاتے اور فرش پر گھاس پھوس ڈال لیتے پروفیسر لیکچر دیتے تو طلبہ اپنے گھٹنوں کو میز کی طرح استعمال کرتے۔ رفتہ رفتہ انھوں نے ایسا لباس پہننا شروع کیا، جو وردی سے مشابہ تھا اور یہ روایت قائم رہی۔ بولونا کی یونیورسٹی کی طرح ۱۲۲۲ء میں پاڈوا[2] کے اندر ایک یونیورسٹی پروفیسروں اور طلبہ نے قائم کی تھی۔ انھیں میں ایک جماعت اس کا انتظام کرتی تھی۔ وہاں صرف لڑکے پڑھتے تھے اور عورتوں کا وہاں پہنچنا خارج از بحث تھا۔ لیکن جب لڑکیوں میں تعلیم کا ذوق پھیلا تو ان کے لئے بھی داخلے کی اجازت ہوگئی۔ بعض عورتیں لیکچر بھی دیتی رہیں، مثلاً حسین و ماہرۂ فن نوَیلا دی آندریا[3] طلبہ کو علم تشریح پر لکچر دیتی تھی اگرچہ درمیان پردہ لٹکا رہتا تھا۔ بولونا میں بھی لوگوں کے اندر تنوّع پایا جاتا ہے اور یہی کیفیت مزید شمالی شہروں یعنی جنیوآ، تورین اور مَیلان کی ہے۔ البتہ وہاں نیلگوں آنکھوں والے خوش رنگ اطالویوں کا تناسب زیادہ ہے۔ نیز شمال کے مرد و زن جنوب کے اطالویوں سے زیادہ کشیدہ قامت ہیں۔ تورین اور مَیلان

۱ء Iguatius Loyola ۲ء Padua ۳ء Novella d'Andrea

کے بڑے بڑے صنعتی شہروں میں لوگوں کو دیکھ کر ایک امریکی کا تاثر یہ ہوتا ہے کہ وہ متعارف لوگوں سے مل رہا ہے[1]۔ زبان کا اختلاف نہ ہو تو اسے ایسا معلوم ہوگا کہ مردوں اور عورتوں کو اچھا لباس پہنے ہوئے نیویارک کے بازاروں میں دیکھ رہا ہے۔ تاہم ان لوگوں کی ساخت میں بھی کئی نسلیں شامل ہوگئیں۔ ماورائے ایلپس سے بھی اور بحیرۂ روم کی جانب سے بھی۔

اہلِ جینوآ کو ہوشیار کاروباری لوگ مانا جاتا ہے۔ وہ یقیناً دانا، زکی اور زیادہ عملی ہوتے ہیں، غالباً اِس لیے کہ وہ صدیوں سے بہ سلسلۂ تجارت سمندروں کے سفر کر رہے ہیں اور انھوں نے بڑی بڑی جائدادیں پیدا کرلی ہیں۔ اطالویوں کا عقیدہ ہے اہلِ جینوآ کو شیطان کے سوا کوئی چکمہ نہیں دے سکتا۔ لیکن تمام اطالویوں کے متعلق عام شہرت یہی ہے کہ وہ بڑے چالاک ہوتے ہیں اور یہ چالاکی ہمیشہ اُنھیں کوئی فائدہ نہیں پہنچاتی۔ ۱۵۹۱ء میں ایک چھوٹی سی دلچسپ کتاب بمقام لندن شائع ہوئی تھی، جس میں مصنّف نے اپنا پورا دردناک تجربہ کتاب کا نام تجویز کرتے ہوئے پیش کردیا تھا، اور لوگوں کو متنبّہ کیا تھا۔ یہ نام اختلافِ ہجا کے باوجود یہاں درج کرنے کے قابل ہے "اطالویوں کی خاص چالاکی اور حیرت انگیز دانائی کا انکشاف، جس میں انھیں مسیحی دنیا کے اکثر حصّے پر فوقیت حاصل ہے اور وہ دوسروں

---

[1] مطلب یہ ہے کہ امریکی بھی کشیدہ قامت ہوتے ہیں اور شمالی شہروں کے اطالوی بھی، اس لیے ان کے درمیان پھرنے سے اجنبیت محسوس نہیں ہوتی۔

کے بٹوؤں سے پیسا نکلوانے کے لئے عیّاری سے کام لیتے ہیں۔ کتاب میں بتایا گیا ہے .... وہ کس طرح اپنا سلسلۂ عیاری جاری رکھتے ہیں۔ سب سے آخر میں یہ واضح کیا گیا ہے کہ ان کے چکموں سے بچنے کی آسان تدبیریں کیا ہوسکتی ہیں۔"

کوئی اطالوی اس کتاب کا ذکر سُنے گا تو بے اختیار پکارے گا: "آہا! اس بدقسمت انگریز کو اہلِ جینوآ میں سے کسی کے ساتھ واسطہ پڑا ہوگا۔"

اس تبصرے میں کینے کا کوئی پہلو شامل نہیں۔ یہ صرف ایک مقامی خصوصیت کا اعتراف ہے۔ اگرچہ اطالوی اپنی بیش بہا میراث سے آگاہ ہیں اور اس پر فخر کرتے ہیں، مگر وہ بہ اعتبار پیدائش و زبان صوبائی حلقوں ہی سے زیادہ وابستگی رکھتے ہیں، مثلاً ٹسکنی، لمبارڈی، وینس، جینوآ، نیپلز یا سسلی۔ عجیب و غریب تاریخ نے انھیں یہی سکھایا ہے۔

جمہوریہ امریکہ میں ہم "کٹھالی" کی اصطلاح استعمال کرنے کے شائق ہیں۔ اس سے مدعا یہ ہوتا ہے کہ اگرچہ امریکہ کے باشندے مختلف نسلوں سے تھے اور دنیا کے مختلف حصّوں سے آئے، تاہم انھیں پُرامن طریق پر امریکی بنالیا گیا، مگر ان لاکھوں انگریزوں، آئرستانیوں، اطالویوں، جرمنوں، فرانسیسیوں، رومانویوں، پولستانیوں وغیرہ نے وحشی جتھوں کی شکل میں ہمارا ملک پامال نہیں کیا، جنگ کے تازہ ترین طریقے اختیار کرکے نیویارک پر قبضہ نہیں جمایا۔ دارالحکومت کو تباہ نہیں کیا۔ عجائب خانوں کو لوٹ مار اور آتش زنی کا ہدف نہیں بنایا۔ جو سامنے آیا، اسے

بیدردی سے موت کے گھاٹ نہیں اُتارا۔ وہ لوگ اِس لئے آئے کہ یہاں نئے سرے سے زندگی شروع کریں۔ وطن کے مقابلے میں انھیں یہاں زیادہ موقعے نظر آئے تھے۔ بعض اِس لئے بھی آئے کہ انھیں آزادئ تحریر و عبادت منظور تھی اور وطن میں یہ آزادی انھیں مل نہیں سکتی تھی۔ مگر اکثریت مالی حالت بہتر بنانے کے لئے آئی۔ جمہوریۂ امریکہ وسیع اور فیاض ہے۔ جو لوگ یہاں آئے اور اس کے دامن میں پرورش پائی، وہ شکر گزار رہے اور ایک بڑی قوم میں ضم ہو گئے۔

اس کے برعکس جو وحشی نسلیں اطالوی بُوٹ یا بحیرۂ روم کے جزیروں پر حملہ آور ہوئیں، وہ بالکل مختلف حیثیت رکھتی تھیں۔ رومی سلطنت کے قیام سے پیشتر ۳۰ ق۔م میں مختلف نسلی گروہ جزیرہ نما اور جزیروں میں آباد تھے، مثلاً سیکولی[۱] جن پر بعد ازاں یونانیوں نے سسلی میں غلبہ پایا۔ آبنائے پار اٹلی میں سیلنٹینی[۲] اور کیلیبری رہتے تھے، اندرونِ ملک میں سمانتی[۳] قابض تھے۔ شمال میں ایٹرسکن[۴] رہتے تھے، جن کی تہذیب حد درجہ مسحور کُن تھی اور اگرچہ ہم ان کی ابجد سے واقف ہو گئے ہیں، مگر ان کی زبان اب تک نہیں سمجھ سکے۔ ان گروہوں نے زبردست اور خوش حال تجارتی آبادیاں قائم کرلی تھیں، مگر افسوس یورپ کی طرف سے ایلپس کو عبور کرکے کیلٹ پہنچ گئے اور ان کے حملے نے ایٹرسکنوں کی کمر توڑ ڈالی۔ اب یہ مردہ تہذیب بن چکی ہے۔

کیلٹوں کا حملہ صرف نمونے کے طور پر پیش کردیا گیا، لیکن نہ وہ پہلا

---

۱ Siculi ۲ Sallentini ۳ Samnites ۴ Etruscans

حملہ تھا، نہ یہ کہ اس کے بعد کوئی حملہ نہ ہوا۔ ابتدا ہی سے رومیوں کو حملوں کے خلاف لڑنا پڑا۔ بہ ہر حال سلطنت قائم ہوئی تو رومہ یونان، ایشیائے کوچک، شام، مصر، گال اور جرمنی پر قابض ہوچکا تھا، پھر اس نے اعلیٰ درجے کی مہذّب سلطنت پیدا کی، جس سے دورِ حاضر کی دنیا نے بڑے فوائد حاصل کیے۔ ایک بڑی نعمت رومی قانون تھا، پھر لاطینی زبان اور مسیحیت کی اشاعت۔ رومہ کو اپنی حفاظت کے لیے بڑا چوکنا رہنا پڑا۔ چوتھی صدی مسیحی میں سلطنت کے دو حصے ہوگئے۔ ایک مشرق میں یونانی سلطنت، دوسری مغرب میں لاطینی سلطنت۔

۳۳۰ء میں مسیحیت کے لیے ایک نیا دور شروع ہوا۔ جب رومہ کے پہلے مسیحی شہنشاہ قسطنطین نے باسفورس کے کناروں پر پرانے بزنطیم کی جگہ شہر قسطنطنیہ کی بنیاد رکھی۔ اس وقت سے ایک ہزار سال تک مشرقی شہنشاہ — جو مشرقی آرتھوڈکس کلیسا کے رئیس بھی تھے — خدا کی خوشنودی کے لیے شاندار گرجے بنانے میں ایک دوسرے پر سبقت لے جاتے رہے۔

مگر رومہ محفوظ نہ تھا۔ ۴۷۶ء میں ہیرولی[1] کے جنگجو سردار اوڈوآسر[2] نے شہر پر حملہ کیا۔ شہنشاہ رومیولس آگسٹولس[3] کا تختہ اُلٹ دیا۔ ساتھ ہی وزی گاتھوں (مغربی گاتھوں)، آسٹرو گاتھوں (مشرقی گاتھوں) لینگوبارڈوں[4]

---

۱ Heruli ۲ Odoacer ۳ Romulus Augustulus

۴ Langobards

ونڈالوں اور دوسرے جرمن قبیلوں کے لیے دروازے چوپٹ کھول دیئے۔ ان سب نے روما کو لوٹا اور برباد کیا۔ انھیں سے ایک لفظ پیدا ہوا، یعنی ونڈالزم، جس کے معنی ہیں بیدردانہ اور بے وجہ بربادی۔ کچھ مدت تک حملہ آوروں نے مغرب کی پرانی سلطنت کے کھنڈروں پر اپنی بادشاہی قائم کرنے کی کوشش کی، مگر یہ ایک صدی سے بھی کم مدت تک باقی رہ سکی، البتہ اٹلی پر اس کے برے اثرات عرصے تک قائم رہے

ان حملوں کے پیشِ نظر ہرگز تعجب نہ ہونا چاہیئے کہ اٹلی کے مختلف حصے باہمدگر مختلف ہیں۔ اختلاف محض باشندوں میں نہیں بلکہ عمارتوں اور مقامی بولیوں میں بھی ہے۔ مثلاً وینس ایک مشرقی شہر سے مشابہ ہے، کیونکہ وہاں سینٹ مارک کے گرجے میں گنبد اور مینار ہیں اور وینس نے مشرق ہی کے ساتھ تجارت کرکے دولت جمع کی۔ وینس کے مشہور تاجر اور سیاح مارکوپولو نے دور دور تک سفر کیا۔ اس نے اپنے شہر کو چینی شہر سے تشبیہ دی تھی، کیونکہ وینس میں بھی بازاروں کی جگہ نہریں موجود ہیں۔ بحیرۂ ایڈریاٹک میں ایک اور بندرگاہ ہے، یعنی ریوناؔ[1] جو پرانا شہر ہے۔ اس میں بیزنطینی فنون کے بعض نہایت عمدہ نمونے ملتے ہیں۔ ٹسکنی ایٹرسکنوں کا ہے اور یہ حقیقت شہریوں کے چہروں سے ظاہر ہے۔ ان حد درجہ ہوشیار، سرد مزاج اور مزاح پسند لوگوں میں گم شدہ

---

[1] Ravenna

نسل کے خصائص بھی مل جاتے ہیں۔ دیکھئے یہ لوگ سخن گو اہلِ نیپلز سے کس قدر مختلف ہیں، نیز خود اہلِ نیپلز کو اہلِ جنوب اور اہلِ سسلی سے کتنا اختلاف ہے، جو خاموش، متین اور باوقار ہوتے ہیں۔ یہاں تک کہ ان سے بات کرنے کا حوصلہ نہیں پڑتا، لہٰذا تعجب نہ ہونا چاہیئے کہ یہ لوگ ایک دوسرے کو سمجھنے میں ناکام رہتے ہیں۔

ایک دوسرے سے آگاہی میں سخت مشکل اس لئے پیش آتی ہے کہ اطالوی عموماً بات چیت میں اپنے ہی خطے کی بولی استعمال کرتے ہیں۔ یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ ان کی بولیوں میں ویسا ہی معمولی اختلاف ہے جیسا امریکہ کے اندر رچمنڈ، ورجینیا اور بوسٹن کی بولیوں میں ہے۔ امریکی ایک دوسرے کی بات یقیناً سمجھ لیتے ہیں، لیکن اطالوی مقامی بولیوں کی حیثیت یہ نہیں۔ پیمونٹ کا کوئی فرد موت و حیات کے کسی مسئلے میں سسلی کے گرجینتی سے معلومات حاصل کرنا چاہے تو وہ مایوس ہوکر اس خواہش سے دست بردار ہوجائے گا۔ ان کی بولیوں میں اتنا ہی اختلاف ہے جتنا فرانسیسی اور یونانی میں ہے، تاہم ایک اطالوی زبان ہے، جو بڑی خوب صورت ہے۔ یہ لاطینی سے نکلی ہے۔ دانتے اور بوکیشیو[1] جیسے شاعروں اور نثر نگاروں نے اس زبان کو پروان چڑھایا۔ اطالوی طلبہ اپنی زبان سکولوں میں سیکھتے ہیں۔ دنیا کے نہایت پائدار ادب کے بعض ذخیرے اسی زبان میں ہیں۔

---

[1] Boccaccio

زبان سے محبت اور ادب پر فخر اس زمانے سے اطالویوں کے درمیان باہم وابستگی کا وسیلہ چلا آتا ہے، جب ان میں قومیت کی لہر پیدا بھی نہیں ہوئی تھی۔

سسلی : یونان کی نئی دُنیا

ہزاروں سال گزرے یونانیوں کو اپنی چھوٹی سی دنیا آبادی اور نشو و ارتقا کے لئے تنگ نظر آئی اور وہ نئی دنیا کی تلاش میں مصروف ہو گئے۔ یونان کے بے شمار جزیروں کے ارد گرد جو پانی تھے، ان کے چپے چپے میں ہلکے پھلکے اور بیباک جہاز پھر چکے تھے۔ تاریخی اکتشافات کی سرگذشت سے معلوم ہوتا ہے کہ یونانی جہاز شمالی جانب نیپلز تک جانے آنے لگے تھے۔ وہاں اسچیا[1] کے مجمع الجزائر کے سامنے کیومائی[2] نام ایک ٹیلا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ یونانیوں نے ۱۰۰۰ ق م میں اس ٹیلے پر تجارتی اغراض کے لئے ایک نوآبادی قائم کرلی تھی۔ یہ دعویٰ بھی کیا جاتا ہے کہ اہلِ کیومائی نے اتالیسیوں[3] اور ایترسکنوں کو یونانی رسم الخط کی ابجد بھی سکھا دی تھی اور اسی سے ان لوگوں نے اپنی زبانوں کے لئے رسم الخط پیدا کرلیا۔

کیومائی میں نوآبادی بیان کردہ وقت پر بنی ہو یا نہ بنی ہو مگر بلاشبہ جب یونانیوں نے سسلی کے مشرقی ساحل اور اٹلی میں

۱ـ Ischia یہ مجمع الجزائر نیپلز کے سامنے ہے۔

۲ـ Cumae

۳ـ Italice

خلیج ٹرینٹم[1] کے آس پاس آبادکاری شروع کی تو انھیں وہ نئی دُنیا مل گئی جس کی تلاش میں وہ تھے۔ کوئی نہیں کہہ سکتا کہ اہلِ چالسس[2] اور ان کے جہازوں کو ۷۵۵ ق۔م میں کس نے ساحل سسلی کے اُس خاص مقام پر پہنچایا، جو آبنائے میسینا سے چند میل جنوب میں تھا۔ آبنائے میسینا کا یہ نام بھی اُس وقت ناپید تھا۔ یہ بھی کسی کو معلوم نہیں کہ انھوں نے بحیرۂ آئی اونیا[3] کے دندانہ دار ساحل کو کیوں پسند کیا، جس کے پیچھے چٹانیں کھڑی تھیں۔ ہم یہی کہہ سکتے ہیں کہ یونانیوں نے اپنے خاص انداز میں مقامی حسن و خوبی کا صحیح اندازہ کر لیا۔ یہ مقام واقعی خوب صورت تھا، کیونکہ سامنے گہرے نیلے پانی کی چادر بچھی ہوئی تھی۔ جابجا چھوٹی چھوٹی پُرسکون خلیجیں تھیں اور دُور اٹینا کی مخروطی چوٹی سے دھواں نکل رہا تھا۔ بہ ہر حال انھوں نے یہ مقام پسند کیا اور وہاں ایک شہر آباد کر لیا جس کا نام نیکسوس[4] رکھا۔

سیکڑوں سال تک نیکسوس کی آبادی بڑھتی رہی، پھر لڑائی میں اس پر دوسرے قابض ہوئے اور اسے تباہ کر دیا۔ اُس وقت لوگوں پر یہ حقیقت واضح ہوئی کہ یہ نوآبادی بالکل غیر محفوظ تھی۔ چنانچہ اُنھوں نے پیچھے ہٹ کر پہاڑ پر ایک نئی آبادی کا انتظام کر لیا۔ پھر وہاں ایک نہایت عمدہ جگہ بلندی پر منتخب کر کے

---

[1] Tarentum [2] Chalcis [3] Ionia وہ سمندر جو اٹلی کے جنوب اور سسلی کے مشرق میں ہے۔ [4] Naxos

ایک تھیئٹر بنایا، جس کی عمارت بھاری ستونوں کی قطاروں پر کھڑی تھی - یہ ستون چٹانیں تراش کر بنائے گئے تھے اور تھیئٹر یونانی تھیئٹروں کا ایک نمونہ تھا - ایسے مقام پر بنایا گیا تھا کہ ناظرین سٹیج کے سامنے بیٹھتے تو سنگِ مرمر کے ستونوں میں سے بحیرۂ آئی اونیا، اس کی خلیجوں اور اٹینا کی آتش فشانی سے محظوظ ہوتے۔ دُور فاصلے پر کیلیبریا کے پہاڑ تھے۔ نیکسوس کے حسن نے دوسرے لوگوں کو بھی اپنی طرف کھینچ لیا - چنانچہ اس کے مالک کئی مرتبہ بدلے۔ جب رومی اس پر قابض ہوئے تو اُنھوں نے تھیئٹر کی ابتدائی عظمت و شان میں تبدیلی کردی - نام بھی بدل دیا - اسے نیکسوس کی جگہ تارومینیم[1] کہنے لگے - آج کل یہ تارمینا[2] کہلاتا ہے، لیکن اس کے طبعی ماحول کی خوب صورتی پر کوئی شے اثر انداز نہیں ہوسکتی تھی۔

پہلی نوآبادی قائم کر چکنے کے بعد یونانیوں نے سسلی کے باقی پُرکشش ساحل سے بھی پُورا فائدہ اُٹھایا - انھیں نے میسینا کی بنیاد رکھی، جس کا نام ابتداء میں زینکل[3] رکھا گیا - زینکل یونانی میں درانتی کو کہتے ہیں اور یہ نام بندرگاہ کی عام وضع اور ہیئت کی بنا پر تجویز کیا گیا - یہ ۷۵۰ ق-م کا واقعہ ہے - اس سے چار سال پیشتر کارنتھ[4] کے یونانیوں نے سائراکیوز[5] آباد کرلیا تھا - یہ بھی مشرقی ساحل ہی پر تھا، لیکن ساحل کے جنوبی حصے میں تھا -

---

[1] Tauromenium
[2] Taormina
[3] Zancle
[4] Corinth
[5] Syracuse

سائراکیوز نے سسلی کی آبادیوں میں سب سے بلند حیثیت حاصل کرلی - یونانیوں کو اس پر فخر تھا اور نئی دُنیا کے اس شہر خاص کو خوبصورت بنانے میں اُنھوں نے کوئی کسر اُٹھا نہ رکھی - وہاں ایک ایسا تھیئیٹر بنایا، جو کم از کم وسعت میں نیکسوس کے تھیئیٹر کا حریف ضرور تھا - یونانی ڈرامے کے عہدِ زریں میں ایسکیلس[1] نے یونان سے بحری سفر کی زحمت برداشت کی تاکہ اپنے ڈرامے کو سائراکیوز کے تھیئیٹر میں دیکھے۔ جس ڈرامہ نگار نے ہزاروں ناظرین کو اپنا ڈرامہ دیکھنے کے لیے وسیع ہلالی شکل کی کشتیوں پر درجہ بدرجہ بیٹھے ہوئے دیکھا ہوگا، اس کے دل میں اس منظر سے یقیناً زبردست ولولہ پیدا ہوا ہوگا اور اس قسم کا ولولہ پیدا ہونا طبعی امر ہے -

ایک موقع پر ایتھنز سے سات ہزار اسیرانِ جنگ سائراکیوز لائے گئے، تاکہ وہاں کی کانوں سے پتھر نکالیں اور تھیئیٹر، معبد، آبی گزرگاہیں اور فصیل تعمیر کی جا سکے - اِس واقعے یا ایسے ہی کسی دوسرے واقعے نے انگریز شاعر براؤننگ[2] سے وہ نظم لکھوائی تھی، جس میں ایک یونانی لڑکی نے اپنے ساتھی قیدیوں کو چھڑانے کی غرض سے اہلِ سسلی کے سامنے یوری پیدیز[3] کے ڈرامے سُنائے - اہلِ سسلی کے دل میں یوری پیدیز کا بڑا احترام تھا -

دورِ عروج میں سائراکیوز کی آبادی دس لاکھ تھی - اِسے نیا

---

[1] Aeschylus یونان کا مشہور ڈرامہ نگار - [2] Browning

[3] Euripides

ایتھنز کہتے تھے۔ مشہور شاعر پنڈار[1] اور شاعرہ سافو[2] دونوں یہاں آئے۔ افلاطون نے تین مرتبہ اس شہر کی سیاحت کی۔ ایمپیڈوکلز[3] زمانۂ قدیم کا مشہور حکیم اور طبیب تھا۔ وہ اپنے وطن ایکراگاس[4] (جرجینتی) سے اکثر سائراکیوز آجاتا۔ غالباً اٹینا کے قرب نے ایمپیڈوکلیز کے دماغ میں اس دنیا سے رخصت ہونے کا انوکھا خیال پیدا کیا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ جو معالجے اس نے کیے تھے، ان پر دل میں خوب فخر پیدا ہوا اور جب اس نے محسوس کیا کہ موت کا وقت آپہنچا ہے تو وہ آتش فشاں کے دہانے میں جا گرا۔ اُمید یہ تھی کہ اپنے پیچھے کوئی نشانی باقی نہ چھوڑے گا تو لوگ اسے دیوتا سمجھ لیں گے۔ لیکن افسوس کہ وہ اپنا جوتا اُتارنا بھول گیا جو دھات کا بنا ہوا تھا۔ کچھ مدت بعد اٹینا آگ اُگلنے لگا تو ایک جوتا لاوا سے بہ کر باہر نکل آیا، لہٰذا سب کو علم ہوگیا کہ دانش و حکمت کے باوجود ایمپیڈوکلیز محض معمولی انسان تھا۔

سائراکیوز کی ثروت اور اس کے وسائل نے فاتحین کو اپنی طرف کھینچ لیا۔ چنانچہ اس پر سسلی کے یونانیوں نیز اہلِ ایتھنز اور اہلِ قرطاجنہ کی طرف سے سالہا سال تک حملوں کا سلسلہ جاری رہا۔ آخر نیکسوس کی طرح سائراکیوز بھی رومیوں کے قبضے میں آگیا۔ ۸۷۸ء میں مسلمانوں نے اسے فتح کرلیا اور تقریباً برباد کر ڈالا۔ آج اس کی دیرینہ عظمت صرف کھنڈروں کی شکل میں زندہ

---

[1] Pindar   [2] Sapho   [3] Empedocles   [4] Acragas

ہے[1]۔ آبادی بہت گھٹ گئی ہے ۔ اس کی خوب صورت بندرگاہ میں سے کسی زمانے میں مستبد دیونی سیوس[2] کے جنگی جہاز تیزی کے ساتھ سمندر میں سے نکلتے تھے ۔ اب وہاں ماہی گیروں کی کشتیاں اور چھوٹے چھوٹے جہاز، پھرتے ہیں ، لیکن یونانی تھیئٹر اب بھی موجود ہے ۔ یہ سب سے بڑا ہے ، اور کوئی تھیئٹر اس ایسا نہیں ، جس کی حفاظت اس کے برابر کی گئی ہو ۔ پرانی کانوں میں سے اب بھی پتھر نکالے جاتے ہیں ۔ شہر کے اردگرد پُرانی فصیل اب بھی موجود ہے ، لیکن شہر چونکہ اب صرف دسواں حصہ باقی رہ گیا ہے ، اس لیے فصیل سراسر مضحکہ خیز معلوم ہوتی ہے ۔

مغربی جانب یونانیوں نے مزید نوآبادیاں قائم کرنے کی کوشش کی ، مگر وہ ناکام رہے ، کیونکہ اہلِ قرطاجنہ پہلے وہاں پہنچ چکے تھے ، لہٰذا یونانیوں نے اٹلی کے مختلف حصوں میں نوآبادیاں بسالیں مثلاً سیبارس ، کروٹن ، ٹارینٹم وغیرہ ۔ انھوں نے اتنا بڑا علاقہ گھیر لیا کہ اسے یونانِ کبیر[3] کا نام دے دیا۔

اب یہ سوال سامنے آتا ہے کہ ابتدائی باشندے کہاں گئے ؟ یعنی سیکولی ، کیلیبری ، سلنیٹی اور دوسرے ، جن کے نام

---

[1] بے شک سائراکیوز برباد ہوا ، لیکن اس کے ذمہ دار مسلمان نہ تھے ۔ شہر کا بڑا حصہ محصورین نے برباد کردیا ، پھر آئے دن بیزنطینی اس پر حملہ کرتے رہتے تھے ۔ آبادی یہ جگہ چھوڑ گئی اور شہر خود بخود برباد ہوگیا ۔ [2] Dionysius [3] Magna Graecia

تقریباً فراموش ہو چکے ہیں - ابتدا میں یہ لوگ حملہ آوروں سے لڑتے رہے ، لیکن رفتہ رفتہ ان میں جذب ہو گئے - ان کے زیرِ اقتدار آنے کی کہانی یقیناً رنج افزا ہوگی ، جس طرح ہمارے امریکی ہندوستانیوں کی کہانی المناک ہے - تاہم جب یونانیوں نے سسلی اور جنوبی اٹلی میں نوآبادیوں کا سلسلہ شروع کیا تو اٹلی کو تاریخ کے صفحات پر جگہ ملی -

اٹلی کا جو حصہ ایلپس کے جنوب میں واقع ہے اس کی طرح سسلی کی کہانی بھی افسانوں سے لبریز ہے اور دونوں کا سبب ایک ہے - جزیرے میں پہنچنا بہت آسان تھا - یہ ٹیونس کے ساحل سے صرف نوے میل کے فاصلے پر تھا - اہلِ قرطاجنہ اور افریقہ کے دوسرے آبادکاروں کے لیے یہ مسلسل ناقابلِ ضبط ترغیب کا موجب بنا رہا — اگر اطالوی بوٹ کے تلوے کی طرف سے دیکھیں تو صرف دو میل کا فاصلہ ہے ، ادھر سے سلّا اور چیرب ڈس کی حفاظت کچھ کام دے سکتی تھی - جب گولف اور ونڈال ایلپس سے گزرتے ہوئے اٹلی کو پامال کر چکے تو ان کے لیے آبنائے سے گزر کر سسلی پہنچ جانا بہت آسان تھا - یہی انھوں نے کیا ، لیکن اس سے پیشتر اہلِ قرطاجنہ یونانیوں کو نکال کر جزیرے پر قابض ہو چکے تھے اور انھوں نے بدنصیب اہلِ جزیرہ پر اس بیدردی سے حکومت کی تھی کہ دو مرتبہ غلاموں نے ان کے خلاف بغاوت کی - گاتھ جزیرے پر پچھتّر سال قابض رہے - یہ اتنی طویل مدّت تھی کہ اہلِ سسلی کے دل میں بار بار اپنی پہلی حالت کی تمنّا پیدا ہوتی

تھی، جب وہ ظروف گلی اور برنجی اوزار بناتے تھے۔

اب قسطنطنیہ مشرقی سلطنت کا دارالحکومت بن چکا تھا۔ اُسے اہل جزیرہ کی حالت پر رحم آیا اور اس کی حفاظت کا ذمّہ اُٹھا لیا، لیکن یہ حفاظت بھی زیادہ مدّت تک قائم نہ رہ سکی۔ تین سو سال کے نسبتہً امن کے بعد پھر سسلی پر حملہ ہوا۔ اس مرتبہ حملہ مسلمانوں نے کیا، جو اپنے مذہب کی اشاعت کا خاص جذبہ لے کر اُٹھے تھے۔ ان کی زبان پر اسلام کا نعرہ تھا' جس کے معنی ہیں! "خدا کی رضا کے روبرو سرافگندگی"، اور اپنی خارا شگاف شمشیروں کے بل پر وہ بہت جلد جزیرے کے مالک بن گئے۔

عجیب بات یہ ہے کہ سسلی کو ان نئے حکمرانوں سے بہت فائدہ پہنچا [1]۔ مسلمان تہذیب و تمدّن کا اعلیٰ درجہ رکھتے تھے۔ جب جزیرہ ان کے قبضے میں آگیا تو وہ اس کی حالت بہتر بنانے میں مصروف ہو گئے۔ انھوں نے آبیاری کے وسائل سے اہل سسلی کو روشناس کیا۔ ریشم کے کیڑے پالنے کا طریقہ سکھایا اور ریشم ہی کے باعث مشرق کو اعلیٰ درجے کی شہرت حاصل تھی۔ انھوں نے مسجدیں تعمیر کیں۔ گنبدوں والے گرجے بنائے۔ ان کے اندرونی پچی کاری سے آراستہ کیے۔ چھوٹے چھوٹے رنگ دار سنگ پاروں اور

---

[1] عجیب بات کیوں ہے۔ جب مسلمانوں کے پاس اعلیٰ تہذیب و تمدن تھے اور انھوں نے جزیرے کو فائدہ پہنچایا تو اسے عجیب بات کیوں سمجھا جائے؟

جواہرات کو اس ترتیب سے جوڑتے تھے کہ تصویریں بنتی جاتی تھیں۔ اسلامی فن تعمیر کے نہایت مشہور نمونے ہسپانیہ میں ملتے ہیں — مثلاً قرطبہ کی مسجد اور غرناطہ کا محل لیکن سسلی میں اس فن تعمیر کا ایک نہایت خوبصورت ہیرا موجود ہے یعنی پلرمو[1] میں رائل پیلاٹینی گرجا[2]۔ یہ گرجا اُس وقت تعمیر ہوا جب سسلی مسلمانوں سے چھن کر رابرٹ گوئسکارد[3] اور راجر گوئسکارد[4] کے قبضے میں آیا، جو نارمنڈی کے تینکرد دی ہاتیول[5] کے بیٹے تھے۔ سسلی پر اجنبی اقتدار کا یہ خاتمہ نہ تھا۔ بہت سی دوسری قومیں اس پر حکمران رہیں، یہاں تک کہ اٹلی نے آزادی حاصل کی۔

آج سسلی اٹلی کے ان پانچ خطوں میں سے ایک ہے، جن کا اپنا نظام حکومت ہے۔ ایسے دوسرے خطے یہ ہیں: سارڈینیا، آلٹوایڈج[6]، وینیزیا جیولیا اور وادئ آؤسٹا[7]۔ سسلی کی آبادی چالیس لاکھ سے زیادہ ہے۔ اس میں بہت سی نسلیں شامل ہیں۔ بعض حصّوں میں، جہاں طبعی حدود نو آبادی کی حفاظت کا ذریعہ ہیں، ابتدائی نسل خالص شکل میں بھی مل سکتی ہے۔ مثلاً پلرمو کے نزدیک پیانا دائی گریسی[8] میں۔ یہ البانیہ سے نکالے ہوئے یونانیوں کا ایک چھوٹا سا گروہ ہے۔ انھوں نے اب تک اپنے خط و خال، زبان، مراسم اور لباس محفوظ رکھے ہیں۔

۱؎ Plermo

۲؎ Roval Palatine Chapel

۳؎ Robert Ginscard

۴؎ Roger

۵؎ Tancered de Hauteville

۶؎ Altoadige

۷؎ Aosta Valley

۸؎ Piana dei Greci

سارڈینیا کی کیفیت بھی یہی ہے اور اس کی تاریخ بھی بعض صورتوں میں سسلی سے مشابہ ہے۔ یہاں سب سے پہلے فینیقی پہنچے تھے۔ ان سے یہ جزیرہ دوسرے فاتحوں نے چھین لیا۔ چونکہ سارڈینیا یونان کے سرچشمۂ ثقافت سے دُور تھا، لہٰذا سسلی کے مقابلے میں اس پر یونانی اثر بہت کم پڑا۔ یہاں ابتدائی تہذیبوں کے بہت سے آثار ہیں، لیکن اس میں بہ حیثیت مجموعی قدامت کے نشان زیادہ ہیں۔ یہاں کی ایک ناول نگار گریزیا دلدا[1] نے نوبل کا انعام حاصل کیا۔ چند سال ہوئے اس کا انتقال ہوچکا ہے۔ اس کی تمام تصانیف اطالوی زبان میں ہیں، مگر مکالمات میں سارڈینیا کا مقامی رنگ موجود ہے۔ اس نے تمام کتابوں میں اپنے ہی اہلِ وطن کی زندگی اور جذبات کا نقشہ کھینچا ہے، لیکن جزیرے کے باشندے اس کی تحریرات کو درست نہیں سمجھے۔ یہاں نمک سازی کے بڑے نفع بخش کارخانے ہیں، جنھیں اٹلی میں بہت اہمیت حاصل ہے۔ ان کے شہروں میں دورِ حاضر کے تمام سامان موجود ہیں؛ لہٰذا وہ محسوس کرتے ہیں کہ گریزیا دلدا نے انھیں ٹھیک ٹھیک پیش نہیں کیا اور وہ زیادہ تر ایک مخصوص پسماندہ خطے کا ذکر کرتی رہی۔ ہمارے ہاں ولیم فاکنر[2] نے نوبل کا انعام حاصل کیا۔ وہ بھی ناول نگار ہے اور اس کا تعلق جنوبی ریاستوں سے ہے۔ امریکہ میں اس کے متعلق وہی شکایت سنی جاتی ہے جو اہلِ سارڈینیا کو

---

[1] Grazia Deledda [2] Faulkner

گریزیا دلدا سے ہے۔

سسلی میں ایک علاقائی ناول نگار جیووانی ورگا[1] نام تھا، جو ۱۹۲۲ء میں فوت ہوًا۔ اس کی متعدد تصانیف امریکہ میں شائع ہوئیں۔ انگریز ناول نگار ڈی ایچ لارنس نے ورگا کے مختصر افسانوں کا ترجمہ کیا تھا۔ ورگا نے اپنے وطن کتانیا اور ارد گرد کے دیہات میں رہنے والے کسانوں کی زندگی پیش کی۔ زندگی کی یہ تصویریں بڑی پُرتاثیر اور حقیقت پر مبنی ہیں اور خاص احساس سے لکھی گئی ہیں۔ ان میں سے ایک کہانی کی بنا پر لیگھارن[2] کے ایک اطالوی پیترو میسکگنی[3] نے غنائیہ تیار کرلیا تھا اور یہ خاصا مقبول ہوا۔ شاید ہی کوئی موسم ہو، جب یہ نیویارک، سان فرانسسکو، نیواُولیانز اور دنیا کے دوسرے غنائی مرکزوں میں نہ پیش کیا جاتا ہو۔ پلرمو میں، جو سسلی کا دارالحکومت ہے، ایک نہایت خوبصورت غنائی مرکز ہے، جس پر موسیقی کے رسیا اہل سسلی فخر کرتے ہیں۔

جزیرے میں متعدد بڑے شہر ہیں۔ ان میں سے بعض آج کل کے بجائے ماضی میں بدرجہا زیادہ اہم تھے، مثلاً کتانیا۔ پلرمو اب بھی سب سے بڑھ کر اہم ہے۔ ۱۹۴۳ء تک اس کی بندرگاہ پورے بحیرۂ روم میں وسیع ترین تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ یونانیوں نے اس کا نام "پنورموس"[4] رکھا تھا، جس کے معنی ہیں یکسر بندرگاہ۔ اس کا منظر بے حد حسین و دلآویز ہے۔ پورا

---

[1] Giovauni Verga [2] Leghorn [3] Pietro Mascagni [4] Panormos

پُورا شہر ہلالی شکل میں آباد ہے - اس کے پیچھے پہاڑوں کی قطار کھڑی ہے - جا بجا سنتروں اور مالٹوں کے سبز اور سُنہرے جھنڈ ہیں اور مونٹی پیلیجرینو[1] کی بلندی سب پر فائق ہے - دوسری عالمی جنگ میں پلرمو کی بندرگاہ برباد ہوگئی، کیونکہ اتحادیوں نے شمالی افریقہ میں فتح حاصل کرلینے کے بعد یہاں شدت سے بم برسائے -

پلرمو کی آبادی آٹھ لاکھ نوّے ہزار بلکہ اس سے بھی زیادہ ہے - سمندر کے کنارے اس کے خوب صورت ہوٹل بہت سے سیاحوں کو اپنی طرف کھینچتے ہیں - شاندار کنارے کے علاوہ پلرمو میں دلچسپی کے اور بھی بہت سے مقامات ہیں، مثلاً قرطاجنیوں کی عمارتوں کے کھنڈر، مسلمانوں کی مسجدیں، تاریک زیر زمین مکانات - یہاں زمین کے نیچے محرابی عمارتیں بنی ہوئی ہیں، جن میں فرانسسکن راہب اپنے مُردے دیواروں کے ساتھ کھڑے کردیتے تھے - وہ لاشوں میں جس طریق پر خوشبو بھر لیتے تھے، اس کی کیفیت اب تک کسی کو معلوم نہ ہوسکی - گزشتہ پچاس سال سے حکومت نے مردے اس طرح رکھنے کی ممانعت کردی -

اس انوکھی رسم کے مقابلے میں پلرمو کی سرپرست بزرگ خاتون کا سالانہ جشن ایک نہایت خوشگوار تقریب ہے - اس کا نام روسالی[2] تھا اور یہ اپنی کرامتوں کے لئے مشہور تھی - مدت

---

[1] Monti Pellegrino   [2] Rosalie

ہوئی شہر سے باہر ایک غار میں اس نے وفات پائی۔ سترھویں صدی میں پلرمو طاعون کا شکار ہوا۔ سیکڑوں کی تعداد میں آدمی مرنے لگے۔ وبا زوروں پر تھی تو روسالی کسی کے خواب میں آئی اور کہا کہ اگر میری ہڈیاں غار سے اُٹھاکر کسی مقدّس مقام پر منتقل کردی جائیں تو سب شہر کو وبا سے نجات دلادوں گی۔ لوگوں نے اس کے حکم کی تعمیل کی۔ اس وقت سے ہر سال شہر میں جشن منایا جاتا ہے۔ اِس خاتون کے تبرّکات جلوس کی شکل میں پھرائے جاتے ہیں۔ بازار پھولوں سے بھر جاتے ہیں۔ گرجوں میں گھنٹے بجتے رہتے ہیں۔ پٹاخے چھوڑے جاتے ہیں اور لوگ خوشی کے نعرے لگاتے ہیں۔

پلرمو کے وسیع بازاروں میں موٹروں کے پہلو بہ پہلو گدھے گاڑیاں بھی چلتی ہیں۔ یہ سسلی میں ہر جگہ پائی جاتی ہیں۔ اِس گاڑی کی وضع قطع اتنی قدیم ہے کہ لوگ سمجھتے ہیں، یہ رومیوں کے جنگی رتھوں کی نقل ہے۔ اِس میں لکڑی کے بڑے بڑے پہیّے لگے ہوتے ہیں، یہ اُن نشانوں میں ٹھیک بیٹھتے ہیں جو رومی عہد کے رتھوں نے بنائے۔ یہ گاڑی مقامی کاریگری کی ایک عمدہ مثال ہے پلرمو میں بنائی جائے یا سائرا کیوز میں، یہ شکل اور جسامت کے اعتبار سے تقریباً یکساں ہوتی ہے۔ صرف ظاہری آرائش یا جزئیات میں اختلاف ہوگا۔ جو تصویریں اس کی چوبی پشت، اطراف دھروں یا پہیوں کے کناروں پر بنائی جاتی ہیں، ان میں فنکار تخیّل سے آزادانہ کام لیتے ہیں۔ اگر کوئی فنکار مذہبی رجحانات کا ہے،

تو وہ مسیح کی زندگی سے تصویریں بنائے گا ۔ یہ سادہ اور پُرانی ہوں گی، جیسی اطالوی فن کے ابتدائی دور میں بنتی تھیں۔ کبھی فنکار شارلیمین اور اس کے جنگجوؤں کے زمانے کا کوئی واقعہ چُن لیتا ہے۔ جنوبی اٹلی میں شارلیمین کو ایک افسانوی کردار مانا جاتا ہے۔ اس کے بہادر اور ہجراں نصیب شہسواروں کے واقعات صدیوں سے ہر قصبے اور گاؤں میں زبانی سُنائے جاتے ہیں ۔ یہ افسانے پلرمو کے کٹ پُتلیوں والے تھیئٹر میں دکھائے جاتے ہیں اور جو کٹ پُتلیوں والے پھر پھر کر جگہ جگہ تماشے دکھاتے ہیں ان کا موضوع بھی یہی ہوتا ہے ۔ بچے بوڑھے سب انھیں دیکھ کر خوش ہوتے ہیں ۔ صرف ایک چیز مقبولیت میں ان کی حریف ہے، یعنی مکی ماؤس[1] کے منچلے کارنامے ۔ اطالویوں نے اس کا نام ٹوپولینو[2] رکھ لیا، یعنی چھوٹی چوہیا۔

پلرمو اور کتانیا کی بندرگاہوں سے شراب، لیمو، غلّے اور گندھک بہ کثرت باہر بھیجے جاتے ہیں ۔ پاس ہی میسینا کی ہلالی بندرگاہ ہے ۔ کتانیا اٹینا سے صرف اٹھارہ میل ہے، اس کی طرح میسینا میں بھی زلزلے آتے رہتے ہیں ۔ ۱۹۰۸ ء میں ایک زلزلہ بڑے دن سے تین روز بعد آیا، جس میں میسینا تقریباً بالکل تباہ ہو گیا ۔ اس میں چوراسی ہزار مرد، عورتیں اور بچے یا تو دب کر مرے یا اس تموّج و تلاطم میں ڈوب گئے جو زلزلے کے بعد شروع ہوا ۔ مشرقی ساحل

---

[1] Mickey Mouse فلموں میں یہ چھوٹے چھوٹے مزاحیہ ٹکڑے بھی دکھائے جاتے ہیں اور بے حد مقبول ہیں ۔ [2] Topolino

کے تمام شہروں اور کیلیبریا کی آبنائے تک اس زلزلے کا اثر پہنچا۔ کینی ٹیلوؔ[1] ولاسان جیووانی اور سلاؔ[2] جیسے مقامات محو ہو گئے۔ زلزلے اور تموّج کی دوگونہ آفت میں ڈیڑھ لاکھ نفوس نذرِ اجل ہوئے۔ میں کئی سال بعد سسلی گیا تو ایسے لوگ ملے، جو ان آفتوں کو دیکھ چکے تھے۔ انھوں نے بتایا کہ ہم تارمینا کی بلندی پر کھڑے ہوئے یہ ہولناک منظر دیکھ رہے تھے کہ سمندر یکایک پیچھے ہٹ گیا۔ چٹانیں اور جزیرے سامنے آگئے، جو کبھی نہیں دیکھے تھے۔ پھر تُندی سے جھاگ اُگلتا ہوا لوٹا۔ کئی روز تک لوگ گھروں کے صحنوں اور باغوں سے مُردہ مچھلیاں اُٹھاکر باہر پھینکتے رہے، جو اس تموّج میں سمندر نے جابجا پہنچادی تھیں۔

میسینا اور دوسرے جو قصبے تباہ ہوئے، ان کی عمارتیں ازسرِنو ایسی بن گئیں کہ زلزلے کا مقابلہ کرسکیں۔ اب میسینا کے ہم وضع پست مکان اور وسیع بازار ایسے نظر آتے ہیں، جیسے کسی نے کرایے کے لئے بنا لئے ہوں، لیکن وہ نسبتًہ محفوظ ہیں۔ بارھویں صدی کا گرجا ازسرِنو درست ہوگیا ہے اور جو قیمتی چیزیں تباہی سے بچیں ان کے لئے نیا عجائب گھر بن گیا ہے۔ دوسری عالمی جنگ میں بھی اس بدنصیب شہر کو مزید نقصان پہنچا، تاہم یہاں سات لاکھ سے زائد باشندے رہتے

---

[1] Canitello   [2] Scilla

ہیں۔ فطرت اور انسان کی تباہ کاری نے زندگی کے ولولوں پر
کوئی اثر نہیں ڈالا ۔

زراعت اور صنعت وحرفت

اٹلی بڑی حد تک زرعی ملک ہے۔ اگرچہ اس کے شمالی حصے میں منفعت بخش صنعتیں بھی خاصی تعداد میں موجود ہیں۔ صنعتی ترقی کے لیۓ طبعی وسائل کی اُتنی ہی ضرورت ہے، جتنی سرمایے اور کام کرنے والے آدمیوں کی۔ اٹلی کا سب سے بڑا اثاثہ کام کرنے والے آدمی ہیں۔ جنگوں، زلزلوں، افلاس اور وباؤں کے باوجود بیسویں صدی میں آبادی نے نمایاں ترقی کی، اگرچہ گزشتہ صدی میں یہ تدریجاً کم ہوگئی تھی۔ ۱۹۰۱ء میں آبادی سوا تین کروڑ اور ۱۹۳۶ء میں تقریباً چار کروڑ تیس لاکھ تھی، اب یقیناً پانچ کروڑ سے زیادہ ہوگی۔ اضافے کی ایک وجہ یہ بھی ہوئی کہ گزشتہ جنگ کے دوران، اطالویوں کو فوجی فرائض کے سلسلے میں ممالک غیر سے بلا لیا گیا تھا۔

اتنی بڑی آبادی کے گزارے کے لیۓ اٹلی جیسے چھوٹے سے ملک کے زرعی وسائل پر خاصا بڑا بوجھ ہے۔ اگر یہ ملک سازگار آب وہوا سے شرفیاب نہ ہوتا اور کھیتی باڑی کرنے والے انتہائی محنت و مشقت نہ کرتے تو زمین بہت پہلے زرخیزی ختم کر چکی ہوتی۔ دلدلوں کو خشک کر کے ــ مثلاً روما کے نزدیک پونتائن کی دلدلیں اور وینشیا میں وسیع خطے ــ ملک کے وسائل کاشت بڑھا لیۓ گۓ۔ پھر آبیاری کے نئے منصوبے تیار ہوئے اور زمینوں کو مصنوعی کھاد کے ذریعے سے زرخیز

بنایا گیا - اس طرح زمین زیادہ پیداوار دینے لگی - مثلاً جنوب میں پہلے ایک فصل کے بعد زمین بنجر ہو جاتی تھی ، اب آبیاری کے انتظام کی بدولت دوسری فصل کاشت کی جارہی ہے -

اگرچہ اٹلی میں کوئلہ ، گیس ، پٹرول ، اہم معدنیات اور خام لوہے جیسی چیزیں کم ہیں ، جو ہر ملک کی اقتصادیات کے لئے خاص اہمیت رکھتی ہیں ، بہ ایں ہمہ ہزاروں صنعت گاہیں قائم ہو چکی ہیں جن میں تقریباً پچاس لاکھ آدمی مصروفِ کار ہیں - بلا شبہ اٹلی میں ایسی بڑی بڑی مشینوں کا نام بھی کسی نے نہ سُنا ہوگا ، جیسی ڈیٹرائیے[1] (امریکہ) کی موٹریں بنانے والے کارخانوں میں کام کر رہی ہیں اتنی بڑی مشینوں کے لئے سرمایہ ہی مہیا نہیں ہو سکتا اور آبادی کا اتنا بڑا حصہ ہی نہیں مل سکتا ، جو ایسے بڑے کارخانوں کی بنائی ہوئی موٹریں خرید سکے ، تاہم اٹلی میں موٹریں بنانے والوں نے بعض نہایت آرام دہ اور پُر تکلف موٹریں تیار کی ہیں - زیادہ مدت نہیں گزری ، جب ہالی وُڈ کی فلم ایکٹرلیس اپنے آپ کو اُس وقت تک کامیاب ہی نہیں سمجھتی تھیں ، جب تک پندرہ ہزار ڈالر (پچھتر ہزار روپے) کی اطالوی موٹر ان کے پاس نہیں ہوتی تھی - یہ فیئٹ[2] کمپنی کی موٹریں تھیں ، مگر ۱۹۳۰ء کے بعد یہ کمپنی سستی موٹریں بنانے لگی تاکہ متوسط درجے کی آمدنی کے لوگ بھی اُنھیں خرید سکیں (لیکن کم آمدنی والے لوگ چھوٹی سے چھوٹی موٹر بھی نہیں رکھ سکتے ، کیونکہ

---

[1] Detroit　　[2] Fiat

پٹرول کی قیمت ایک ڈالر فی گیلن سے بھی زیادہ ہے)۔ ۱۹۳۷ء میں فیئٹ کمپنی نے نہایت چھوٹی سی موٹر بنائی، جس میں صرف دو سواریاں بیٹھ سکتی تھیں۔ یہ موٹر بچے کا کھلونا معلوم ہوتی تھی جو بڑے دن کو وہ حاصل کرنے کا آرزومند ہوتا ہے۔ اس کا نام فیئٹ ۵۰۰ رکھا گیا۔ اطالوی اسے "مِکی ماؤس" کہنے لگے۔ اگرچہ اس کی قیمت کم تھی مگر عام کارکن اسے بھی خرید نہیں سکتے تھے۔

اٹلی میں بڑے بڑے شہروں کے اندر بھی یہ نعرہ نہیں سُنا جاتا کہ ہر گیراج میں ایک موٹر ضرور ہونی چاہیئے۔ باقی رہا ہر شخص کے پاس دو موٹروں کا معاملہ تو اس قسم کی راحت صرف امریکہ میں میسّر آسکتی ہے، جسے پریوں کی کہانیوں کا ملک سمجھا جاتا ہے۔ شہروں میں اطالوی جو ذاتی سواری استعمال کرتے ہیں، وہ صرف بائیسکل ہے اور یہ سواری بھی کام پر جانے اور گھر آنے کے وقت استعمال کی جاتی ہے۔ دس سال پیشتر مزدور کو بائیسکل بھی میسّر نہ تھی، مگر اب صنعتی خوش حالی ترقی پر ہے، اس لئے ہر شخص موٹر سکوٹر استعمال کر رہا ہے۔

پہاڑی دیہات میں مزدور یا تو اس صابر اور پیارے جانور سے کام لیتے ہیں جسے گدھا کہا جاتا ہے یا پیدل آتے جاتے ہیں۔ آج بھی کاشتکار کو اپنے کھیت یا تاکستان تک جانے آنے میں ناقابلِ یقین فاصلہ طے کرنا پڑتا ہے اور وہ اپنے آپ کو خوش نصیب سمجھتے ہیں کہ زیادہ دُور نہیں جانا پڑتا۔

موٹریں بنانے کے علاوہ اٹلی میں بحری جہاز اور ہوائی جہاز بھی بنائے جاتے ہیں، نیز صنعتی مشینری میں بھی درجۂ اختصاص حاصل کیا

جارہا ہے۔ ۱۹۱۲ء کے بعد ارزاں نرخ پر بجلی ملنے لگی، اسی وقت سے اٹلی نے صنعت و حرفت میں ترقی شروع کی۔ تاہم نیپلز کے جنوب میں ابھی تک ملک زیادہ تر زرعی ہے۔

آج کل پارچہ بافی کو اٹلی کی صنعت میں ریڑھ کی ہڈی کا درجہ حاصل ہے۔ "اٹالین" یا استر کا خاص کپڑا ہر اُس مقام پر خاص شہرت رکھتا ہے، جہاں کپڑا بنایا جاتا ہے۔ آج بھی اس مضبوط اور ساٹن جیسے کپڑے کی ہر جگہ طلب ہے۔ جن کارخانوں میں یہ بنتا ہے، وہ برابر مصروف ہیں اور جہاں مشہور اطالوی ریشمی کپڑا تیار ہوتا ہے، وہ ممکن ہے کچھ مدت کے لئے بیکار ہوجائیں۔

جب تک مسلمانوں نے ریشم کے کیڑوں کی پرورش کا سلسلہ جاری کیا، اُس وقت سے اطالوی اس میں زیادہ سے زیادہ سرگرمی دکھاتے رہے جہاں ممکن تھا، توت کے درخت لگادئے گئے، کیونکہ توت ہی کے پتے ریشم کے کیڑے کا من بھاتا کھاجا ہیں۔ یہ فن سب سے پہلے سسلی نے سیکھا، پھر دوسرے جزیروں اور اٹلی میں پھیلا۔ اٹھارھویں صدی میں نپولین کے باپ نے کارسیکا کے اندر توت کے درخت لگائے تھے تاکہ اس کے وسیع کنبے کے گزارے میں مدد ملے۔ اب وہاں بے شمار لوگ موجود ہیں، جو ریشم کے کیڑے پالتے ہیں اور ان کے کویے کارخانوں میں بھیج دیتے ہیں۔

ریشم کے کیڑوں کو توت کے پتے کھلا کھلاکر موٹا کیا جاتا ہے۔ وہ شوق سے پتے کھاتے ہیں اور ان کے کھانے کی آواز سنائی دیتی ہے۔ کیڑے پالنے والے خاص توجہ سے دیکھتے رہتے ہیں۔ جب بھورے

رنگ کا کیڑا زردی مائل رنگ۔ اختیار کرلیتا ہے تو سمجھ لیا جاتا ہے کہ جوان ہوگیا۔ جب انھیں معلوم ہوتا ہے کہ ایک موٹا کیڑا بیتابانہ ہر طرف سر نکالتا ہے تو وہ جان لیتے ہیں کہ اب یہ اپنے ریشمی حلقے پر ریشم تننے کے لئے تیار ہے۔ چنانچہ وہ اسے بڑی ملایت سے شاخوں کے ایک بنڈل میں رکھ دیتے ہیں۔ وہاں کیڑا اپنا چکّر جاری رکھتا ہے۔ تقریباً آٹھ روز وہ اپنے سیکڑوں ہمسروں کے ساتھ گرم اور ہوا دار جگہ میں گزارتا ہے۔ ہر کیڑا اپنی اپنی شاخوں کے انبار سے چمٹا رہتا ہے۔ جب کویہ پورا ہوجاتا ہے تو کیڑے کو اُٹھاکر الگ کردیا جاتا ہے تاکہ وہ ستالے۔ دوسرا درجہ وہ ہوتا ہے جس میں کیڑے کو پیلہ یا پتنگا کہتے ہیں، یعنی اس نے جو حلقہ اپنے گرد تن لیا ہے، اس میں بیٹھے بیٹھے اس کے پَر نکل آتے ہیں، لیکن ریشم کے کیڑوں کی ایسی قسمت کہاں؟ انھیں بھاپ دے کر مار دیا جاتا ہے اور کویہ کھول لیا جاتا ہے۔ کارخانوں میں ریشم کو صاف کیا جاتا ہے اور اس سے کپڑا بنتے ہیں۔

پہلی عالمی جنگ تک اٹلی کے ریشمی کپڑوں کو سب سے بڑھ کر اہمیت حاصل تھی، لیکن ۱۹۱۹ء کے بعد وہاں نقلی ریشم کی ساخت زیادہ ترقی کر گئی۔ نقلی ریشم کیمیائی تجربات سے پیدا کرلیا گیا تھا۔ اطالوی صنعت نے صورتِ حال سے پورا فائدہ اُٹھایا۔ دوسری عالمی جنگ شروع ہونے تک اٹلی کو مصنوعی ریشمی کپڑے کے اعتبار سے دنیا بھر میں تیسرا درجہ حاصل تھا۔ اس صنعت کی ترقی کے لیئے ریشم کے کیڑے یقیناً شکر گزار تھے۔ آج کل اٹلی میں پھر

ریشم کے کیڑے کی صنعت زندہ کی جارہی ہے تاکہ دوسری عالمی جنگ کے قرضے ادا کرنے میں مدد ملے۔

اگرچہ اٹلی میں معدنیات اور دوسرے خام مال کی کمی ہے لیکن عمارتوں اور مجسّموں کے لئے پتھر بکثرت ملتے ہیں۔ کرّارا[1] میں سنگِ مرمر کی کان اسی مربّع میل کے اندر پھیلی ہوئی ہے اور غالباً یہاں کا پتھر بہترین ہوتا ہے۔ سفید رنگ کا خالص سنگِ مرمر مجسّموں کے لئے استعمال کیا جاتا ہے، کیونکہ اس کی دھاریاں بہت عمدہ ہوتی ہیں، نیز یہ بڑے بڑے بلاکوں میں نکالا جاسکتا ہے۔ دنیا کے چند ہی شہر ہوں گے جہاں کرّارا کے پتھر سے کوئی یادگار نہیں بنائی گئی۔

سنگِ مرمر کے علاوہ سنگِ خارا، سنگِ سماق اور سنگِ جراحت (سیلکھری) بھی خاصی مقدار میں ملتا ہے۔ ایپی نائینز میں چونے کا پتھر بھی ہے۔ پیمونٹ کے پتّھر ذرا سبزی مائل ہوتے ہیں اور جو بینی وینتو[2] (جنوبی اٹلی) کی کانوں سے نکالے جاتے ہیں، وہ سُرخ اور خاکی ہوتے ہیں۔ سسلی میں سائرا کیوز کی پرانی کانیں اتنی وسیع ہیں کہ مشہور مستبد دیونی سیوس اپنے قیدی انھیں کی سرنگوں میں رکھتا تھا۔ آج ایک بڑے غار میں جسے گوشِ دیونی سیوس[3] کہتے ہیں، داخل ہوں تو حیرت ہوتی ہے۔ کیونکہ جن لوگوں پر اسے شک ہوتا تھا، وہ اس غار میں سرگوشی بھی کرتے تھے تو دیونی سیوس

---

[3] Ear of Dionysius — [2] Benevento — [1] Corrara

تک اُن کی آواز پہنچ جاتی تھی۔ اس طرح اسے اپنے خلاف سازشوں کا پتہ چل جاتا تھا۔ سرنگوں میں خود یہ خصوصیت پیدا ہو گئی ہے کہ ان میں ہلکی سی صدا بھی پُر زور نعرہ بن جاتی ہے۔ جو سیاح وہاں جاتے ہیں ان کا ایک دلچسپ مشغلہ یہ بھی ہے کہ اس مقام پر کھڑے ہو جاتے ہیں، جہاں دیونی سیوس بیٹھا کرتا تھا اور رہبر ہلکی سی تالی بجاتا ہے تو اس سے ادد گرد کی ساری فضا گونج اُٹھتی ہے۔

عمارتوں کے لیے ایک پتھر اٹلی نے چونے کی بڑی بڑی چٹانوں سے حاصل کیا، جو چونے اور کاربانک ایسڈ ملے ہوئے پانی کی وجہ سے پیدا ہوا۔ یہ ایپی نائینز کے دامن میں ملتا ہے اور اسے ٹریورٹائن[1] کہتے ہیں۔ رومیوں نے اس سے وسیع پیمانے پر کام لیا، کیونکہ یہ بڑے بڑے بلاکوں میں نکالا جاتا تھا اور خشک ہو جانے کے بعد یہ ایسا بن جاتا تھا کہ اسے توڑا یا خراب نہیں کیا جا سکتا تھا۔ رومی کمپانا کے ساتھ ساتھ جو آبی گزرگاہیں بنائی گئیں، وہ اسی پتھر کی تھیں۔ کولوسیم[2] اور پینتھین[3] کے وسیع کھنڈروں میں بھی یہ پتھر موجود ہے۔ اس کے بہترین ذخیرے ٹیولی[4]

---

[1] Travertine زرد رنگ کا ایک مسام دار پتھر۔ یہ دراصل چونے کی تہ نشین مٹی سے بنتا ہے جو ہوا میں جم کر سخت ہو جاتی ہے۔ [2] Colosseum روما کا مشہور ایمفی تھیٹر (اکھاڑا) جو ۸۰ء میں مکمل ہوا اور اتنا بڑا تھا کہ اس میں پچاس ہزار آدمی بیٹھ سکتے تھے۔ [3] Pantheon یہ ایک معبد تھا جس میں تمام دیوتاؤں کے بت رکھے جاتے تھے، اب مدت سے یہ گرجا چلا آتا ہے۔ [4] Tivoli

سے روما تک پھیلے ہوئے ہیں۔ ولسیو ولیس کے دامن کے قریب کبھی یہ ملتا ہے اور انتہائے جنوب میں اٹلی کے بوٹ کے اندر بھی اس کی کانیں ہیں۔ سائراکیوز کی کانوں میں بھی ٹراورٹائن موجود ہے۔ سسلی کے جنوبی و مغربی ساحل پر جرجینتی کے بڑے بڑے قدیم معبد بھی اسی کے بنے ہوئے ہیں۔

عمارتی پتھروں کی برآمد کے علاوہ اٹلی لپاری[1] کے ہلکے خاکی جھانوں سے بھی خاصا نفع اُٹھاتا ہے۔ یہ آتش فشاں پہاڑوں کے دہانوں کی دیواروں سے حاصل کیا جاتا ہے۔ کیمیائی عملیات میں بھی یہ بڑا کام دیتا ہے۔ روما کے قریب ٹائل اور ظروف بنانے کی مٹی بھی ملتی ہے اور اچھی تجارتی قیمت پاتی ہے۔ ماضی قریب تک مٹی سے بڑے بڑے مرتبان بنائے جاتے تھے، جن میں غلّہ، تیل اور شراب محفوظ رکھی جاتی تھی۔ ان کی شکلیں ابتدائی دور کے رومیوں کے بنائے ہوئے مرتبانوں سے ملتی جلتی تھیں اور یہ اتنے بڑے ہوتے تھے کہ ان میں علی بابا کے چالیس چور بہ آسانی سما سکتے تھے۔ ان کی جسامت اور بناوٹ کی نزاکت کے پیشِ نظر یہ یقین کرلینا آسان ہے کہ روما نے ٹوٹے ہوئے ظروف گلی کے ٹکڑوں سے ایک مصنوعی پہاڑ بنالیا تھا، جسے مونٹی ٹیسٹاسیو[2] کہتے تھے۔

چالیس سال پیشتر تک اٹلی میں دُنیا بھر کی پچانوے فی صد گندھک پیدا ہوتی تھی، اگرچہ اس کی کانیں ایپی نائینز کی شمالی

---

[1] Lipari

[2] Monte Testaccio

ڈھلان پر امیلیا میں، نیز پرٹیکارا[5] اور سان ماریو میں بھی تھیں۔

گندھک نکالنے کے طریقے بہت پرانے ہیں۔ مشینری کے لیے کوئلے کی ضرورت ہے اور کوئلہ کمیاب ہے، لہٰذا بڑی حد تک مزدوروں سے کام لیا جاتا ہے۔ کام گرما میں شروع ہوتا ہے، جب پہلی فصل کٹ چکتی ہے۔ گندھک کے بلاک بنانے کے دوران میں جو تیزاب بنتا ہے۔ وہ اس قدر مہلک ہوتا ہے کہ آس پاس کی ساری نباتات جلا دیتا ہے۔ جو مرد اور لڑکے ایک ایک کرکے کان کے اندر اترتے ہیں اور خام گندھک کے ڈھیلے توڑ توڑ کر لاتے ہیں، وہ بڑا خطرناک کام انجام دیتے ہیں۔ اس اثنا میں کان کے اندر پانی بھرتا رہتا ہے۔ ساتھ ساتھ بالٹیوں میں بھر بھر کر اسے باہر نکالا جاتا ہے۔ کام کے دوران میں گندھک کا سفوف سانس کے ساتھ ساتھ اندر جاتا رہتا ہے اور اس سے گلا گھٹتا ہے۔

خام گندھک کو بھٹیوں میں پگھلاکر برآمد کے لیے تیار کرنے میں بڑا وقت لگتا ہے اور یہ پُرپیچ کام ہے۔ جب جمہوریۂ امریکہ نے خام گندھک کو کان کے اندر پگھلانے کا اصلاح یافتہ طریقہ دریافت کرلیا اور اس میں وقت بھی بہت بچتا تھا تو مقابلے میں اٹلی کی صنعتِ کبریت کو نقصان پہنچا۔ ۱۹۲۰ء کے بعد امریکہ ہر سال دس لاکھ ٹن گندھک پیدا کرنے لگا اور اٹلی کی پیداوار صرف تین لاکھ ٹن رہ گئی، لیکن اطالوی حکومت کان کنوں کو مالی امداد دے کر

---

[5] Perticara

پیداوار بڑھانے کی حوصلہ افزائی کر رہی ہے۔

جہاں تک نمک کی صنعت کا تعلق ہے، اس کی فروخت اور تقسیم حکومت نے سنبھال رکھی ہے۔ جن سرکاری دکانوں پر نمک بکتا ہے، وہی تمباکو، دیاسلائی، ڈاک کے ٹکٹ، کونین اور ملیریا کی روک تھام کرنے والی دوسری دوائیں بیچتی ہیں۔ نمک سازی کے کارخانے بحیرۂ ایڈریاٹک کے ساتھ ساتھ امیلیا کے ساحل، نیز سسلی کے مغرب میں ترایانی[1]، مرسالا[2] اور آگسٹاس[3]، سارڈینیا کے اندر کارلوفورٹ[4] اور کیگلیاری[5] میں ہیں۔ سمندر کے پانی سے نمک بنانے کا کام بڑا سادہ ہے۔ ساحل کے ساتھ ساتھ سیمنٹ کے بڑے بڑے حوبچے بنادئے جاتے ہیں تاکہ مد کی حالت میں سمندر کا پانی ان کے اندر پہنچ جائے۔ پھر اس پانی کو پتیلے برتنوں میں جمع کرلیا جاتا ہے۔ سورج کی حدت پانی کو بھاپ بنا بناکر اڑاتی رہتی ہے۔ نمک باقی رہ جاتا ہے۔ اسے کارخانوں میں صاف کرکے خوب پیس لیا جاتا ہے۔ ناروے اور سویڈن میں ہزاروں ٹن نمک خریدا جاتا ہے تاکہ اس سے مچھلیوں کی صنعت میں کام لیا جائے۔

اگرچہ ہزاروں اطالوی ماہی گیر ایڈریاٹک اور بحیرۂ روم میں جابجا پھرتے رہتے ہیں، لیکن ماہی گیری کوئی بڑی صنعت نہیں۔ باہر سے ہر سال لاکھوں پونڈ مچھلیاں درآمد کی جاتی ہیں، البتہ ٹنی[6]

---

[1] Trapani

[2] Marsala

[3] Augustas

[4] Carloforte

[5] Cagliari

[6] Tunny ایک قسم کی مچھلی۔

مچھلی اور سارڈین جنوبی بحیرۂ روم میں اس قدر پکڑی جاتی ہیں کہ انھیں ڈبوں میں بھر بھر کر روغنِ زیتون ڈال دیا جاتا ہے اور سارڈین بھی ڈبوں ہی میں باہر بھیجی جاتی ہے۔ مقامی طور پر پکڑی ہوئی مچھلیاں زیادہ تر موقع پر فروخت کردی جاتی ہیں۔ ماہی گیر پکڑی ہوئی مچھلیاں ٹوکروں میں ڈال کر بازاروں کے اندر صدائیں لگاتے پھرتے ہیں۔ وہ ہشت نیش صدفے (آکٹوپس) انگور کے پتوں پر رکھ لیتے ہیں اور اس کے گیت گاتے جاتے ہیں۔ اس کے سر کی خوفناک آنکھ آنند وروند کو گھورتی رہتی ہے۔ کبھی کبھار جھینگا مچھلی یا مونچھوں اور کانٹوں والی کوئی اور چیز پکڑی جاتی ہے۔ ایسی مچھلی بھی مل جاتی ہے، جس کے جسم پر زرہ سی بنی ہوتی ہے اطالوی ان تمام چیزوں کو اپنے دو پیازوں کے لئے ضروری سمجھتے ہیں۔ خریدار کو مچھلی کاغذ میں نہیں، بلکہ انگور کے پتوں پر رکھ کر دی جاتی ہے، اسے کاغذ کا قدرتی بدل سمجھنا چاہیے۔

قدرت تھوڑی سی محنت سے اٹلی کی سرزمین میں ہر چیز اُگا دیتی ہے، لہٰذا تعجب نہ ہونا چاہیے کہ زراعت اٹلی کی سب سے بڑی صنعت ہے اور تازہ اعداد کے مطابق آبادی کا ایک تہائی حصہ اس میں مصروف ہے۔ شراب اور تیل کو بھی خاص اہمیت حاصل ہے، کیونکہ ان میں بڑا نفع ملتا ہے۔ زراعت سے جو کچھ بھی حاصل ہوتا ہے، اس کا ایک چوتھائی حصہ شراب سے مل جاتا ہے اور اٹلی روغنِ زیتون کی صنعت میں صرف ہسپانیہ سے دوسرے درجے پر ہے۔

ملک میں ہر قسم کے غلّے بوئے جاتے ہیں، البتہ چاول صرف لمبارڈی کے میدان اور دینیشیا کے ارد گرد دریائے پو کے دہانے پر ہوتے ہیں۔ یہی ایک غلّہ ہے جو اٹلی سے باہر جاتا ہے۔ اگرچہ گندم، رئی، جئی، جو اور مکئی بھی بہت ہوتی ہیں، مگر وہ ملکی ضروریات بہ مشکل پوری کرتی ہیں۔ مکئی امریکہ کی دریافت کے بعد اٹلی میں پہنچی، لیکن یہ شمالی اٹلی کے سوا ہر جگہ زیادہ تر چارے کے لیے استعمال ہوتی ہے۔ شمالی اٹلی میں اس سے ایک عمدہ کھانا تیار کیا جاتا ہے، جس میں گوشت یا چھوٹے چھوٹے پرندے ڈالے جاتے ہیں۔ اسے "قومی کھانا کہا جاتا ہے۔

آب و ہوا پھلوں کے لئے بہت سازگار ہے، لہٰذا زمین کا خاصا حصہ پھلوں کے لئے وقف ہے۔ ماضی قریب تک زیادہ تر باغ مختلف لوگوں کی ملکیت تھے اور وہ ان میں خود کام کرتے تھے یا کسانوں سے کام لیتے تھے، مگر پیداوار بڑھانے کی تحریک شروع ہوئی تو باغات تجارتی اصول پر منظم کرلیے گئے۔

ملک کے بعض زرعی طبقوں میں اب تک زمانۂ قدیم کے حالات موجود ہیں۔ اس کا ایک سبب تو طبعی حالات ہیں، ایک سبب یہ بھی ہے کہ چھوٹے چھوٹے کسان بڑی بڑی مشینیں نہیں خرید سکتے۔ اِس وجہ سے بعض غیر ملکی لوگ فوراً اُلٹی سیدھی رائے قائم کرلیتے ہیں۔ مثلاً یہ کہ جب وہ کسانوں کے کسی گروہ کو دھوپ کے وقت کسی سایہ دار مقام میں سویا ہوا پاتے ہیں تو کہتے ہیں کہ اطالوی کاہل ہیں۔ جب دیکھتے ہیں کہ کنبہ ایک چھوٹی سی جھونپڑی میں سؤروں اور مرغوں

کے ساتھ رہتا ہے تو کہتے ہیں کہ اطالویوں کا درجۂ معیشت ہم سے بہت پست ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ کسانوں کو ہم سے بہت سویرے کام شروع کرنا پڑتا ہے لہٰذا تھوڑی دیر کے لیے وہ کھیتوں میں سستا لیتے ہیں، نیز دوپہر کی دھوپ اتنی تیز ہوتی ہے کہ ہر شخص آرام ہی کو دانشمندی کا فعل سمجھتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کھیتوں کے مزدور، ان کے مالک اور اہل و عیال، ریوڑ اطرافِ کوہ میں، بیل کھیت میں دوپہر کے وقت سو لیتے ہیں۔ باقی رہی درجۂ معیشت کی پستی تو یہ حالات کی مجبوری کا نتیجہ ہے، اس میں خواہش کا کوئی سوال نہیں۔ خود جمہوریۂ امریکہ میں بھی ایسے پسماندہ طبقے موجود ہیں جیسے اٹلی میں ہیں۔

اطالوی زرعی کارکنوں کو جو مشکلات برداشت کرنی پڑتی ہیں، وہ "لیتیفندیا"[1] اور "میزادریا"[2] کے غیر منصفانہ نظام کا نتیجہ ہیں یہ نظام جنوبی اٹلی میں اب تک موجود ہے۔ لیتیفندیا کا نظام رومیوں کے زمانے سے چلا آتا ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ بڑی بڑی جاگیریں (لیتیفندیا) کارندوں کے ذریعے سے ٹکڑے ٹکڑے کرکے مزدوروں اور کمنبوں میں تقسیم کردی جاتی ہیں۔ مالکانِ جاگیرات اپنے قصروں میں رہتے ہیں اور کارندے ہی انتظام کے پورے مختار ہوتے ہیں۔ ایسے نظام میں جو بے انصافیاں رُونما ہوسکتی ہیں وہ محتاجِ بیان نہیں۔ کارندے محنت مشقت کرنے

---

[1] Latifundia

[2] Mezzadria

والے مزدوروں سے جتنا فائدہ اُٹھا سکتے ہیں اُٹھاتے ہیں اور اصل مالک کو نتائج اطمینان بخش نظر آئیں یعنی پورے پیسے مل جائیں تو وہ پیسے حاصل کرنے کے وسائل کی پروا نہیں کرتا۔

اس کے برعکس میزادریا کا مطلب یہ ہے کہ فصلوں میں حصہ داری مقرر کرلی جائے۔ اس کے تحت مالکِ جاگیر ٹیکس ادا کرتا ہے اور جاگیر میں مکانات کی بحالی کا ذمہ دار ہوتا ہے۔ کاشتکار کھیتی باڑی کرتا ہے اور اسی کو جانوروں کا نگراں سمجھا جاتا ہے۔ مالک اپنی زمین سے کام لیے جانے کے بدلے میں غلّے، پھل، مویشی اور کھاد میں سے نصف حصہ لے لیتا ہے، باقی نصف کسانوں کو مل جاتا ہے۔ اگرچہ بہ ظاہر یہ منصفانہ نظام معلوم ہوتا ہے، لیکن کسان اکثر تباہ ہوجاتا ہے، کیونکہ اگر خشک سالی یا طوفان کے باعث فصل اچھی نہ ہو تو نقصان اُسی کو اُٹھانا پڑتا ہے۔ اگرچہ اس سے یہ حلف نہیں لیا جاتا کہ آگ، شعلے اور جنگ کی حالت میں وہ مالکِ جاگیر کو ذمہ دار نہیں ٹھہرائے گا، لیکن نقصان بہ ہر حال اسی کے ذمہ عائد ہوتا ہے۔

موجودہ صدی کے اندر زرعی طور طریقوں کی اصلاح میں بڑی ترقی ہوئی۔ گندم کی کاشت اتنی بہتر ہوگئی کہ ۱۹۲۵ء میں اٹلی کو اپنی ضرورت کے لیے گندم کا ایک تہائی حصہ باہر سے منگوانا پڑتا تھا۔ ۱۹۳۵ء میں وہ صرف دو فی صد باہر سے منگوانے کا محتاج رہ گیا۔ وسائلِ آبیاری کے سلسلے میں بھی بہت کچھ ہوچکا ہے، لیکن ابھی بہت کچھ کرنا باقی ہے کیونکہ جنوبی حصے کے میدان تقریباً

نصف سال بنجر رہتے ہیں ۔

پچاس لاکھ سے زائد آدمی اقتصادی اصول کے مطابق کھیتی باڑی نہیں کر سکتے، لیکن ایک کروڑ اسّی لاکھ محنت و مشقت سے یہ کام انجام دے رہے ہیں ۔ زرعی اصلاحات کا سلسلہ جاری ہے دس لاکھ ایکڑ سے زائد زمین نکمّے مالکوں سے لے کر ایک لاکھ دس ہزار ضرورت مند کنبوں کے حوالے کردی گئی ہے ۔ اِس اصلاح کا خرچ حکومت اور نئے مالکوں نے مشترکہ طور پر برداشت کیا ۔ ساٹھ فی صد حصّہ حکومت نے اپنے ذمے لے لیا اور چالیس فی صد نئے مالکوں نے ۔ اطالوی افسروں نے حال ہی میں ایک اور منصوبہ سوچا ہے جس سے کسانوں کو آبیاری کے وسائل ، مویشی کی پرورش اور مکانوں کی درستی میں مدد ملے گی ۔

پانچواں باب

اوڈو آسر سے فریڈرک دوم تک

جب بربریوں کی فوج نے ۴۷۶ء میں اوڈوآسر کے شاہِ اٹلی ہونے کا اعلان کیا تو کہا جاتا ہے، اسی وقت سے وہ دور شروع ہوگیا، جو ازمنۂ وسطیٰ کہلاتا ہے۔

جس علاقے پر اوڈو آسر حکمران تھا، وہ پورے اٹلی پر مشتمل تھا۔ اس میں اس نے سسلی اور ڈلمیشیا بھی شامل کرلیے۔ پھر اس نے اپنی سلطنت کی توسیع یورپ کے اس حصّے میں کرنی چاہی، جو اب آسٹریا کہلاتا ہے، مگر وہ ناکام رہا اور اپنے مستحکم حصار ریونا میں نئے موقع کا انتظار کرنے لگا۔ اِس اثنا میں آسٹروگاتھوں کے سردار تھیوڈورک[1] نے اوڈوآسر سے اٹلی چھین لینے کا فیصلہ کیا وہ بھی بربریوں کا ایک سردار اور سلطنت کا ایک فوجی لیڈر تھا، لیکن اس کے سامنے اپنے عزائم تھے۔ بہ ہر حال تھیوڈورک نے اوڈو آسر کے خلاف جنگ شروع کی۔ اسے متعدد شکستیں دیں اور ۴۸۹ء تک تھیوڈورک پورے شمالی اٹلی پر قابض ہوچکا تھا۔

اب اطالوی دو حصّوں میں بٹ گئے۔ کچھ اوڈوآسر کے حامی تھے اور کچھ تھیوڈورک کے۔ تھیوڈورک نیا نیا منظرِ عام پر

---

[1] Theodoric

آیا تھا اور اس نے بہت سی تبدیلیوں کا وعدہ کر لیا - وہ لوگوں کو بہتر معلوم ہوتی تھیں - اوڈوآسر پھر ریونا میں جا بیٹھا اور اپنے حامیوں کی امداد سے مزید چند سال گزار لیے - پھر اوڈوآسر اور تھیوڈروک میں ایک معاہدہ ہوگیا، جو اطمینان بخش نظر آتا تھا - اچانک ۴۹۲ء میں تھیوڈروک نے بہ زور ریونا پر قبضہ کر لیا - اوڈوآسر اور اس کے ساتھیوں کے خلاف غداری کا الزام لگاکر سب کو موت کے گھاٹ اُتار دیا - پھر شہنشاہ بیزنطیم کی طرف سے اقتدار کا مالک بن گیا - اور اپنے لئے اٹلی میں گاتھوں اور رومیوں کی بادشاہی کا اعلان کر دیا -

حکمران ہونے کی حیثیت میں تھیوڈروک کو بہتر سمجھا جاسکتا ہے - کم از کم اس نے پوری کوشش کی کہ اٹلی کی اس خوفناک حالت کا مداوا ہو جائے، جو مسلسل جنگوں اور حملوں کے باعث پیدا ہو چکی تھی، مگر عام عمرانی حالات ویسے ہی رہے، جیسے سلطنت کے ماتحت چلے آتے تھے - طبقے آپس میں بٹے ہوئے تھے - وسیع نجی جاگیروں کے نظام کا نتیجہ یہی ہو سکتا تھا، جن کے مالک غلاموں اور فنکاروں کو بیدردی سے استعمال کرکے اپنی ثروت اور درجہ بحال رکھنا چاہتے تھے - بہ ایں ہمہ تھیوڈروک کے ماتحت علم کی حوصلہ افزائی ہوئی - اس کے مشیروں میں ایک بوئیٹیس[1] بھی تھا جس نے متعدد حکیمانہ رسالے لکھے - ان میں سے ایک کا نام تھا

---

[1] ؎ Boetius

"تسکین فلسفہ[1]" بوئیتھیئس نے بعد کے دور میں عوام پہ خاصا اثر ڈالا، مگر خود اُسے تسکین کی اشد ضرورت پیش آگئی۔ تھیوڈورک نے اسے ۵۲۵ء میں قید کردیا تھا۔ وہیں بوئیتھیئس نے وفات پائی۔ یہ قید اسے آزادیٔ روما کی خاطر بھگتنی پڑی۔ تھیوڈورک اس کے بعد ایک سال زندہ رہا۔

تھیوڈورک اور اوڈوآسر کے درمیان جو حالات پیش آئے، وہ اس لحاظ سے خاص حیثیت رکھتے ہیں کہ پہلے بھی یہی ہوتا رہا تھا۔ اور دوسرے کرداروں نے بعد کے ادوار میں بھی یہی کیا۔ اقتدار کے لیے جنگ صرف افراد اور فوجوں ہی میں نہیں۔ بلکہ مختلف نسلوں میں بھی ہوتی رہی۔ شہر شہروں کے خلاف لڑتے تھے، تاکہ بیرونی تجارت پر قبضہ کرلیں یا ایک دوسرے کو لوٹ لیں یا محض اس لیے لڑائی شروع کردیتے تھے کہ کسی ایک شہر کے ممتاز خاندان کو کسی ہمسایہ شہر کے حکمران خاندان سے عداوت تھی۔

ہمیں معلوم ہے کہ آخری گاتھ بادشاہ ۵۲۳ء میں مرا۔ یہ بھی معلوم ہے کہ ۵۹۰ء میں گریگوری اعظم پوپ چنا گیا تو روما کی سلطنت اور گاتھوں کی سلطنت کی جگہ ازمنۂ وسطیٰ کی روح نے لے لی تھی۔ پھر شمالی جانب سے ایلپس کو عبور کرکے حملہ آور آگئے جو مشرقی طرف سے آئے، انھوں نے سمندر کا راستہ اختیار کیا اور سسلی کو قدم گاہ بنایا، لیکن کوئی بھی زیادہ مدت تک اٹلی پہ قابض نہ

---

[1] On the Consolation of Philosophy

رہ سکا۔ لنگوباردوں اور مسلمانوں نے کامیابی کے بعد لوگوں اور زبان کو ایک خاص وضع و ہیئت دی اور اٹلی کے سیاسی اتحاد میں رکاوٹ ڈالی۔ تھیوڈروک نے ایک لحاظ سے اتحاد کا عزم کرلیا تھا۔

آٹھویں صدی میں فرینک منظر پر نمودار ہوئے۔ انھیں پوپوں نے لنگوباردوں کے خلاف امداد کے لیے بلا لیا۔ لنگوباردوں نے ایلپس کو عبور کرتے ہی جابجا ڈیوکوں کے علاقے قائم کر دیے، جن کا سلسلہ نیپلز کے جنوب میں سلرنو تک آتا تھا۔ مزید برآں انھوں نے پیویا[1] میں بادشاہی کا مرکز قائم کرلیا، جس کی شان و شکوہ کے سامنے رومہ کی عظمت بھی ماند پڑ گئی تھی۔

۷۵۴ء میں فرینکوں کے بادشاہ پیپن[2] نے لنگوباردوں کو مسخر کرلیا اور جو علاقے حاصل کیے تھے، حسن تدبیر سے کام لیتے ہوئے انھیں پوپ کے حوالے کر دیا۔ پیپن کا یہ تحفہ "سینٹ پیٹر کی میراث" کے نام سے مشہور ہے اور اسی سے پاپائی جاگیروں کی بنیاد پڑی۔ بدقسمتی سے یہی واقعہ ہمسایہ حکمرانوں سے لامتناہی کشمکش کا باعث بن گیا۔ آخر ۱۸۷۰ء میں یہ جاگیریں ختم ہوئیں۔

پیپن کا بیٹا چارلس تاریخ میں شارلیمین کے نام سے معروف ہے، یعنی چارلس اعظم۔ اس نے لنگوباردوں کے آخری بادشاہ

---

1. Pavia   2. Pepin

ڈیزی ڈیریس[1] کو ۷۷۴ء میں شکست دی۔ پیویا پر قبضہ کرلیا اور اپنے آپ کو لنگوبارڈوں کا بادشاہ کہنے لگا۔ پوپ اور کلیسا کے احترام میں اس نے اپنے باپ کی پیروی کی اور اس کا معاوضہ پایا، یعنی ۸۰۰ء میں بڑے دن پوپ لیوسوم نے شارلیمین کو مقدس رومی شہنشاہی کا تاج پہنایا اور اٹلی، نیز ازمنہ وسطیٰ کے لیے نیا دور شروع ہوا، مگر فرینکوں کی اس فتح میں خطرات بھی شامل تھے جن سے اٹلی کے مستقبل پر اثر پڑا۔ شارلیمین کی تاجپوشی سے اٹلی کی بادشاہی اس وسیع سلطنت کا ایک حصّہ بن گئی، جو اٹلی سے باہر تھی۔ پوپ زیادہ سے زیادہ فرینکوں کی سلطنت کے زیر اثر آتے گئے اور شارلیمین نے وہ سب کچھ کیا، جو تاج کے تحت اس کے علاقوں کی حفاظت کے لیے ضروری تھا۔ یہ علاقے دُور دُور تک پھیلے ہوئے تھے، اس لیے ان کی حفاظت بے سبب نہ تھی۔ تاجپوشی سے بھی بہت پہلے وہ لامذہب سیکسنوں کے خلاف شش سالہ جنگ میں کامیابی حاصل کرچکا تھا۔ یوں برّاعظم میں اس کی سلطنت خاصی وسیع ہوگئی تھی۔

اس کے طور طریقے بڑے جابرانہ تھے۔ مثلاً اس نے ایک دن میں تقریباً پانچ ہزار سیکسن قیدیوں کو موت کے گھاٹ اُتارتے وقت کچھ خیال نہ کیا، کیونکہ سیکسنوں کے ہاتھوں اس کے چند آدمی مارے گئے تھے۔ وقت کے دورِ وحشت کے پیشِ نظر اس نے دلیل یہ پیش کی کہ وہ

---

[1] Desiderius

غیر مسیحی تھے۔ آخر سیکسن تبدیلِ مذہب پر راضی ہو گئے اور انھیں فرینکوں کی سلطنت میں ضم کر لیا گیا۔ شارلیمین شمالی ہسپانیہ میں عربوں کے خلاف بھی ایک مہم لے گیا تھا، مگر وہ کامیاب نہ ہوئی۔ اس سلسلے میں خود اس نے اور اس کے جنگجوؤں نے جو کارنامے انجام دئے، وہ افسانوں کا ایک بہت بڑا ذخیرہ بن گئے۔[۱] شارلیمین نے اپنی حفاظت کی غرض سے مشرقی رومی سلطنت کے ساتھ صلح کر لی۔ مشرقی اور مغربی سلطنت کے درمیان اقتدار کے مسئلے پر بحیرۂ ایڈریاٹک میں بحری جنگ ہوئی۔ آخر فیصلہ یوں ہوا کہ شارلیمین کو مغربی سلطنت کا حکمران تسلیم کر لیا گیا۔ ۸۱۴ء میں وفات سے پیشتر شارلیمین نے اپنی سلطنت کا جانشین تیار کر لیا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ جانشین کو پوپ تاج پہنائے، لہٰذا رسم کی جگہ آشن[۲] میں اپنے ہاتھ سے شہنشاہی کا تاج اپنے بیٹے لوئی کے سر پر رکھ دیا، جو "پرہیزگار" کے لقب سے مشہور ہے۔ یوں اس نے دنیا پر آشکارا کر دیا کہ سلطنت کا فیصلہ کرنے کا مجاز پوپ نہیں میں ہوں۔ اس طرح اس نے تاج و تخت کے لئے لوئی کا موروثی حق بھی محفوظ کر دیا۔

اٹلی کا تاج خاندانِ شارلیمین کے ایک رُکن کو دیا گیا اور

---

[۱] شمالی ہسپانیہ کے باغی مسیحیوں نے شارلیمین کو امداد کے لیے بلایا تھا، مگر اس نے بُری طرح شکست کھائی۔ مسلمانوں نے پہاڑوں کے اندر تک تعاقب کیا اور شارلیمین کی عقبی فوج بُری طرح تباہ ہوئی۔ اہلِ یورپ نے خواہ مخواہ ان واقعات کو افسانہ بازی کا موضوع بنالیا۔

[۲] Aachen جرمنی کا شہر جو مدت تک ایکسلاشپل کہلاتا رہا۔

یہ روایت اُس وقت تک قائم رہی جب تک ۸۸۸ء میں شارلیمن کے خاندان کی حکومت ختم نہ ہوگئی۔ اب میلان کا آہنی تاج اطالوی بادشاہی کا نشان بن گیا۔ شارلیمن اور اس کے جانشین کے ماتحت نظم قائم رہا، لیکن خود اٹلی کے اندر کوئی حقیقی یکسانی و یک آہنگی موجود نہ تھی۔ ملک مختلف جماعتوں میں بٹا ہوا تھا، جو کم و بیش خود مختار تھیں اور مداخلت سے ناراض ہوتی تھیں۔ بعض خطّے خاص حقوق رکھتے تھے، جن کا تعلق کلیسا سے تھا۔ ان پر شہنشاہ یا بادشاہ کو کوئی اقتدار حاصل نہ تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ پیپن نے سینٹ پیٹر کی خدمت میں جو نذر پیش کی تھی اس نے کلیسا کے اختیارات اور شہنشاہ کے اختیارات میں کش مکش کا بیج بو دیا۔ اس سے طویل اور تلخ جنگیں نتیج ہوئیں۔

عام افراتفری میں ہر نَو دولت اختیارات پر قبضے کے لیے کوشاں ہوجاتا۔ جب خاندانِ سلاطین کے حکمرانوں کا سلسلہ ختم ہوگیا تو ایسی کوششیں اکثر ہوئیں۔ ان چھوٹے چھوٹے حکمرانوں کی کشاکش اقتدار کے دوران میں پاپائیت کا وقار بھی کم ہوگیا۔

حالات بد سے بدتر ہوتے گئے، یہاں تک کہ ۹۶۲ء میں روما کے اندر سیکسن بادشاہ اوٹو[1] اعظم کے سر پر شہنشاہی کا تاج رکھا گیا۔ اس نے شارلیمن کے نقشِ قدم پر چلنے کی کوشش کی اور اٹلی میں امن بحال کردیا۔ لیکن اس کے جانشینوں کو

---

[1] Otto

شارلیمن کے جانشینوں سے بھی کم مہلت ملی ۔ اس سلسلے کا آخری بادشاہ اوٹو سوم ۱۰۰۲ء میں فوت ہوا اور اٹلی پہلے کی طرح پھوٹ کا شکار رہا، بلکہ مختلف خطوں کے درمیان علیحدگی کی خلیج وسیع تر ہوگئی تا آنکہ گیارھویں صدی کے آغاز پر شہری ریاستیں قائم ہوگئیں اور اسی سے شمالی اٹلی میں کمیونز[1] نے نشو و نما پائی۔

غرض ڈچیوں، سرحدی علاقوں اور شہری ریاستوں کے اندر کتنا ہی اختلاف ہو، مگر وہ سب جاگیرداری کے نظام میں جکڑی ہوئی تھیں، جو نویں صدی عیسوی میں فرانس سے یہاں پہنچا تھا، لیکن اٹلی میں اس نے زیادہ عمر نہ پائی، کیونکہ یہ اطالویوں کی انفرادیت پسندی کے لیے سازگار نہ تھا، مگر جب تک جاگیرداری کا نظام قائم رہا، اس نے پورے معاشرے کا گلا گھونٹے رکھا۔ اس کا اثر شہنشاہ پر بھی پڑا۔ یقیناً تاج اور عصائے سلطنت اس کے قبضے میں تھے، لیکن یہ چیزیں الہ دین کے عجیب و غریب چراغ کی طرح اسے کسی طلسمی قوت کا حامل نہیں بنا سکتی تھیں۔ اس کی طاقت باجگزاروں کی امداد پر منحصر تھی، یعنی وہ امراء جو اس کے ماتحت تھے اور انھوں نے فوجی خدمت انجام دینے، نیز جنگجو مہیا کرنے کا عہد کر رکھا تھا۔

جاگیرداری کا نظام بڑا پُرپیچ تھا۔ ہم اسے سمجھنا چاہیں تو بہتر یہ ہوگا کہ ایک ایسا معاشرہ اپنے ذہن میں فرض کرلیں، جو (دینے والوں

---

[1] Communes اس کا مطلب ہے شہری یا علاقائی پنچایتیں۔

(امیروں، شہزادوں اور جنگی سرداروں) اور لینے والوں (باجگزاروں اور ماتحتوں) میں بٹا ہوا تھا۔ دینے والے ماتحتوں کو دشمنوں کے حملوں، اور قزاقوں اور دوسرے فتنوں سے بچانے کے ذمہ دار تھے۔ باجگزاروں اور ماتحتوں کا فرض تھا کہ بالا دستوں کے وفادار رہیں اور اس سلسلے میں بعض فرائض ادا کریں۔

اب یہ سوال سامنے آتا ہے کہ لوگ بالادستی کا درجہ کیونکر حاصل کرتے تھے؟ اس کی دو صورتیں تھیں، اوّل حقِ فتح و تسخیر کی بناء پر، دوم فرمانروائے اعلیٰ سے جاگیرات حاصل کرنے کی بنا پر۔ فرض کیجئے کہ ایک بادشاہ نے بہت بڑا صوبہ اپنے جنگی سردار والٹر کو جاگیراتی نظام کے مطابق دے دیا۔ معاً والٹر بادشاہ کے باجگزار کی حیثیت میں ان تمام لوگوں پر بالادستی کا درجہ حاصل کرلیتا جو عطا شدہ جاگیر میں رہتے تھے۔ وہ جاگیر دینے والے یعنی بادشاہ کی طلب پر ہر فرض انجام دینے کا ذمّہ دار ہوتا۔ مثلاً فوج تیّار رکھنا، قلعوں کی حفاظت کرنا اور ایسے ہی دوسرے فرائض بجا لاتا۔ خود اسے ایک چھوٹے درجے کے حکمران کے حقوق حاصل ہوجاتے۔ وہ ماتحت لوگوں سے خراج اور ٹیکس وصول کرتا۔ ان سے فوجی بھرتی لیتا اور جب ضرورت پیش آتی ان کے مقدمے کا فیصلہ کرتا۔ گویا اسے اپنی جاگیر میں لوگوں پر موت و حیات کے اختیارات حاصل تھے۔ نیز وہ اپنی جاگیر کو جتنی چھوٹی چھوٹی جاگیروں میں چاہتا تقسیم کر دیتا۔ بادشاہ کی طرح وہ اپنے خاص ماتحتوں اور باجگزاروں کو جاگیریں دیتا اور ان کے بدلے میں ان سے خدمت کی اُمید رکھتا۔

یوں بالادستوں اور باجگزاروں کے درمیان ضوابط کا ایک خاص سلسلہ قائم ہو گیا تھا اور بالادست کی مرضی کے مطابق خراج کے سلسلے میں بہت سی رسمیں رواج پاگئی تھیں۔ اس طرح ایک مخروطی (حرم نما) معاشرہ بن گیا تھا، جس میں چند نہایت طاقتور افراد سب کے اوپر تھے۔ غریبوں اور مسکینوں کی کثیر تعداد سب سے نیچے تھی۔ ایسے نظام میں زندگی بسر کرنا آسان نہ تھا، جہاں جاگیرداری کی جڑیں بہت نیچے تک چلی گئی تھیں اور سب سے زیادہ بری حالت جنوبی اٹلی میں تھی۔

گیارھویں صدی کے آغاز پر حکومت میں ایک نئی چیز رونما ہونے لگی۔ لمبارڈی اور ٹسکنی کے بڑے بڑے شہر کئی سال سے تجارتی اور داخلی معاملات میں خود مختاری کے لیے کوشاں تھے، جاگیردار بالادستوں یعنی شہنشاہوں یا پوپوں کے مطالبات کو انھوں نے نظرانداز کر رکھا تھا۔ وینس، میلان، فلارنس، لوترین، اور پسا مصروفیت اور خوشحالی کی زندگیاں بسر کر رہے تھے اور جو کچھ ان کے قبضے میں تھا، اسے بہرحال محفوظ رکھنا چاہتے تھے۔ اسی سے "کمیون" (پنچایتیں) پیدا ہوئے ابتدا میں یہ "کمیون" خاص شہروں کے باشندوں کی نجی تنظیمات پر مشتمل تھے۔ وہ کسی ایک فرد یا مشیروں کی ایک جماعت کو اپنا مختار بنا لیتے اور حلف اٹھا لیتے کہ جابروں کے خلاف تمام حقوق و املاک کی حفاظت کریں گے۔

بعض مورخوں نے ان پنچایتوں کو روح جمہوریت کا پیش خیمہ قرار دیا ہے۔ لیکن ان کے اصل مقاصد محض تجارتی تھے۔ وینس کی طرح بہت

سے شہر تجارت میں مشغول تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ جو بھی فوائد حاصل ہو سکتے ہیں، حاصل کرتے رہیں۔ وہ سمندروں، بندرگاہوں، شاہراہوں اور پہاڑی دروں کو آزاد رکھنے کے لئے کوشاں تھے اور جہاں ممکن ہوتا، نفع رساں صنعتوں کی اجارہ داری قائم کر لیتے۔ ان حالات میں یہ سمجھ لینا مشکل نہیں کہ عداوتیں کیونکر نشو و نما پاتی رہیں اور نتیجہ عموماً مسلح جنگیں تھیں۔ پھر یہ پنچایتیں مجبور تھیں کہ داخلی جھگڑوں اور بیرونی مقابلوں میں اپنی پوری حفاظت کریں۔

بعض اوقات یہ پنچایتیں کسی مشترک دشمن کے خلاف متحد ہو جاتیں۔ چنانچہ مختلف شہروں نے مل کر فریڈرک بار بروسا (سُرخ ریش) کے خلاف لمبارد لیگ[1] بنالی تھی۔ فریڈرک اٹلی میں مقدس رومی شہنشاہ بننے کے لیے آیا تھا۔ اس نے وعدہ کرلیا تھا کہ میں سلطنت میں امن و نظم بحال کروں گا۔ چنانچہ میلان کے خلاف اس نے قوت استعمال کی۔ یہیں کی پنچایت سب سے طاقتور تھی۔ اگر یہ سر بہ خم ہوجاتی تو فریڈرک کو اُمید تھی کہ دوسرے شہر بھی ڈر جائیں گے۔ چھوٹی چھوٹی پنچایتوں میں سے بعض نے باربروسا کی حمایت کی، کیونکہ وہ طاقتور پنچایتوں سے متنفر تھیں۔

چار سال کے بعد ۱۱۶۲ء میں میلان نے حوالگی اختیار کی۔ باربروسا نے پھر اس کی تذلیل کی اور اس کے لئے ایسی سزا کا فیصلہ کیا کہ شہر تقریباً صفحۂ ہستی سے مٹ گیا۔ اب دوسری پنچایتوں کو بھی

---

[1] Lombard League

ہوش آیا اور احساس ہوا کہ میلان کو جس حالت سے سابقہ پڑ چکا ہے، وہ دوسروں کو بھی پیش آسکتی ہے، لہٰذا انھوں نے متحد ہوکر ایک جمعیت بنالی، جسے لمبارد لیگ کہتے تھے۔ مقصد یہ تھا کہ میلان کو نئے سرے سے تعمیر کیا جائے اور پنچایتوں کے حقوق کی حفاظت کی جائے۔ شمال کے شہر اس جمعیت میں شامل ہوگئے، صرف چند شہر باہر رہے۔ پوپ الگزانڈر سوم نے بھی اس کی حمایت کی۔

چنانچہ میلان پھر زندہ ہوگیا۔ باربروسا نے بھی قدم اُٹھانے میں دیر نہ کی۔ یہ کش مکش ۱۱۷۶ء تک جاری رہی۔ آخر شہنشاہ اور اُس کی فوجوں نے شکست کھائی۔ کانسٹینس[1] میں صلح کی گفت و شنید ہوئی۔ اس صلح میں پنچایتوں نے اپنے دائروں میں حقِ حکمرانی حاصل کرلیا۔ ساتھ ہی شہنشاہ کو رئیسِ اعلیٰ مان لیا۔

کسی مشترک مقصد کے لیے پنچایتوں کے متحد ہوجانے کا مطلب یہ نہ سمجھ لینا چاہیئے کہ ان کی رقابت و حرص بھی ختم ہو چکی تھی۔ ہر پنچایت اپنی بہبود کے لیے کوشاں تھی۔ پھر ایک مرتبہ کمزور جماعتیں ختم ہوگئیں۔ چھوٹے چھوٹے جاگیردار محکوم بنا لیے گئے۔ اور کسی نہ کسی تجارتی سرچشمے پر قبضہ کرنے کے لیے کشمکشیں جاری رہیں۔ اس مقابلے میں دولتمند شہروں کے لوگوں کی نظروں سے سیاسی مقاصد اوجھل ہو گئے۔ صلیبی مہمیں بھی — کم از کم آخری مہمیں — تجارت پیشہ اٹلی میں سے گزرتی تھیں تو اصل مقصد گم

---

[1] Constance یہ بہ حالتِ موجودہ سوئزرلینڈ کا ایک شہر ہے۔

کر بیٹھتی تھیں، حالانکہ ان مہموں نے یورپ میں ایسا جوش پیدا کردیا تھا کہ مرد، عورتیں اور بچے بھی ہزاروں کی تعداد میں گھر بار چھوڑ کر ارضِ مقدس جانے کے لیۓ تیار ہو گۓ۔ اٹلی میں معاملے کی صورت یہ ہوگئی تھی کہ اچھا! صلیبی جنگجو آرہے ہیں؟ خوب! ہمارے جہازوں کو اتنی سواریاں مل جائیں گی اور مشرق کی زیادہ منڈیوں کے دروازے ہمارے کاروبار کے لیۓ کھل جائیں گے۔

یوں زندگی کا سلسلہ جاری رہا۔ امیر، امیر تر ہو گۓ۔ طبقاتی اختلافات بڑھ گیۓ۔ عام لوگ، جو سب سے نیچے تھے، بہشت کے تصوّر سے دل خوش کرتے رہے اور روزانہ زندگی کی تلخ حقیقتوں میں ان کے پاس تسکین کا اور کوئی ذریعہ نہ تھا۔

تیسری صلیبی مہم (۱۱۹۰ء) میں فریڈرک باربروسا دریا میں ڈوب مرا۔ اس کے بیٹے ہنری کو، جس نے سسلی کی شہزادی اور ولیۂ عہد سے شادی کرلی تھی، ہنری ششم کے لقب سے شہنشاہی کا تاج پہنایا گیا۔ وہ زیادہ عرصہ زندہ نہ رہا۔ ۱۱۹۷ء میں اپنے سہ سالہ بیٹے فریڈرک کو شاہِ سسلی چھوڑ کر مرگیا۔ پوپ انوسنٹ سوم فریڈرک کا وکیل بن گیا۔ ہنری بڑا ہوشیار مدبّر، لیکن سخت گیر حکمران تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اس کے عہد میں اٹلی کے بہت سے طبقے خصوصاً پنچایتیں شہنشاہی کی مخالف ہوگئیں۔

جب تاجِ شہنشاہی کے لیۓ نئے اُمیدوار کا مسئلہ زیرِ غور آیا، تو لوگوں میں ایک اور اختلاف پیدا ہوگیا۔ کچھ لوگ برنزوک کے اوٹو کے حامی بن گۓ، جس کا تعلق

خاندانِ ویلف[1] سے تھا - دوسرے نو عمر فریڈرک شاہِ سسلی کے طرفدار تھے - وہ خاندانِ ویبلنجن[2] سے تھا - اب پہلی مرتبہ سیاسیاتِ اطالیہ میں گویلف[3] اور جبالِن[4] کے نام سُنے جانے لگے، جو پُورے خاندانوں کے لیے، موت اور تباہی کا پیش خیمہ بن گئے - آگے چل کر گویلف کے حامیوں کا فریق پوپ کا حامی سمجھا گیا اور جبالِن شہنشاہ کے حلیف شمار ہوئے - دراصل نام نئے تھے، لیکن اس کے پس پردہ وہی پرانے جھگڑے تھے، وہی رقابتیں اور وہی گروہ بندیاں کارفرما تھیں -

۱۲۲۰ء میں پوپ ہنوریئس[5] سوم نے شاہِ سسلی کو فریڈرک دوم کے لقب سے شہنشاہی کا تاج پہنایا - فریڈرک نے تاجپوشی کے بعد پہلا کام یہ کیا کہ نیپلز میں ایک یونیورسٹی کی بنیاد رکھی - وہ آزاد منش اور روشن خیال تھا - خود بھی شاعر تھا اور فنونِ لطیفہ سے اسے بڑی محبت تھی - مختلف اعتبارات سے وہ ایسا آدمی تھا، جو اپنے زمانے سے بہت آگے تھا - اگرچہ پیدائش کے لحاظ سے وہ اطالوی تھا، لیکن اس کے دربار میں نیم مشرقی شان و شوکت نمایاں تھی اور اس پر اسلامی ثقافت کا گہرا اثر تھا، مگر اس نے بھی ۱۲۱۵ء میں جرمنی پہنچ کر صلیبی مہم کی تیاری کی اور پوپ نے اصرار کیا کہ یروشلم کو آزاد کرانے کا جو حلف

---

[1] Welf [2] Waiblingen [3] Guelph یہ ویلف کا اطالوی تلفظ ہے -
[4] Ghibelline یہ ویبلنجن کا اطالوی تلفظ ہے - [5] Honorius

اُس نے اُٹھایا تھا، اسے پورا کرے - فریڈرک جانا نہیں چاہتا تھا، چنانچہ اپنی روانگی بار بار ملتوی کرتا رہا، یہاں تک کہ پوپ نے اسے کلیسائی حقوق سے محروم کر دیا۔

فریڈرک کی صلیبی مہم ان ظالمانہ اور بیدردانہ خونریزیوں سے مختلف تھی، جو پہلے خدا کے نام پر کی جا چکی تھیں، البتہ اس کے ساتھیوں نے متعصّبانہ کارروائیاں کیں - صلیبی مہموں میں شریک ہونے والے سب لوگ ایسے نہ تھے، جن کے دلوں نے روحانی تصوّر سے بیداری حاصل کی تھی - بہت سے لوگ لوٹ مار کے لیے شریک ہوگئے تھے - وہ بہشت میں خدا کی رحمت کے حقدار بننے کے بجائے اسی دُنیا کے اندر سب کچھ لے لینا چاہتے تھے - فریڈرک کی فوج میں بھی ایسے لوگ ضرور تھے، مگر قیادت کی حیثیت مختلف تھی -

فریڈرک نے یروشلم میں مسلمانوں سے لڑنے کے بجائے سلطان سے بات چیت کی - وہ طفلی میں مسلمان اساتذہ سے تعلیم حاصل کر چکا تھا - ایک حیرت انگیز واقعہ رُونما ہوا - معاہدہ کے مطابق یروشلم فریڈرک کے حوالے کر دیا گیا[1]۔ یروشلم کی بادشاہی کا تاج پہن کر وہ اٹلی

---

[1] فریڈرک اسلامی لباس پہنتا تھا، اس نے صلاح الدین کے بھتیجے ملک الکامل بن ملک العادل سیف الدین سے گفتگو کی اور یورپ کے ساتھ تجارتی فوائد کا نقشہ پیش کر کے ۱۲۲۹ء میں ایک معاہدہ کر لیا جس کے مطابق یروشلم فریڈرک کو دے دیا گیا - ساتھ ہی اسے عکہ سے ملا دیا گیا - فریڈرک نے اقرار کر لیا کہ وہ تمام دشمنوں کے خلاف ملک الکامل کی حمایت کرے گا - یوں ۱۲۴۴ء تک یروشلم فرنگیوں کے حوالے رہا - پھر ملک الصالح نجم الدّین ایوب کے حکم سے خوارزمی ترکوں نے اسے فرنگیوں سے دوبارہ چھین لیا -

واپس آیا۔ یہاں پوپ نے اسے لعنت ملامت کا ہدف بنالیا۔ پوپ کہتا تھا کہ بے شک فریڈرک نے یروشلم لے لیا، لیکن مزارِ مقدس بدستور مسلمانوں کے قبضے میں رہا۔ یہ اعتراض بھی کیا گیا کہ اس نے یروشلم معاہدے کی بنا پر حاصل کیا، لڑکر فتح حاصل نہ کی۔

یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ فریڈرک میدانِ جنگ میں درجۂ امتیاز حاصل کرنے سے کبھی محروم رہا، اس نے بہت سی فتوحات حاصل کیں لیکن اس کے نوجوان سر پر چونکہ سسلی اور یروشلم اور سلطنت کے تاج جمع ہوگئے تھے، اس لیۓ بہت سے لوگ اس کے دشمن بن گئے۔ زندگی بھر پوپوں سے اس کی کشمکش جاری رہی۔ پوپ سمجھتے تھے کہ ان کا روحانی اقتدار خطرے میں پڑگیا ہے۔ اسی طرح پنچایتوں سے بھی فریڈرک کی کشمکش رہی اور پنچایتوں نے فریڈرک کے دادا باربروسا کے سلوک کو کبھی فراموش نہ کیا۔

۱۲۵۰ء میں فریڈرک نے وفات پائی۔ اِس وقت وہ سخت غمزدہ پریشاں حال اور بے یار و مددگار تھا۔ وہ سمجھتا تھا کہ اس کے دوست اور وزیر پیئر دَیلی وِگنی[1] نے غدّاری سے اسے دشمنوں کے حوالے کر دیا۔ چنانچہ اس نے پیئر کو بینائی سے محروم کردیا۔ پھر خود اس کا وقار بھی زائل ہوگیا، کیونکہ اپنے ہی کیمپ میں اس نے شکست کھائی،[2]

---

[1] Pier delle Vigne.

[2] واقعہ یہ ہے کہ شمالی اٹلی میں شہنشاہ کے خلاف لڑائیاں شروع ہو گئی تھیں، انھیں لڑائیوں میں پیئر دیلی وگنی کے خلاف فریڈرک کو بے اعتمادی پیدا ہوئی۔ لڑائیوں میں اس نے فتح پائی، تاہم اس کی تذلیل کا واقعہ یقیناً درست ہے۔

مگر یہی اصرار کرتا رہا کہ مجھے فتح حاصل ہوئی ہے۔ ایک کبڑے بھکاری کے سر پر شاہی تاج رکھ کر تاج کی تذلیل کی گئی اور بھکاری کا جلوس بازاروں میں پھرایا گیا۔

وفات کے بعد اس کی نعش سُرخ سنگِ سماق کے تابوت میں رکھ کر پلرمو کے گرجے میں دفن کی گئی، لیکن اس سے پیشتر وہ ازمنۂ وسطیٰ کی تاریک فضا میں روشنی کی ایک کرن بکھیر چکا تھا۔ اس کے درباری شاعروں، اس کے بیٹے اینزو[1] اور خود اس نے زندگی کی خوبیوں کے گیت نظموں میں گائے اور ان کے لیے ایک نئی اور خوش آہنگ زبان استعمال کی۔ پیئر دَیلی وِگنی نے سانیٹ[2] ایجاد کیا تو اس کے لیے سرکاری لاطینی کے بجائے یہی زبان استعمال کی۔ کچھ مدت بعد دانتے کو یہی زبان اپنے اشعار کے لیے پسند آئی۔

---

[2] Sonnet   [1] Enzo

دورِ احیائے علوم

ازمنۂ وسطیٰ کا ایک مسکین راہب تھا، جس نے نئے روحانی جنم کا دروازہ کھولا اور یہ جنم احیاءِ علوم کہلایا۔ مطلب یہ نہیں کہ اسے زندگی میں اس امر کا علم ہوگیا تھا یا اگر اُسے علم ہوتا تو وہ خود اس اعزاز کا حامل بن جاتا، کیونکہ حضرت مسیحؑ کے بعد اس کے سوا کوئی ایسا بے نفس اور بے لوث شخص پیدا نہیں ہوا اور پُرتاثیر عجز و انکسار سے اُس نے پوری زندگی مسیحؑ ہی کے نمونے پر ڈھال لی تھی۔

وہ امبریا کے ایک چھوٹے سے قصبے اسیسی[1] میں پیدا ہوا (۱۱۸۱ء)، جس کے ارد گرد فصیل بنی ہوئی تھی۔ اس کا نام فرانسسکو[2] (یعنی فرانسس) رکھا گیا۔ کیونکہ اس کے باپ پیٹرو برنادون[3] نے جو ایک دولتمند تاجرِ پارچہ تھا، زندگی کے بیشتر سال فرانس میں بسر کیے تھے اور ایک فرانسیسی عورت سے شادی کرلی تھی۔ فرانسس کی طفلی کے بارے میں معلومات بہت کم ہیں۔ اس نے شاید ہی کسی سکول میں باقاعدہ تعلیم پائی ہو۔ اس کی تعلیم و تربیت زیادہ تر گردوپیش کی زندگی پر موقوف تھی۔ اسیسی میں پہاڑی کے چوٹی پہ ایک مستحکم قلعہ تھا،

---

[1] Assisi [2] Francesco [3] Pietro Bernardone

جہاں سے اکثر مسلح سپاہی نکلتے، کیونکہ جھگڑالو ہمسایہ پیروجیا سے کشمکش رہتی تھی - پھر بازاروں میں ہمیشہ افراد خونریز لڑائیاں کرتے - بیرونی دنیا سے برابر خبریں ملتی رہتیں، جہاں مسیحیوں اور مسلمانوں کے درمیان مسلسل لڑائیاں جاری رہتیں -

اس دُبلے پتلے اور سجیلے جوان کی تربیت کیتھولک کی حیثیت میں ہوئی تھی - اس نے مذہب کا یہ تاریک پہلو قطعاً قبول نہ کیا کہ اگر انسان نیک بننا چاہے تو اسے ہر اُس عمل کو گناہ سمجھنا چاہئے جس سے راحت حاصل ہو - وہ خوش طبعی، گانے بجانے اور شادماں رہنے کو زیادہ پسند کرتا تھا - اسی سے اس کے ماں باپ خوش ہوتے تھے، لیکن وہ اپنا روپیہ دوستوں کی مدد اور گداگروں کی اعانت میں بے دریغ صرف کرتا - اس کا یہ طریقہ ماں باپ کو سخت ناپسند تھا - اُس دورِ مصائب میں محتاج و مساکین بہت زیادہ تھے -

اگرچہ فرانسس الیسی کے نوجوانوں کا سرخیل سمجھا جاتا تھا، مگر اس کی آرزو یہ تھی کہ اعلیٰ درجے کے جنگی کارناموں میں امتیاز حاصل کرے، چنانچہ الیسی اور پروجیا میں آئے دن جو لڑائیاں ہوتی رہتی تھیں، ان میں فرانسس کو بھی شرکت کا موقع مل گیا - لیکن وہ دشمن کے ہاتھ قید ہوگیا - اسے کچھ وقت قید میں گزارنا پڑا - اِس طرح اپنی گزاری ہوئی زندگی پر غور و فکر کی خاصی مہلت مل گئی - اکیس برس کی عمر میں وہ بیمار پڑگیا - صحت یابی کے بعد اس نے پھر سپاہی بننے کی کوشش کی - لیکن بیمار ہونے کے باعث اسے گھر بھیج دیا گیا - کیا یہ کوئی آسمانی نشان تھا؟ نشان ہو

یا نہ ہو ، لیکن یہی واقعہ اس کی زندگی میں ایک اہم موڑ کی حیثیت رکھتا تھا - ایک جشن منایا گیا ، جس میں فرانسس کے دوستوں نے اسے رنگ رلیاں منانے والوں کا رئیس تسلیم کرلیا اور نشان کے طور پر ایک تاج پہنا دیا - یکایک انھیں محسوس ہوا کہ فرانسس مجمع میں موجود نہیں - تلاش شروع کی تو دیکھا کہ ایک جگہ اس پر محویت کی ایسی کیفیت طاری تھی کہ نہ اس نے دوستوں کو دیکھا اور نہ ان کی باتیں سُنیں - یہ کیونکر ممکن تھا کہ جب وہ ایک اور منظر دیکھ رہا تھا اور ایک اور آواز سُن رہا تھا ، انھیں دیکھتا اور ان کی باتیں سُنتا ؟

اُس وقت سے فرانسس کی زندگی کاملاً بدل گئی - خوش باش دوست اور رفیق ایک ایک کرکے الگ ہوگئے ، لیکن وہ تنہا نہ تھا - الیسیی کے تمام غربا ، و مساکین اور شفاخانوں کے تمام بیمار اس کے دوست تھے - ایک روز وہ گھوڑے پر سوار ہوکر باہر جارہا تھا کہ ایک جذامی سے ملاقات ہوئی - جذامی لکڑی کا پیالہ بجا بجاکر لوگوں کو اپنی خوفناک بیماری سے آگاہ کر رہا تھا - ساتھ ہی اپنی دردناک حالت بتاکر بھیک مانگ رہا تھا - اسے دیکھتے ہی فرانسس کا دل دہل گیا اور وہ پیچھے ہٹ گیا ، لیکن پھر پلٹا - گھوڑے سے اُترا اور جذامی کو جس جس چیز کی ضرورت تھی ، اس کا انتظام کر دیا - ساتھ ہی اسے محسوس ہوا کہ خیرات کا اتنا انتظام کافی نہیں ، چنانچہ وہ جذامی سے بغلگیر ہوا ، اُس کا بوسہ لیا ، گویا اُس کا بھائی ہے - اُس وقت فرانسس کو احساس ہوا کہ اس کا اصلی کام کیا ہے - چنانچہ وہ ، جو ایک

دولتمند تاجر کا بیٹا تھا ، دُنیا کے تمام ٹھکرائے ہوئے لوگوں ، تمام بیماروں ، تمام دکھیوں اور روئے ارض کی ساری مخلوقات کا بھائی بن گیا ، کیونکہ یہ سب خدا کی مخلوق تھے ۔

برنارڈون کو اپنے بیٹے کے دل کی کیفیت معلوم نہ تھی ۔ وہ صرف اتنا دیکھتا تھا کہ نوجوان فرزند کی فیاضی روپے پیسے کے صندوق خالی کر رہی ہے ۔ چنانچہ وہ اسقف ایسیسی کے پاس پہنچا کہ اپنے بیٹے کو محروم الارث قرار دے کر فضول خرچی روک دے ۔ مگر فرانسس نے اس بارے میں کوئی قانونی دستاویز تیار ہونے کا انتظار نہ کیا ۔ باپ نے طعنہ دیا تھا کہ تمہارے جسم پر جو کپڑے ہیں ، وہ بھی میرے روپے سے خریدے گئے ہیں ۔ فرانسس نے تمام کپڑے اُتار کر باپ کے قدموں پر ڈال دئے ۔ اسقف نے اسے ایک پُرانا لبادہ دے دیا اور فرانسس آسمانی باپ کا مشن پورا کرنے کے لئے زمینی باپ کے گھر سے باہر نکل گیا ۔ اس وقت سے اُس نے تمام ارضی املاک سے بے تعلقی اختیار کرلی ۔ املاک ہی کی خاطر لوگوں میں جھگڑے ہوتے تھے ، املاک ہی کی خاطر قومیں قوموں کے خلاف رزم آرا تھیں ۔ وہ جس حالت میں پیدا ہوا تھا ، اسی حالت میں نئی زندگی کے راستے پر لگ گیا ، صرف اسقف کے دئے ہوئے لبادے میں اس کے لئے تن پوشی کا انتظام ہوا تھا ۔

پاس ہی پہاڑی کی ڈھلان پر ایک چھوٹی سی دعاگاہ تھی جس کا نام سینٹ میری آف دی اینجلز[لہ] تھا ۔ وہاں اس کے کان

لہ St. Mary of the Angels

میں خدا کی آواز پہنچی اور اسے ہدایت کی گئی کہ دنیا میں خدا کا نام پہنچائے ، بیماروں کا علاج کرے ۔ غریبوں کے ساتھ مل کر کام کاج انجام دے اور تمام ضرورتوں کے لیئے صرف خیرات پر انحصار رکھے ۔ اس طرح فرانسسکن درویشوں کی وہ زبردست تحریک شروع ہوئی جس نے سنگدل اور مادہ پرست دنیا کو نئی روح بخشی اور جس کے اندر خدا کی نمائندگی کے مدعی بھی مجرموں میں شامل تھے ۔

پوپ انوسنٹ سوم کو اندازہ ہوگیا کہ نیک فرانسس اور اس کے پیرو کتنا اچھا کام کررہے ہیں ۔ چنانچہ اس نے تحریک پر منظوری کی مہر ثبت کردی ۔ صرف ایک شرط عاید کی کہ انھیں کلیسا کے نظم و ضبط میں مداخلت نہ کرنی چاہیئے ۔ مسکین فرانسس کے لیے، حضرت مسیحؑ کی تعلیمات کے مطابق زندگی بسر کرنے اور عجز و انکسار سے کلیسا کا فرمانبردار رہنے میں کوئی مشکل پیش نہ آئی ۔

پوپ انوسنٹ سوم سے مسلمانوں کے سلطان تک — جس سے فرانسس ایک صلیبی مہم کے دوران میں ملا — جس سے بھی فرانسس نے جو بات کہی ، اُس نے سُنی ۔ کھیتوں میں کام کرنے والے تمام لوگ اس سے روحانی استفادہ کرتے تھے ۔ وہ ان سب کو بہنیں اور بھائی کہتا ۔ اس نے جو کچھ کہا ، اُس کا بیشتر حصہ رفیقوں نے ایک چھوٹی سی کتاب میں مرتب کرلیا ۔ جس کا نام تھا " سینٹ فرانسس کی کلیاں[لے] " ۔ ان میں اُس کہانی سے بڑھ کر سادگی و معصومیت میں

لے The Little flowers of St. Francis.

کوئی دلآویز نہیں، جس میں فرانسس نے پرندوں کو وعظ سُنایا۔ فرانسس مسلمانوں کو مسیحؑ کا پیغام سُنا کر واپس آرہا تھا کہ پرندوں کا ایک جُھنڈ ملا، جو خوشی سے گا اور چہچہا رہے تھے۔ یہ دیکھتے ہی اس کا شاعرانہ دل مسحور ہوگیا۔ ساتھ ہی خیال آیا کہ یہ پیارے پرندے خدا سے آگاہ نہیں۔ ان کی بھی روحیں ہیں۔ جنھیں بچانے کے لیۓ انھیں سچّے مذہب پر لانا ضروری ہے، لہٰذا ایک قدوسی سادگی سے پرندوں کو ایک وعظ سنایا۔ اسی طرح خدا کے گنُ گانے والا یہ درویش شادمانی سے اپنا مقدّس کام انجام دیتا رہا۔

اس کی ایک نظم مشہور ہے، جو پہلے پہل ایک اطالوی مجمع الاشعار میں محفوظ ہوئی تھی۔ یہ خدا کی مخلوقات ــ بھائی سورج اور بہن چاند، بھائی ہوا اور بہن پانی ــ کی مدح میں ہے، جو اس درجہ معاون، منکسر، بیش بہا اور پاک ہے۔ بھائی آگ کے لیۓ اس نے بہترین شعر لکھے:

"اے خدا! تیری حمد ہو، کیونکہ تونے بھائی آگ کی تخلیق کی،
جس کے ذریعے تو اندھیروں میں اُجالا کرتا ہے۔
وہ بہت خوبصورت ہے، شادمان ہے، قوی ہے، زبردست ہے۔"

یہ واقعہ بڑا دلدوز ہے کہ وفات سے کچھ مدّت پیشتر فرانسس کی ایک آنکھ داغنی پڑی تاکہ دوسری کی بینائی محفوظ ہو جاۓ۔

جب اس نے لوہے کی سلاخ دہکتی ہوئی دیکھی تو اسے بھائی آگ کے متعلق اپنے شعر یاد آگئے۔ اس نے سلاخ سے مخاطب ہوکر کہا: میں نے تجھ سے ہمیشہ محبّت کی بھائی آگ! میں ہمیشہ تیرے ساتھ حسن ادب سے پیش آتا رہا۔ اب تو بھی میرے ساتھ نرمی سے پیش آنا"۔ یقیناً آگ نے اس حلیم ترین انسان اور اس محبوب ترین بزرگ کا کہنا مان لیا۔

۳ر اکتوبر ۱۲۲۶ء کو فرانسس نے سان میری کی دعا گاہ میں وفات پائی۔ آگے چل کر اس دعا گاہ کو ایک بیش قیمت ہیرے کی طرح اسیسی کے موجودہ گرجے میں محفوظ کردیا گیا۔ ۱۲۲۸ء میں پوپ گرگوری نہم نے اسے باقاعدہ مسیحی بزرگوں میں شامل کرلیا۔ لیکن اس سے پیشتر خدا کے اس مسکین حمد گو نے دکھادیا کہ دنیا میں بزرگ کسے کہتے ہیں۔

فرانسس کی زندگی ہی میں اس کی تعلیمات معلوم دنیا کے اندر پھیل گئیں۔ لیکن جس بزرگ نے ایک مستعار لبادے میں خدمتِ خلق کی ابتدا کی تھی، اس امر سے بے حد خوفزدہ تھا کہ اس کا نظام، دولت فراہم کرے اور اس کے نام پر اعلیٰ درجے کی خانقاہیں قائم کی جائیں۔ وہ دنیا کی کوئی چیز اپنی ملکیت میں نہیں رکھنا چاہتا تھا۔ اپنے ساتھیوں سے کہتا! "بھائیو! اگر ہم نے مختلف چیزیں قبضے میں لے لیں تو کیا انھیں اپنائے رکھنے کے لیے ہمیں قانون کی ضرورت نہ ہوگی؟ کیا ان کی حفاظت کے لیے ہمیں ہتھیار درکار نہ ہوں گے، دیکھئے اُس حریص دور کے لیے یہ کتنی ناشنیدہ دلیلیں تھیں! سب سے بڑھ کر غیرمعمولی چیز

اس کی ہمہ گیر محبت تھی۔ یہ احساس کہ دنیا میں جو کچھ پیدا ہوا، اس سے انسان کا رشتۂ اخوت اپنے عملی نمونے کے ذریعہ سے اور آسمان پر سورج کی طرح چھوٹی سے چھوٹی روئیدگی میں بھی حُسن و دلآویزی دیکھ کر اس نے عجائباتِ قدرت کے لیے انسانوں کی آنکھیں کھول دیں۔ اس کی عبادت کلیسا کے نم آلود پتھروں پر گھٹنے ٹیک دینے ہی تک محدود نہ تھی، بلکہ وہ خدا کی ساری مخلوق سے محبت کرتا تھا، اس کی ستائش کے گُن گاتا تھا، کیونکہ مخلوق ہی کے ذریعے سے خدا نے اپنے جمالِ قدرت کی نمائش کی تھی۔

سینٹ فرانسس کو احیاءِ علوم کے علمداروں میں شمار کرنے کے وجوہ یہی تھے جو پیش کردئے گئے۔ اٹلی ہی سے احیاءِ علوم کا آغاز ہُوا، پھر یہ پورے یورپ میں پھیلا۔ ازمنۂ وسطیٰ کی طرح یہ بھی ممکن نہیں کہ کسی دور کے آغاز و انجام کی تاریخیں متعیّن کردی جائیں۔ اگر ہم محض تاریخوں پر نظر رکھیں تو فریڈرک دوم کی طرح سینٹ فرانسس کا تعلق بھی ازمنۂ وسطیٰ سے ہے۔ اِس کی روح اور زندگی کے متعلق اس کا نقطۂ نگاہ اس ماحول سے صدیوں آگے تھا۔ اصل بات یہ ہے کہ وہ روایات توڑنے میں کامیاب ہوا۔ اس نے سکھایا کہ دنیا کوئی تاریک اور مکروہ قیدخانہ نہیں جہاں انسان حد درجہ تکلیفیں اور مشقتیں برداشت کرتا ہے تاکہ بہشت میں داخلے کے قابل بن جائے، بلکہ یہ ایسا مقام ہے، جسے خدا نے زیب و زینت بخشی، خوبصورت بنایا تاکہ انسان شادمانی

کی زندگی بسر کرسکے - مسیح کی تعلیمات کے مطابق انسانوں سے پیار کرے اور حمد کے گیت گاتا ہوا اپنے واجبات انجام دے -

نیو یارک میں فرک[1] نے جو مجموعہ مہیا کیا تھا ، اس میں ایک تصویر ہے - اس تصویر میں مصوّر نے یہ بتانے کی کوشش کی ہے کہ سینٹ فرانسس نے کس طرح زندگی بسر کی اور کیا تعلیم دی - یہ تصویر دورِ احیاءِ علوم کے مصوّر جیووانی بیلینی[2] ساکن وینس نے بنائی تھی - اس کا عنوان ہے "سینٹ فرانسس حالتِ وجد میں"- ناقدانِ فن اس تصویر کے پس منظر کو بہترین خوبصورت پس منظروں میں شمار کرتے ہیں - سینٹ فرانسس کھڑا ہے ، چہرہ اور آنکھیں اوپر اُٹھی ہوئی ہیں ، ہاتھ پھیلے ہوئے ہیں ، گویا وہ اپنے آپ کو فطرت کے حوالے کر رہا ہے - پیچھے اس کے سنگین گرجے کا دروازہ ہے ، جس کے چھتے پر انگور کی بیل سایہ افگن ہے - بیل کے نیچے ایک اَن گھڑ سی میز پڑی ہے - اس پر تمام بزرگوں کے غور و فکر کا سامان رکھا ہے ، یعنی کتاب مقدّس کا ایک نسخہ اور ایک کھوپڑی- پس منظر اتنا تازہ ، روشن اور اس درجہ پُرسکوت ہے کہ اس میں جو چھوٹا سا گدھا ہے ، وہ بھی مقدّس سکوت سے خوفزدہ معلوم ہوتا ہے- سینٹ فرانسس کی پُشت کتاب اور کھوپڑی کی طرف ہے - اس کی حالتِ وجد کا مطلب یہ نہیں کہ وہ موت پر غور و فکر میں معروف ہے ، بلکہ وہ روح اور جسم کے ساتھ تخلیق کے حُسن اور عجائب کاری

---

[2] Giovanni Bellini   [1] Frick Collection

کی پرستش کر رہا ہے۔ بیلینی کے دل میں ایک ایسا جذبہ پیدا ہوا جس نے فطرت کے لیے احساس کا تقریباً یگانہ پس منظر تیار کر دیا۔

سینٹ فرانسس کے لطف و محبت کا یہ عالم تھا کہ اس نے پست درجے کی مخلوق کو بھی تشخص سے بہرہ مند کر دیا۔ جس حد تک انسانوں کا تعلق ہے، اس نے ایک بے جان خاکستری انبار کو انفرادیت کی زندگی، کیفیت اور وقعت دے دی۔ اپنی ہمت کے اس نئے احساس سے لوگوں میں عظیم تر کارنامے انجام دینے کی اُمنگ پیدا ہوئی۔

احیاءِ علوم کے ایک اور معنی بھی ہیں۔ روحانی احیاء کے علاوہ اس میں علم کا احیاء بھی شامل ہے۔ مطلب یہ نہیں کہ ازمنۂ وسطیٰ میں علم کی دنیاؤں کا انکشاف کرنے والے عظیم القدر افراد موجود نہ تھے، لیکن ایسے اہلِ علم عموماً مذہبی گروہ سے متعلق تھے، جن کی نوشت و خواند اور استدلال صرف مذہبی عقائد کے اندر محدود تھے۔ جو فکر و رائے کیتھولکوں کے عقائد سے ذرا منحرف ہوتی، اسے مردود سمجھا جاتا اور اکثر تعزیر تک نوبت پہنچتی۔ مسیحیت کے ظہور کے بعد صدیوں تک بڑے بڑے غیر مسیحی شاعر، نامہ نگار اور فلسفی گمنامی میں دفن رہے اور تقریباً فراموش کر دیے گئے۔ احیاءِ علوم کے ساتھ وہ بھی دوبارہ زندہ ہو گئے۔

ایک کہانی بیان کی جاتی ہے، جو ممکن ہے، احیاءِ علوم کے اس پہلو کے متعلق محض ایک تمثیل ہو۔ چند اطالوی مزدور کھدائی کر رہے تھے انھیں پتھر کا ایک بڑا صندوق ملا، جسے تابوت کہتے ہیں۔ اس کے

کے اطراف اور سرپوش پر تصویریں کندہ تھیں ۔ مزدوروں نے اس دریافت کا معاملہ ذمہ دار افراد تک پہنچایا اور تابوت کھولا گیا ۔ اندر سے ایک نوجوان لڑکی کی حنوط کردہ نعش ملی ، جو اتنی تازہ معلوم ہوتی تھی گویا وہ سو رہی ہے ۔ مزدور اس حسین و جمیل وجود سے اتنے متاثر ہوئے کہ گھٹنوں کے بل گر پڑے ۔ انھیں یقین ہوگیا کہ یہ کوئی بزرگ ہستی ہے ۔ جب اہلِ علم نے سرپوش کی عبارت پڑھی تو معلوم ہوا لڑکی کا نام جولیا تھا اور اس کا باپ ایک کافر رومی تھا ، جسے اونچے درجے کے لوگوں یا امراء میں سمجھنا چاہیئے ۔۔ لوگوں نے اس دریافت کو ایک نشان سمجھا ۔ کفر کی ثقافت ، تہذیب و تمدن اور حسن وجمال کی دوشیزہ صدیوں سے دفن تھی ۔ وہ لوگ اسے روشنی میں لارہے تھے ۔

یوں ادبِ قدیم کے گم شدہ گنجینوں کی تلاش سرگرمی سے شروع ہوگئی ۔ اہلِ علم نے یونانی اور عبرانی سیکھ لی ۔ دولتمندوں نے مہمیں مشرق کی طرف بھیجیں تاکہ ادبیات کے مدفون خزانے لے آئیں ۔ یقیناً بعض صورتوں میں یہ خزانے واقعی مدفون تھے ۔ مثلاً پوجیو بریسیولینی[1] پوپ کا سیکرٹری تھا ، جو کلیسائی معاملات کے متعلق ایک مجلس میں شرکت کے لیئے کانسٹنس گیا ۔ اسے سسرو کے خطبات[2] ایک خانقاہ کے اس مقام سے ملے ، جس میں کوڑا کرکٹ پھینکا جاتا تھا ۔ اس کی خوش نصیبی یہیں ختم نہ ہوئی ، بلکہ ان تھک کوششوں سے اس نے پلینی[3] ، پلاٹس[4] ، لوکریشس[5] اور دوسرے لاطینی مصنفین

1ـ Poggio Bracciolini — 2ـ Cicero's Oratious
3ـ Pliny — 4ـ Plantus — 5ـ Lucretius

کی تصانیف بھی دریافت کرلیں۔ برسیولینی کی طرح بہت سے دوسرے لوگوں نے بھی نئے علوم کے لئے زندگیاں وقف کردیں۔ مثلاً لیونارڈو برونی[۱] فرانسسکو فائیللفو[۲]، مارسیلیو فیسینو[۳] اور غیرمعمولی مرنڈولا[۴]، جو تمام انسانی علوم کا گنجینہ سمجھا جاتا تھا۔

مگر ہمیں ایک اور علمدار اور نہایت اہم شخصیت کو فراموش نہ کرنا چاہیئے۔ یہ چودھویں صدی کا شاعر پیٹرارچ[۵] تھا، جس نے اطالوی ادب میں بعض نہایت نفیس عشقیہ غزلیں لکھیں، ان کی مثال نہیں ملتی۔ وہی تھا، جس نے اپنی لاطینی تصانیف کے ذریعے سے کلاسیکی ادب کے مطالعے اور قدر شناسی کی بنیاد رکھی۔ اگرچہ پیٹرارچ کا تعلق ازمنۂ وسطیٰ ہی سے تھا، تاہم انسانی لائق اور میراث ماضی کے متعلق اس کا نقطۂ نگاہ بہت وسیع تھا۔ دور احیاء علوم کے اہلِ علم نے کلاسیکی مصنفوں سے جس ہمہ گیر دلچسپی کا اظہار کیا، وہ ہیومنزم[۶] کے نام سے مشہور ہے۔ اٹلی پر اس سے اچھے برے دونوں اثر پڑے۔ اس کے ذریعے سے علم کا دائرہ وسیع ہوا۔ تین نہایت اہم اکاڈمیوں نے اشاعتِ علم میں مدد دی۔ ساتھ ہی لاطینی پر اس شدت سے زور دیا گیا کہ جس اطالوی ادب کی ابتداء خوشگوار طریقے پر ہوئی تھی، اس کا نشو و ارتقا رک گیا۔

جس طرح ادب میں اہم دلچسپی پیدا ہوئی، اسی طرح مصوری میں

---

۱ Leonardo Bruni
۲ Fil
۳ Marsilio Ficino
۴ Mirandola
۵ Petrarch
۶ Humanism

بھی خاصی سرگرمی دکھائی گئی۔ دورِ احیاء علوم کے لوگ اپنے قلوب کو علم کی دولت سے مالا مال کرلینے کے بعد چاہتے تھے کہ گرد و پیش کو بھی خوبصورت بنادیں تاکہ ازمنۂ وسطیٰ کی بے کیفی ہمیشہ کے لیے ختم ہوجائے علاوہ بریں سینٹ فرانسس کے وقت سے عمرانی ڈھانچے میں اہم تغیرات رونما ہوچکے تھے۔ جاگیرداری کا نظام تدریجاً ٹوٹنے لگا تھا۔ ساتھ ہی پنچایتوں کی جگہ امارتیں لے رہی تھیں۔ ایک لحاظ سے یہ اس حقیقت کا اعتراف تھا کہ پنچایتیں مختلف نمائندوں کے ماتحت ٹھیک کام نہیں کررہی تھیں۔ اب انھوں نے ایک فرد کی حکومت قبول کرلی۔

حکمراں عموماً وہ شخص ہوتا جو تمام اختیارات خود سنبھال لیتا۔ دوسرے لفظوں میں وہ قوت کے بل پر برسرِ اقتدار آتا، اس لیے حاکم یا امیر کو نمایاں ثبوت دینا پڑتا کہ وہ نمائندوں یا اس نظام سے زیادہ قابلیت و صلاحیت کا حامل ہے، جس کی جگہ اس نے لی تھی۔ پھر وہ اپنے بچاؤ کے انتظام پر بھی مجبور تھا، لہٰذا وہ زبردست پولیس منظم کرلیتا۔ لوگوں پر یہ اثر ڈالتا کہ سب کچھ ان کی حفاظت کے لیے کیا جارہا ہے۔ اس حکومت کے جواز کے لیے وہ وسیع اصلاحات بروئے کار لاتا۔ امورِ عامہ کی درستی اور بہتری کا خاص خیال رکھتا۔ اس کی کوشش بہرحال یہ ہوتی کہ لوگوں میں خوش حالی اور تحفظ کا احساس پیدا ہوجائے۔ کاروبارِ حکومت میں امداد کی غرض سے وہ مختلف محکموں کے ناظموں یا سیکرٹریوں کی ایک مجلس بنالیتا۔ یہ سب لوگ اس کے زیرِ اثر ہوتے۔ اگرچہ وہ اختیارات خود غصب کرلیتا، لیکن حکمرانی شروع کرنے سے پہلے اس کے لیے ضروری ہوتا کہ بڑے چوک میں عوام کے نمائندوں کی جو مجلس منعقد ہو، وہ کھلم کھلا اس

کی حمایت کرے۔ آخر میں یہ عہدہ موروثی بنتا گیا۔

نئے نظام کے ماتحت، جو بد فطرت ایسی لینو دا رومانو[1] کے تحت تیرھویں صدی میں کار فرما تھا، زبردست خاندان بروئے کار آگئے۔ مثلاً لمبارڈی میں سفورزا[2] اور وسکونتی[3] کے خاندان، وینس میں سکیلی جری[4] کا خاندان، جس کا نشان زینہ تھا، اور پاڈوا میں کیرارسی[5] کا خاندان۔ لکا[6] اور پسا میں کیسٹروسیو کیسٹرا کانی[7] کا خاندان بھی تھا۔ ایسے اور بھی بہت سے خاندان تھے، جن کے نام اٹلی کی تاریخ کے صفحات پر باقی رہ گئے۔ جیسے کولاڈی ریئنزو[8] کا خاندان، جس نے چودھویں صدی میں محض حکومت ہی نہیں بلکہ ایک سلطنت قائم کرنے کی کوشش کی، تاہم جس خاندان نے دورِ احیاء علوم پر اثر انداز ہونے میں سب سے بڑھ کر شہرت حاصل کی، وہ فلارنس کا میڈیچی[9] خاندان تھا، خصوصاً لورینزو[10]، جسے عالیشان[11] کہتے ہیں۔ لورینزو یونانی کا فاضل تھا، ساتھ ہی ایک فلسفی اور شاعر بھی تھا، جس کی نظموں کے تقریباً چھ مجموعے موجود ہیں۔ اس نے علوم و فنون کی سرپرستی بھی کی۔ مخطوطات، مجسمے اور ہر قسم کی خوبصورت چیزیں بھی جمع کیں۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ اس نے وقت کے تخلیقی رجحانات کی حوصلہ افزائی کی۔

---

1. Eccelino da Romano
2. Sforza
3. Visconti
4. Scaligeri
5. Carraresi
6. Lucca
7. Castruccio Castracani
8. Coladi Rienzo
9. Medici
10. Lorenzo
11. Magnificienj

تاریخی سہولت کے نقطۂ نگاہ سے ازمنۂ وسطیٰ کا اختتام بعض اوقات ۱۴۵۳ء میں بتایا جاتا ہے - اسی سال ترکوں نے قسطنطنیہ فتح کیا سقوطِ قسطنطنیہ کے بعد مشرقی رومی سلطنت خاک میں مل گئی - مغربی رومی سلطنت کے لیے گنتی کے دن باقی رہ گئے - کلیسائی سیاسی قوت گھٹی تو لوگوں نے مذہب کے معینہ حدود سے باہر غور و فکر شروع کیا - مزید برآں کاغذ اور مطابع کی ایجاد سے علم کی اشاعت خانقاہوں اور اہلِ ثروت سے باہر بھی شروع ہوگئی - پہلے صرف خانقاہیں اور اہلِ ثروت ہی قلمی کتابیں خرید اور پڑھ سکتے تھے -

---

ساتواں باب

سیّاح اور مکتشفین

۱۲۹۵ء میں تین عجیب و غریب آدمی وینس پہنچے اور خاندان پولو کی عمارت کا رُخ کیا۔ انھوں نے موٹے جھوٹے کپڑے پہن رکھے تھے۔ سفر نے انھیں تھکا دیا تھا اور گرم و سرد زمانہ سے گزرے ہوئے آئے تھے ان میں دو بہت بوڑھے تھے، تیسرے کی عمر چالیس کے قریب تھی۔ اجنبی وضع قطع کے باعث ایک گروہ ان کے ارد گرد جمع ہوگیا تھا۔ خصوصاً اس لیے کہ وہ کہہ رہے تھے ہم میفیو پولو[1]، نکولو پولو[2] اور (نکولا کا بیٹا) مارکو پولو[3] ہیں۔

یہ تین آدمی تقریباً ربع صدی پہلے وینس سے ختا[4] گئے تھے۔ اس وقت مارکو پولو کی عمر صرف پندرہ سال تھی۔ اس پوری مدت میں کسی کو ان کے متعلق کچھ معلوم نہ ہوا۔ ہر شخص کو یقین ہوگیا کہ وہ مر چکے ہیں۔ شکل و شباہت سے وہ وینس کے پولو معلوم نہیں ہوتے تھے۔ پچیس سال تک غیر ممالک میں رہنے کے

---

[1] Maffeo [2] Niccolo [3] Marco Polo

[4] Cathay یہ چین کا یورپی نام تھا جو ازمنۂ وسطیٰ میں رائج رہا اور شعروں میں اب بھی رائج ہے۔

باعث ان کے چہرے مہرے بہت بدل چکے تھے۔

جب رشتہ داروں نے انھیں پولو ماننے سے انکار کر دیا، تو معاملات پیچیدہ ہو گئے، اور عجیب امر یہ ہے کہ وہ بہ مشکل وینس کی زبان بول سکتے تھے۔ کہتے تھے کہ ہم نے اس پوری مدت میں چین کے اندر اپنی زبان کا ایک حرف بھی نہ سنا، لیکن رشتہ دار ان کے متعلق متشکی ہی رہے۔ وہ کہتے تھے کہ کاش ان کی پوشاک معزز ہوتی، انھوں نے تو ذلت خیز کپڑے پہن رکھے ہیں، تاہم کسی نہ کسی طرح خاندان والے اس امر پر راضی ہو گئے، کہ اجنبیوں کو اپنے ہاں ٹھہرالیں۔ پھر عزیزوں اور رشتہ داروں کو دعوتِ طعام دے کر بلائیں تاکہ ان لوگوں کی اصلیت کا فیصلہ ہو سکے۔

دعوت کے روز ایوان لوگوں سے بھرا ہوا تھا۔ تمام مہمان کھڑے تھے تاکہ تین اجنبی آدمی آئیں تو کھانے پر بیٹھیں۔ آخر اجنبی اندر کے ایک کمرے سے باہر آئے تو لوگ سراپا حیرت زدہ رہ گئے، جن لوگوں کے لباس پہلے پھٹے پرانے تھے اور وہ بھکاری معلوم ہوتے تھے، انھوں نے قرمزی ساٹن کے پرتکلف چغے پہن رکھے تھے۔ انھوں نے ہاتھ دھو لیے۔ مہمان میز پر بیٹھ گئے، تو ان تین آدمیوں نے اپنے چغے اتار دیے، اور اندر مخمل کا زیادہ شاندار لباس زیب بر کر رکھا تھا۔ پھر اسے بھی بدل کر مزید اعلیٰ درجے کا لباس پہن لیا، جس کی تراش خراش وینس کی سی تھی۔ ساٹن اور مخمل کے جو کپڑے انھوں نے اتارے تھے وہ نوکروں میں تقسیم کر دیے۔

جب کھانا کھایا جا چکا، نوکر چلے گئے، تو مارکوپولو اٹھا

اور پرانے کپڑے اُٹھا لایا۔ پھر تیز چھُری لے کر اس نے کپڑوں کی سنجافیں اور سیونیں کھول دیں اور میز یاقوت، الماس، نیلم، زمرد اور دوسرے بیش قیمت پتھروں سے بھر گئی۔ کمرہ اس طرح روشن ہوگیا، جیسے بے شمار قندیلیں جلا دی گئی ہوں۔ ساتھ ہی بتایا کہ یہ دولت ہمارے آقا خان[1] اعظم نے دی ہے۔

مہمان اور رشتہ دار حیرت و استعجاب کے باعث انگشت بدنداں رہ گئے۔ جب وہ بولنے کے قابل ہوئے تو مدت سے گمُ شدہ رشتہ داروں کا خوب خیر مقدم کیا۔ جوان مارکو پولو ایک خاص طریق پر سر ہلا رہا تھا اور بوڑھا میفیو پھر وینس کی زبان بولنے لگا تھا۔ سب پُکار اُٹھے کہ میفیو کے سوا ایسی حکیمانہ باتیں کون کرسکتا ہے؟ باقی رہا نکولو تو وہ بولے ہم نے کیسی غلطی کی کہ اس کے سفید بالوں میں سُرخ بال پہلے نہ دیکھ لیے۔

بہر حال پورے وینس نے سیاحوں کی واپسی پر جشن منایا میفیو ان سب سے سن رسیدہ تھا۔ اسے میجسٹریٹ بنادیا گیا۔ یہ بہت بڑا اعزاز تھا۔ نکولو اور اُس کا بیٹا مارکو بڑے دولتمند شہری سمجھے جانے لگے۔ سب مارکو سے ملنے آتے اور جو پُراسرار سرزمینیں وہ دیکھ چکا تھا، ان کی حکایات و روایات سُننے۔ وہ گھنٹوں اپنے آقا قبلائی خاں اور اس کے عجیب و غریب قنبلو[2] (موجودہ پیکنگ) کی شان و شوکت کے قصے سناتا۔ بتاتا:

---

[1] خان اعظم چنگیز خاں کی نسل کے ہر شہنشاہ کا خاص لقب تھا۔ [2] Cambalu

"شاہی محل ہر طرف سے ایک ایک میل ہے۔ ایوانوں اور کمروں کی دیواریں چاندی اور سونے میں غرق ہیں۔ ان پر بہادروں، حسین و جمیل عورتوں، پرندوں اور عجیب و غریب حیوانوں کی کہانیاں تصویروں کے ذریعے سے پیش کی گئی ہیں۔ سب سے بڑا ایوان اتنا لمبا اور چوڑا ہے کہ بیک وقت چھ ہزار آدمی اس میں کھانا کھا سکتے ہیں۔ محل کے بیرونی حصے کا رنگ کہیں شنجرفی ہے، کہیں ارغوانی اور کہیں سبز۔ دوسرے رنگ بھی ہیں اور محل اتنا آراستہ ہے کہ سورج کی طرح چمکتا ہے اور دُور سے نظر آتا ہے .... اس کے باغات میں ایک وسیع دریا بہتا ہے۔ وہاں ہر قسم کے خوب صورت پودے اور پھول موجود ہیں اور خان حسین چیزوں میں بہت خوش رہتا ہے۔ اگر وہ سُنتا ہے کہ کسی جگہ کوئی نادر پودا موجود ہے تو فوراً حکم دے دیتا ہے کہ اسے جڑ سے اکھاڑ کر مٹی بھی ساتھ لیتے آؤ۔

شہر قنبلو چوبیس مربع میل ہے۔ اس کے ارد گرد زبردست فصیل ہے، جس میں دس دروازے ہیں۔ ہر دروازے پر ایک عالیشان محل بنا ہوا ہے اور شہر کے چاروں کونوں پر چار قلعے ہیں .... بازار اتنے سیدھے ہیں کہ ہر دروازے سے دوسری طرف کا دروازہ صاف نظر آتا ہے۔ شہر کے وسط میں ایک بہت بڑا گھنٹا ہے۔

شام ہونے پر یہ گھنٹا تین مرتبہ بجتا ہے۔ اس کے بعد کوئی شخص بازار میں نہیں نکل سکتا۔ البتہ کوئی خاص ضرورت پیش آجائے تو دوسری بات ہے۔ مثلاً عورت بچہ جننے والی ہو۔

"خانِ اعظم سالگرہ پر سونے کے پتروں سے تیار کیا ہوا لباس پہنتا ہے۔ بارہ ہزار جنگی سردار اور امیر بھی اسی قسم کا لباس زیب بر کرتے ہیں۔ ان کے سنہری کمربند جواہرات سے یوں مرصع ہوتے ہیں کہ سونا نظر نہیں آسکتا۔ ان کی قیمت کروڑوں روپے ہے، لیکن خانِ اعظم کی دولت کا اندازہ کون کرسکتا ہے؟"[1]

غرض اس کی داستانیں حد درجہ عجیب و غریب تھیں اور وہ لاکھوں کروڑوں کا لفظ اس کثرت سے استعمال کرتا کہ لوگوں میں مارکوپولو "لاکھوں کروڑوں" مشہور ہوگیا۔ اس نے چین کے متعلق اور بہت سی چیزیں بتائیں۔ اسی سے معلوم ہوا کہ چین کی ثقافت، فنونِ لطیفہ، شاعری اور حسنِ تعمیر سے مزیّن ہے۔ اہلِ چین ایسی چیزیں دریافت اور ایجاد کرچکے ہیں، جن سے یورپ ناآشنا تھا۔ مارکوپولو ان کے نام نہیں لے سکتا تھا۔ اس نے بتایا کہ وہاں ایک سیاہ پتھر ہوتا ہے، جو پہاڑوں سے نکالا جاتا ہے۔ اسے جلاتے ہیں۔ یہ سیاہ پتھر لکڑی سے بہتر ہوتا ہے، جو پہاڑوں سے نکالا جاتا ہے اور اس میں حرارت زیادہ ہوتی ہے۔ وہاں ایک سفوف

---

[1] مارکوپولو کی کتاب۔ یہ ترجمہ مصنف کا کیا ہوا ہے۔

ہوتا ہے، جس سے آتش بازی میں کام لیتے ہیں اور اس سے بڑی خوفناک آواز نکلتی ہے۔ انھوں نے اپنی زبان کے حروف چوبی بلاکوں کی شکل میں تیار کرلئے ہیں اور ان بلاکوں سے وہ جتنے حروف چاہتے ہیں، تیار کرلیتے ہیں۔ وہاں ایک قسم کا سکہ رائج ہے۔ باریک سے کاغذ پر خانِ اعظم کی مہر لگا دی جاتی ہے اور یہ قیمتی دھاتوں کے سکے کے برابر سمجھا جاتا ہے۔ سیاہ پتھر سے مارکوپولو کی مراد پتھر کا کوئلہ تھا، جس کی کھدائی یورپ میں سیکڑوں سال بعد شروع ہوئی۔ سفوف سے مراد بارود تھی، جس سے اہلِ یورپ ایک دوسرے کے قتل کا کام لیتے رہے۔ چوبی بلاکوں سے مراد ابتدائی دور کا مطبع تھا اور کاغذی سکے سے مراد نوٹ تھے۔

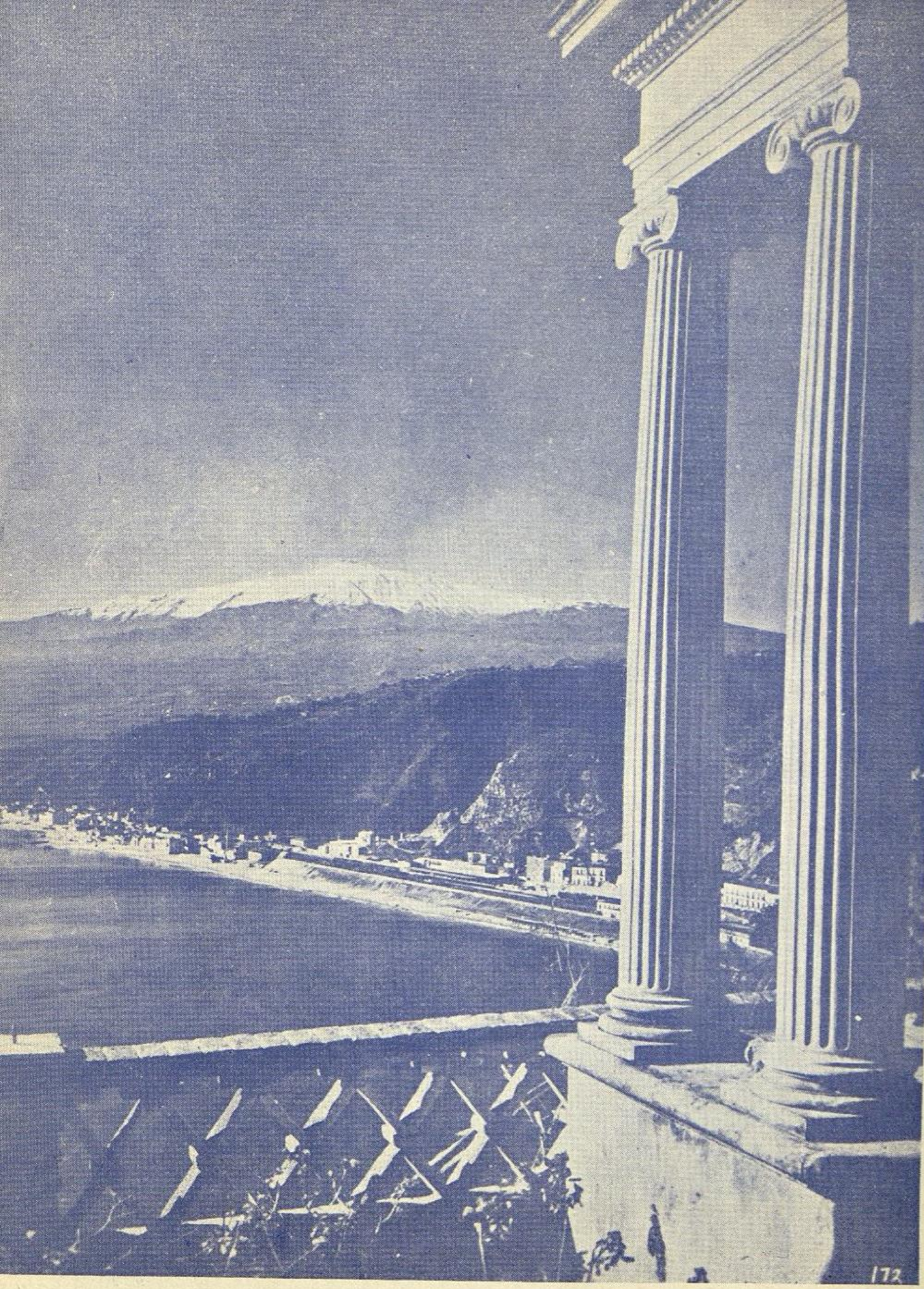
اہلِ چین کے پاس جو چیزیں ... وہ تو تعجب انگیز تھیں ہی، لیکن جو اُن کے پاس نہیں تھیں، وہ بھی تعجب انگیز تھیں۔ مثلاً انھیں کبھی صلیبی جنگوں کی ضرورت پیش نہ آئی اور ان کے ملک کو ہمیشہ وحشی گروہوں کے حملوں سے نقصان پہنچا۔ انھوں نے خود کبھی مذہبی جنگیں نہ کیں۔ اپنے رہنما کنفیوشیس (کُنفوزی) کی تعلیمات کی پیروی کرتے رہے۔ صدیوں پہلے اسلام کے داعی چین پہنچے تو خانِ اعظم نے بڑے احترام سے ان کی باتیں سُنیں، جس طرح مسیحی مشنریوں کی باتیں سُنیں۔ اس نے قرآن مجید کا ترجمہ اپنی زبان میں کرایا۔ اسی طرح مسیحیوں کی کتابِ مقدس کا ترجمہ بھی کرالیا۔ دونوں کا مطالعہ کیا اور دونوں کی حکمتوں اور مقدس باتوں کا احترام کرتا تھا۔ چونکہ کنفیوشیس نے بھی حکیمانہ اور اچھی باتیں کہی تھیں، اس لیے خان نے اپنی تعلیم ترک نہ کی، مگر

مسیحیوں اور مسلمانوں کو کنفیوشیس کی باتیں نہ ماننے کی بنا پر تعزیر کا نشانہ نہ بنایا، بلکہ اجازت دی، مسلمان مسجدیں اور عیسائی گرجے بنا لیں۔

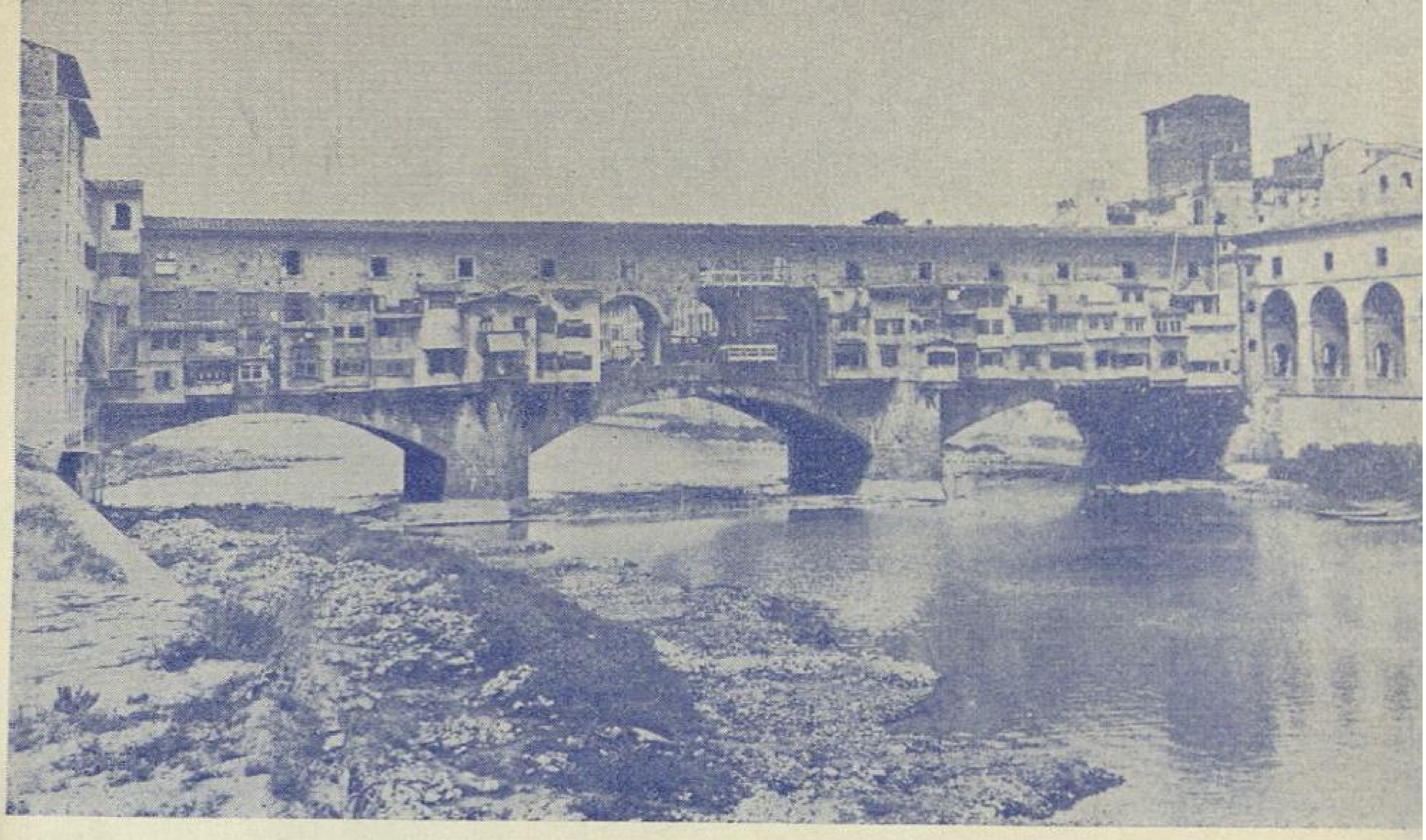
مارکوپولو کی زبان سے چین اور دوسری سرزمینوں کی دولت و ثروت کے بیانات تو لوگوں کے لیے ناقابلِ یقین تھے ہی، ایسی کہانیاں سُن کر ان کی بے یقینی اور بھی بڑھ گئی۔ وہ سب سے بڑھ کر سات ہزار جزیروں کی سرزمین کا ذکر سُن کر حیران ہوئے، جس کا نام مارکوپولو نے سیپانگو[1] (جاپان) بتایا۔ وہ کہتا تھا کہ میں واپس جاؤں گا، لیکن اچانک ایک ہمسایہ ریاست سے وینس کی جنگ شروع ہوگئی اور ۱۲۹۸ء میں بمقام کرزولا[2] لڑائی ہوئی، جس میں دوسرے سات ہزار قیدیوں کے ساتھ مارکوپولو بھی پکڑا گیا۔ چنانچہ ۱۳۲۳ء تک وہ قید رہا۔ قید کے دوران میں اس نے اپنی سیاحت کی کہانی ایک ساتھی قیدی رستی سیانو دا پیسا[3] کو لکھ دی۔ مارکوپولو کی وفات کے بعد لوگوں نے یہ کہانی اسی ذوق و شوق سے پڑھی جس سے وہ شارلیمین اور شاہ آرتھر کے افسانے پڑھتے تھے۔ بعد کی نسلوں نے زیادہ علم حاصل کر لیا تو واضح ہوگیا کہ مارکوپولو کے بیانات درست تھے، البتہ وہ ہر معاملے میں مبالغے سے کام لیتا رہا۔

ایک شخص نے اس کی کہانی بالکل درست سمجھ لی۔ وہ کرسٹوفر کولمبس تھا، جو عیش و عشرت کا عادی نہ تھا، البتہ ایک بے پروا سا

۱۔ Cipangu ۲۔ Curzola ۳۔ Rusticiano da Pisa.

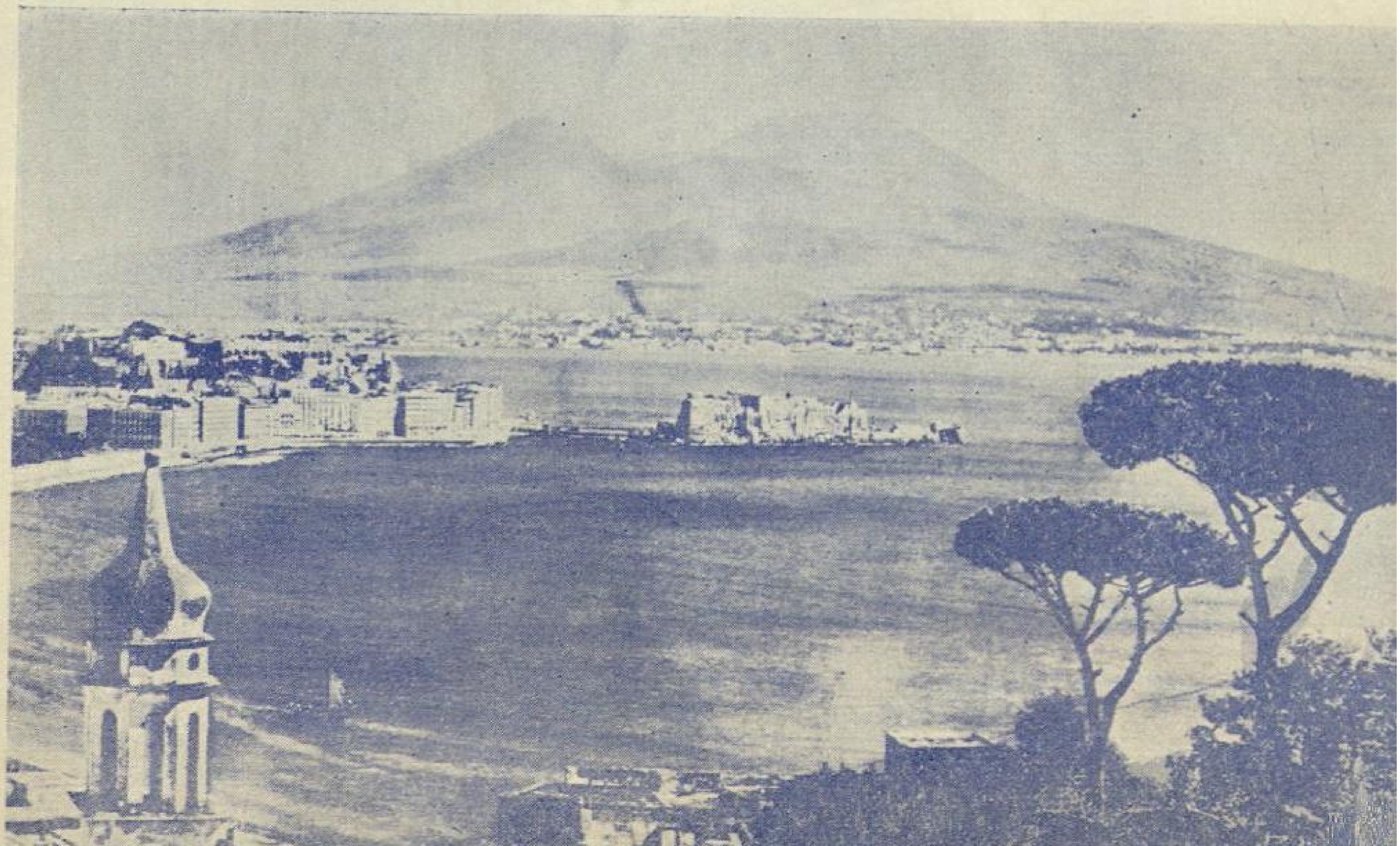


جزیرہ سسلی میں شہر تارمینا سے کوہ آتش فشاں ایٹنا کا ایک منظر



فلارنس میں ویچیو پل

نیپلز کا ایک عام نظارہ



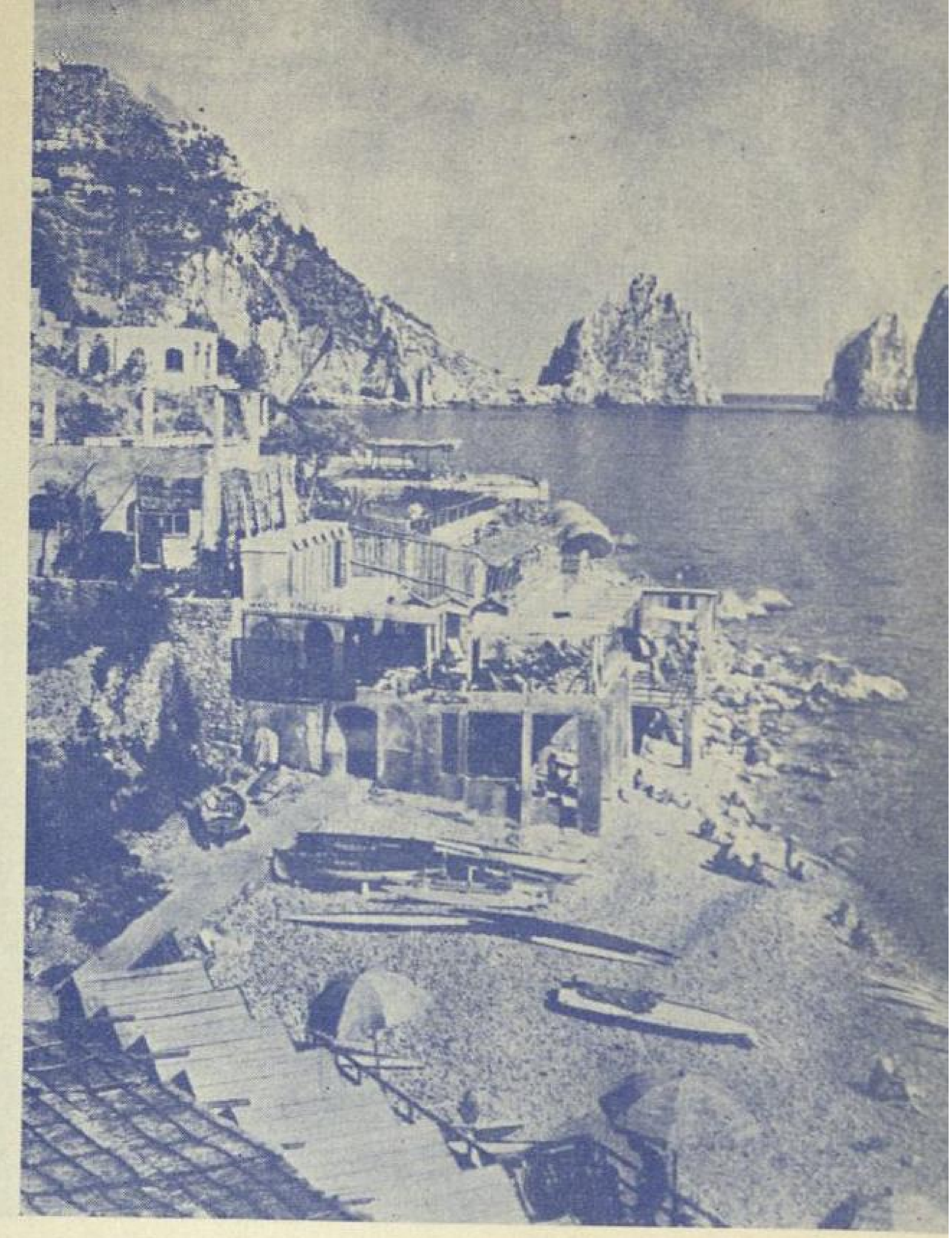


رایو ایس - برنابا
وینس کی
ایک عام نہر

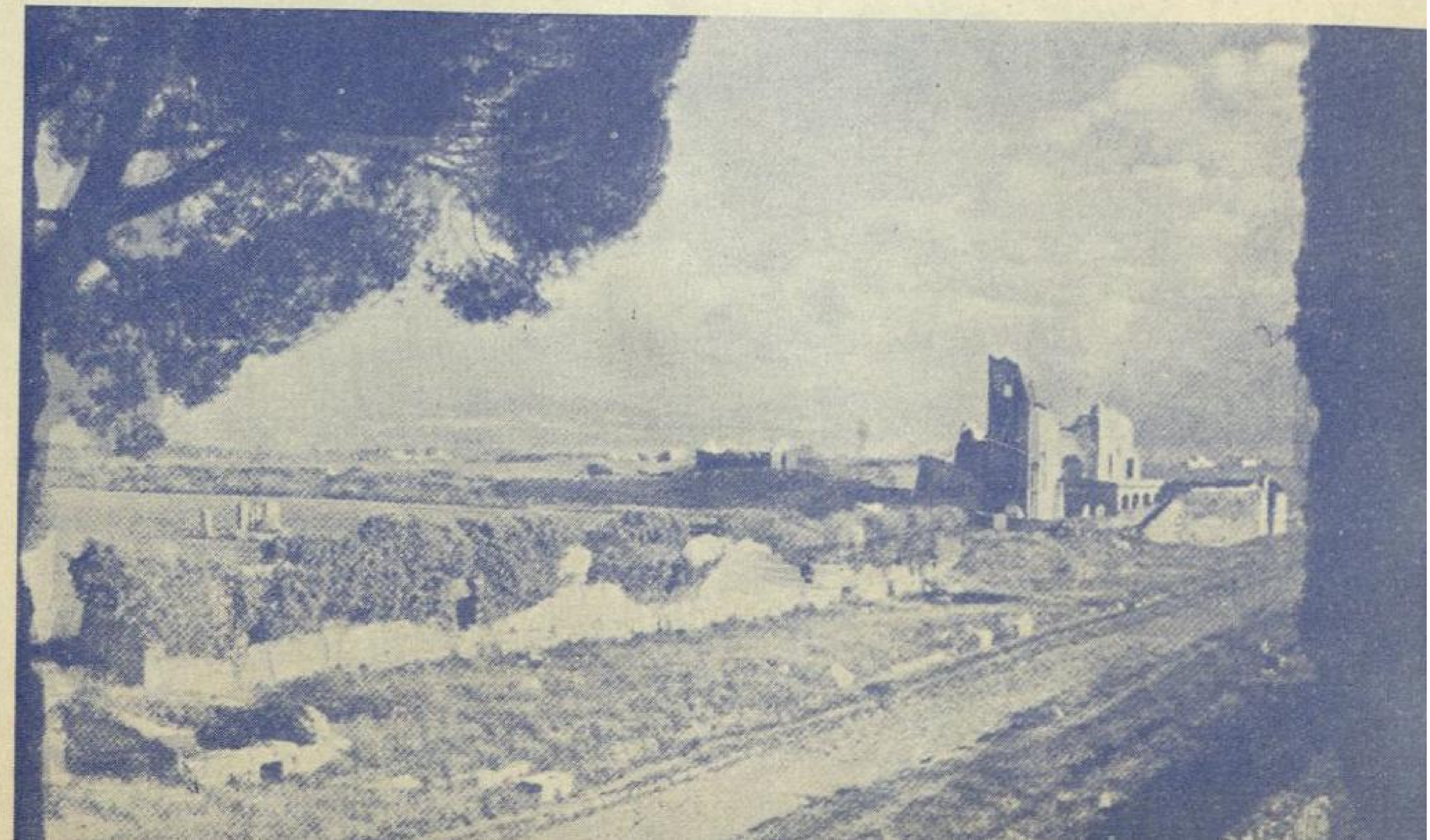
روما کے قدیم اکھاڑے کالوسیئم کے کھنڈرات



شہر کیپری



لیپلین شاہراہ کے ساتھ ساتھ

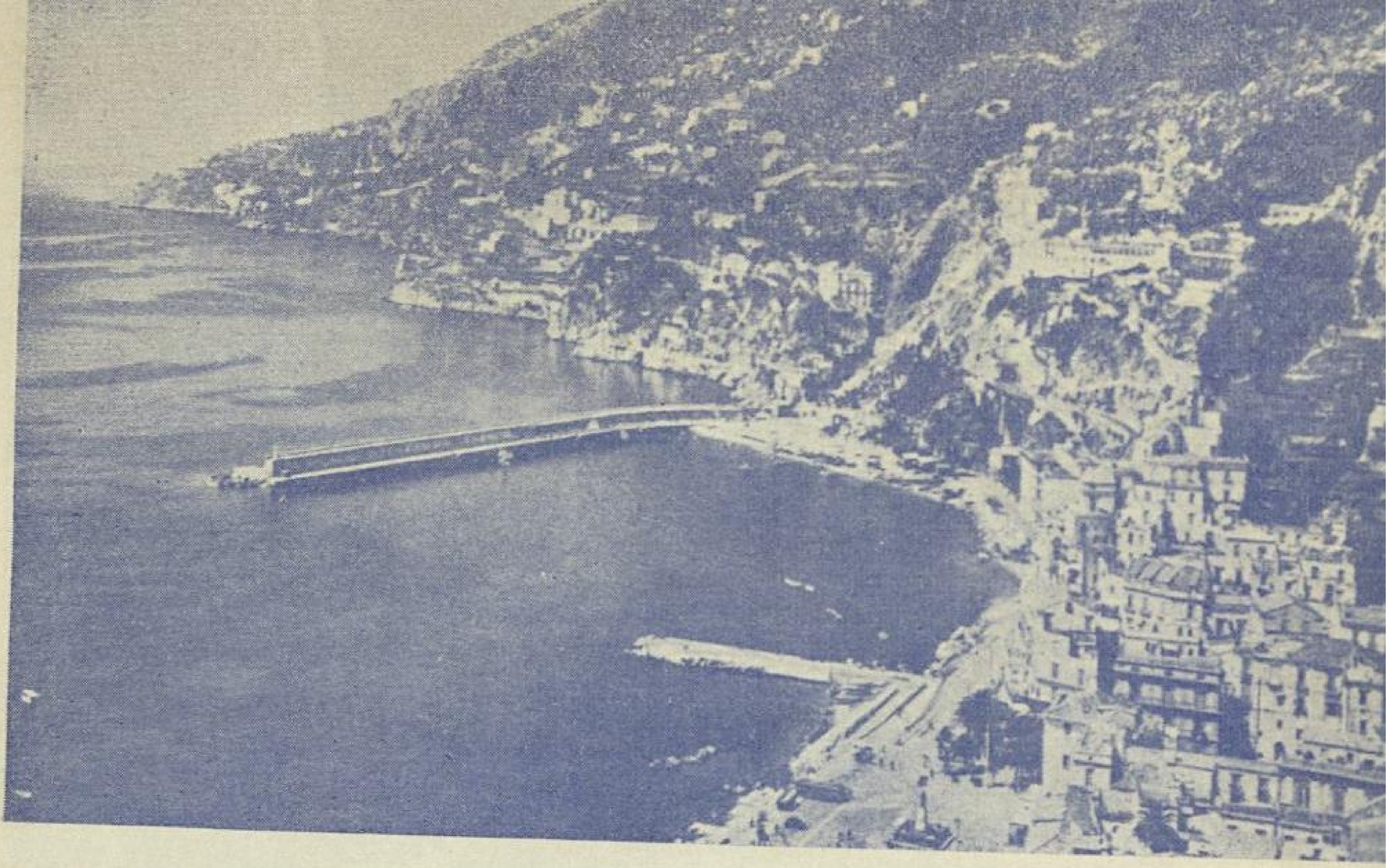




کومو میں جھیل کا ایک منظر - بلاگیو پیچھے دکھائی دے رہا ہے

روما میں سینٹ پیٹر کا گرجا

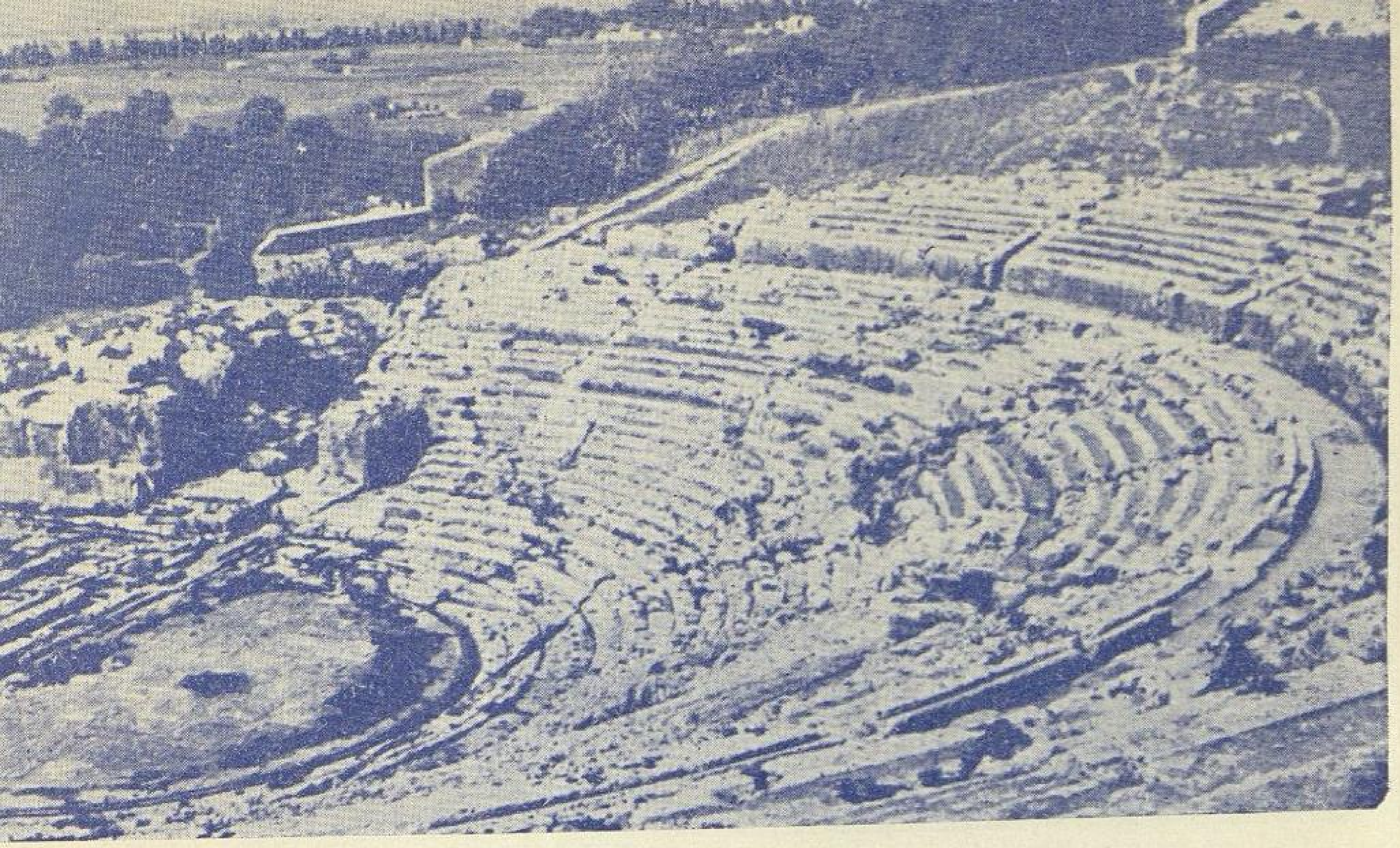




امالفی

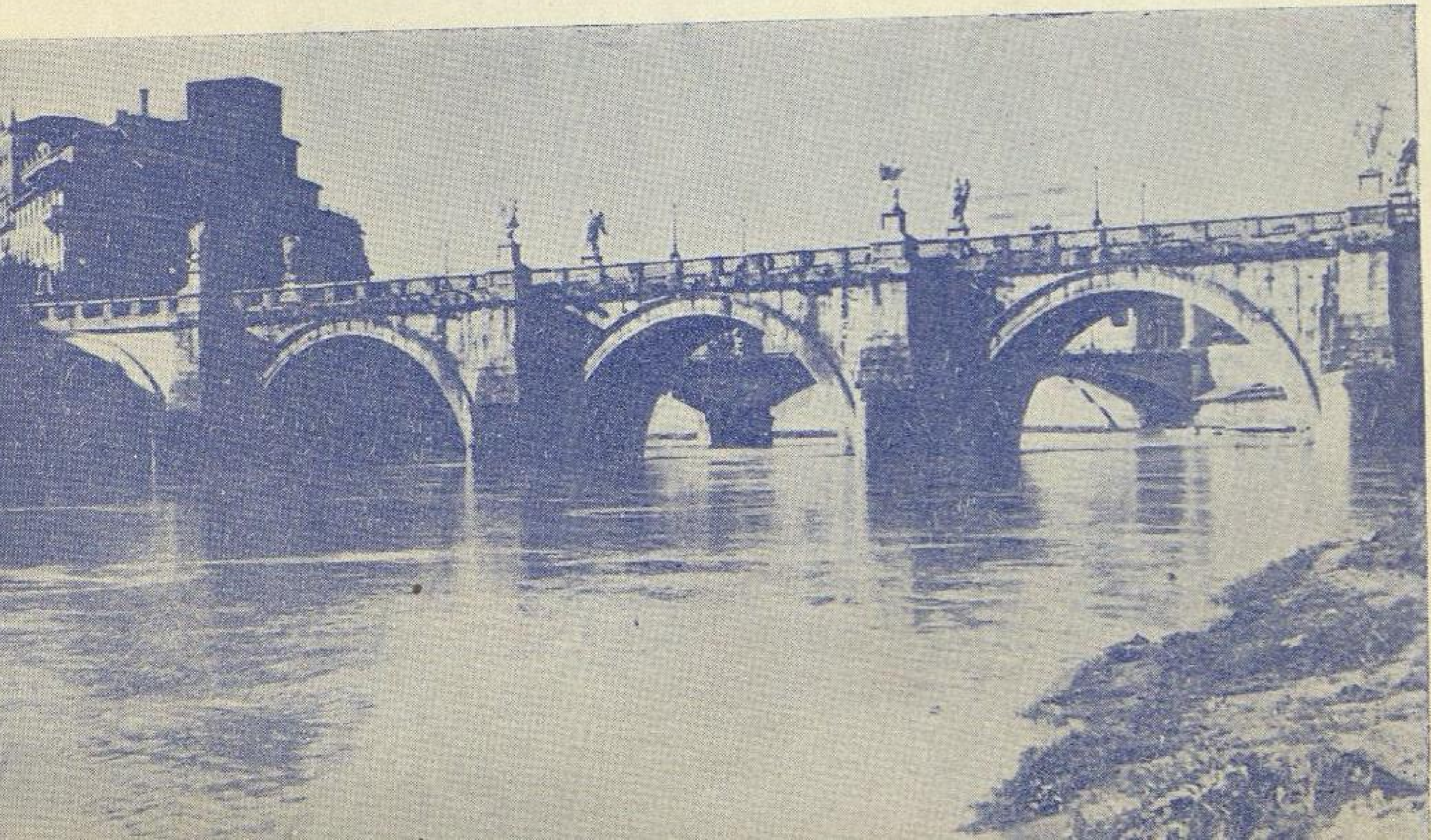
اپولیا میں ایک کسان کا گھر

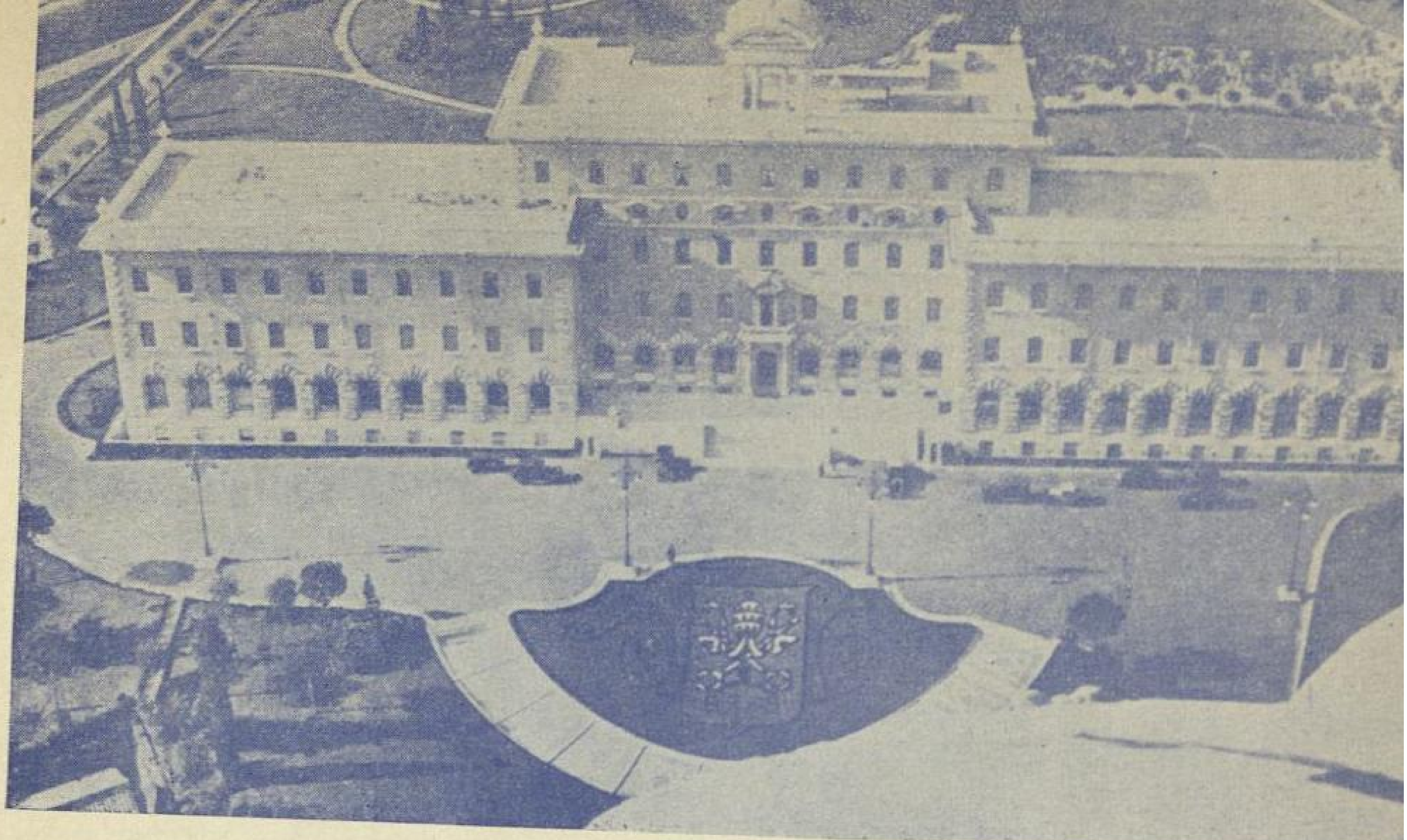




سراکیوز کے مقام پر یونانی تھیٹر

روما میں سینٹ اینجلو کا پُل اور قصر





شہر ویٹیکان ـــــ گورنر کا محل

انگوروں کی پیداوار



منچلا آدمی تھا ۔ مارکوپولو کی وفات پر ڈیڑھ صدی گزرچکی تھی ، جب کولمبس سرزمینِ مشرق کا نیا راستہ دریافت کرنے کے خواب دیکھنے لگا۔ اس وقت تک برّاعظم ایشیا کے متعلق معلومات کا خاصا ذخیرہ فراہم ہوچکا تھا ، جسے دیکھنے والوں میں پہلا یورپی مارکو پولو ہی تھا ۔ دو باتوں کا عوام کے دلوں پر بڑا اثر تھا ۔ اوّل یہ کہ ایشیا بڑا وسیع ہے ۔ دوم یہ کہ ایشیا بہت دولتمند تھا اس سے کولمبس مستثنیٰ نہ تھا ۔

کولمبس جنیوا میں یا اس کے نزدیک پیدا ہوا ۔ تاریخِ ولادت غیریقینی ہے ۔ بعض ۱۴۴۶ء بتاتے ہیں اور بعض ۱۴۵۱ء ۔ اس کے خاندان کا پیشہ اُون کاتنا تھا لیکن وہ اپنے شہر کے دوسرے نوجوانوں کی طرح چودہ سال کی عمر میں سمندر کے سفر پر روانہ ہوگیا ۔ اس کے باپ کا گھر اُس بازار میں تھا ، جسے اب وِکو دی مورسینتو[1] کہتے ہیں ۔ وہ اسی بازار میں پھرتا رہتا ہوگا ۔ وہیں سے بندرگاہ پر پہنچ جاتا ہوگا ، جہاں سمندر کے اندر میناروں کا ایک اور شہر آباد رہتا تھا ، یعنی مستولوں والے بیش بہا جہازوں سے سامان اُتارا جاتا تھا یا چڑھایا جاتا تھا ۔ وہ اس سرزمین پر بھی جاتا ہوگا ، جو بندرگاہ اور شہر کے درمیان حدفاصل تھی ۔ وہ کھڑے ہوکر سمندر پر نظر ڈالتا ہوگا اور سوچتا ہوگا کہ خدا جانے آگے کیا ہے ۔ ہر شخص یہی جواب دیتا ہوگا کہ آگے تباہی ہے ۔ کیا ہر شخص پر واضح نہ تھا کہ جب کوئی شخص اُفق کی آخری حد پر پہنچ جائے ، جہاں زمین اور سمندر ختم ہوجاتے ہیں تو وہ لازماً زمین کے

---

[1] Vicodi Morcento

بڑے طشت سے نکل کر ایک خطرناک عدم میں گر جائے گا؟

بہر حال نوجوان کولمبس سمندر سے الگ ہوکر پیویا کی یونیورسٹی میں تعلیم پانے لگا۔ وہاں اس نے ہیئت، جغرافیے اور جہاز رانی کے متعلق خاصی معلومات حاصل کرلیں۔ زمین کی وضع و ہیئت اور خشکی و تری کے تناسب کے بارے میں ہر چیز پڑھ ڈالی۔ جہاں جہاں نقشے بنانے والوں کا پتا چلا، اُن سے خط و کتابت کی پرتگال میں شہزادہ ہنری کی کوشش سے جغرافیائی علم بہت وسیع ہوگیا تھا، کیونکہ وہاں قطب نما اور اصطرلاب سے کام لیا جاتا تھا اور جہاز رانی کی سرگرمیاں بھی خوب جاری تھیں۔ شاہ جان دوم ان کی حوصلہ افزائی کرتا تھا۔

کولمبس نے ہر نئی کیفیت سے وابستگی کا سلسلہ جاری رکھا۔ اس نے خود بحری سفر شروع کردئے تاکہ روزی بھی کمائے اور تجربہ بھی حاصل ہو۔ بحر نوردی کے عام مصائب سے اُسے بھی سابقہ پڑا۔ وہ انگلستان گیا، آئس لینڈ پہنچا۔ پھر بحری قزاق اسے پکڑ کر لزبن لے گئے۔ پرتگیزی دارالحکومت کی فضا اسے بہت سازگار نظر آئی۔ دو سال بعد وہ خوشی سے وہاں چلا گیا اور نقشے بنا بنا کر روزگار پیدا کرنے لگا۔ وہ عمر کے تیسرے عشرے میں پہنچ چکا تھا اور لزبن ہی میں اس نے فیلپا دا پیرسٹریلو[1] سے شادی کرلی۔

یہ شادی بڑی بابرکت ثابت ہوئی، کیونکہ کولمبس کا خسر شہزادہ ہنری کی ملازمت میں کپتان تھا اور اس کے پاس نقشوں کا سب سے

---

[1] Felipa de Perestrello

بڑا ذخیرہ تھا۔ کولمبس نے بڑے شوق سے ان کا مطالعہ کیا۔ ایک نظریہ اس کے دل میں اُبھر رہا تھا۔ اب اس نظریے نے اسے بے تاب کر دیا۔ اسے یقین ہوگیا کہ زمین طشت کی طرح چپٹی اور گول نہیں، بلکہ کروی ہے۔

زمین کے متعلق یہ تصور نیا نہ تھا۔ مسیح سے چار سو سال پیشتر ارسطو نے ایسی ہی باتیں کہی تھیں اور جغرافیہ دانوں میں یہ نظریہ مقبول ہوگیا تھا، لیکن عوام اسے برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ اولاً یہ بیان تقویم کے خلاف تھا، ثانیاً یہ سمجھنا سراسر لغو تھا کہ تحت الارض بھی آبادی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوتا کہ قطرِ ارض کے دوسری طرف بھی انسان، درخت اور مکان موجود ہیں، مگر اُلٹے ہیں۔

کولمبس چاہتا تھا کہ اس نظریے پر عمل کرے۔ وہ کہتا تھا کہ اگر زمین گول ہے اور میں اوقیانوس میں مغربی جانب سفر شروع کر دوں تو لازماً مارکوپولو کے ایشیا اور جزیروں کے جھرمٹ سیپانچو پہنچ جاؤں گا۔ جن لوگوں سے اُس نے یہ بات کہی، وہ حیران رہ گئے اور بولے: بھلا مغربی جانب سفر کر کے مشرق کیونکر پہنچ جاؤ گے؟ تم تو پاگل ہو۔

یہ پہلا موقع نہیں تھا کہ کسی انسان کو نئے خیال کی بنا پر دیوانہ قرار دیا گیا۔ کولمبس، آدمیوں اور جہازوں کی امید کے ساتھ شاہ جان دوم کے پاس پہنچا۔ وہ جانتا تھا کہ محض نظریہ پیش کر دینا کافی نہ ہوگا۔ لہٰذا اس نے وعدہ کیا کہ اگر شاہ سرپرستی کے لیے تیار ہو تو ایشیا کی دولت اس کے قدموں میں ڈال دوں گا۔ جان نے اس معاملے میں دلچسپی لی، لیکن جب مشیروں سے بات چیت کی تو انھوں نے خلاف رائے دی۔ انھوں نے کہا کہ یہ شخص محض طالع آزما

ہے ۔ کسی ہیئت داں سے پوچھ لیجئے کہ آیا اس نظریے میں معقولیت کا کوئی پہلو موجود ہے ؟

شاہ نے حقیقت کا اندازہ کرلیا ۔ وہ جھوٹ موٹ کولمبس کی حوصلہ افزائی کرتا رہا ۔ اس اثنا میں خفیہ خفیہ مشہور جغرافیہ داں ٹاسکانلی[1] کی رائے پوچھ لی ۔ اس نے کولمبس کی تائید کی ۔ شاہ جان نے پرتگیزوں کی ایک مہم خفیہ خفیہ روانہ کردی تاکہ وہ موعودہ ثروت تلاش کرے ، مگر یہ ملاح اوقیانوس میں ذرا آگے بڑھے تو ڈر گئے ، انھوں نے بغاوت کردی اور کپتان واپسی پر مجبور ہوگیا۔

کولمبس کو شاہ جان کی بددیانتی کا علم ہوا تو وہ پرتگال چھوڑ کر ہسپانیہ چلا گیا ۔ اس کی بیوی مرچکی تھی اور نوجوان بیٹے ڈیگو[2] کو بھی ساتھ لے گیا ۔ اس زمانے میں شاہ فرڈیننڈ اور ملکہ ازابلا مسلمانوں کے خلاف ایک مہم میں مصروف تھے ، جس پر بڑا روپیہ خرچ ہورہا تھا وہ چاہتے تھے کہ مسلمانوں کو ان کے آخری حصار غرناطہ سے بھی نکال دیں ۔ جب کولمبس نے ان کے سامنے مشرق کی دولت اور ہزارہا لامذہبوں کو مسیحی بنالینے کی پیش کش کی تو جواب ملا کہ تجویز ٹھیک ہے ، مگر فی الحال کچھ نہیں کیا جاسکتا۔

چنانچہ کولمبس ۱۴۸۶ء سے ۱۴۹۱ء تک فرڈیننڈ اور ازابلا کے ساتھ جابجا پھرتا رہا ۔ ان کے وعدے پر انحصار تھا اور سرکاری طور پر اہل علم کی جو جماعتیں اس سے بات چیت کے لیے مقرر ہوئی تھیں ان کے

---

[1] Toscanelli

[2] Diego

سوالات کے جواب دیتا رہا۔ آخر وہ اتنا مایوس ہوگیا کہ اپنے بھائی بارٹولومیو کو انگلستان بھیجنے کا فیصلہ کرلیا تاکہ وہاں کے بادشاہ ہنری ہفتم کو مجوزہ مہم کی سرپرستی پر آمادہ کرے۔

اس موقع پر ہسپانوی فوجوں نے غرناطہ کو مسخّر کرلیا۔ فرڈینینڈ اور ازابلا کو موقع ملا کہ مشرق میں اپنی ایک مستقل سلطنت کے خواب کی تعبیر پر متوجہ ہوسکیں۔ کہا جاتا ہے کہ ملکہ ازابلا نے اپنے جواہرات گرد رکھ کر کولمبس کے لیۓ روپیہ حاصل کیا، کیونکہ ملکہ کو اس تجویز سے شاہ کے مقابلے میں زیادہ دلچسپی تھی۔ اب ہسپانیہ کے بعض دولتمند تاجر بھی طالع آزمائی کی اس تجویز میں دلچسپی لینے لگے کیونکہ اسے تاج کی منظوری حاصل ہوچکی تھی۔ ۳-اگست ۱۴۹۲ کو جمعہ کے دن کولمبس اٹھاسی آدمیوں کے ساتھ — جن میں معافی یافتہ مجرم بھی شامل تھے — اوقیانوس کے نامعلوم پانیوں میں سفر کے لیۓ تیار ہوگیا۔

روانگی کی تقریب پُرامن نہ رہ سکی۔ بندرگاہ پر "پاگل" "پاگل" شور مچا ہوا تھا۔ کولمبس پہلے بھی اس قسم کے آوازے سُننے کا عادی چلا آتا تھا۔ ملاحوں کے بعض رشتہ داروں نے انھیں جہازوں پر سے زبردستی کھینچ لینے کی کوشش کی تاکہ اس موت سے انھیں بچالیں، جو یقینی نظر آتی تھی۔ جب تین چھوٹے چھوٹے جہاز یکے بعد دیگرے ہول انگیز اور لاتناہی سمندر کی سطح پر نگاہوں سے اوجھل ہوئے تو موت غیر اغلب معلوم نہیں ہوتی تھی، تاہم "نینا"[۱]، "پنٹا"[۲] اور "سانتا میریا"[۳] کے لیۓ تاریخ کے

---

۱ Nina ۲ Pinta ۳ Santa Maria یہ ان جہازوں کے نام تھے جن میں کولمبس اور اسکے ساتھی روانہ ہوۓ

ایک نئے باب کا افتتاح مقدّر تھا۔

کولمبس سفر کے حالات باقاعدہ لکھتا رہا۔ اس کے رجسٹر سے معلوم ہوتا ہے کہ ۶۔ اگست کو "پنٹا" کا پتوار ٹوٹ گیا تھا اور ۹۔ اگست کو وہ گومیرا[1] ٹھہرنے پر مجبور ہوئے۔ وہاں جہازوں کی مرمت کے لیے تین ہفتے سے زیادہ قیام کرنا پڑا۔ وہاں سے وہ مزید مغرب کی طرف چلے تو قطب نما کی سوئی کا انداز عجیب و غریب ہوگیا۔ کولمبس نے ملاحوں پر واضح کردیا کہ ہم حقیقتاً جتنا سفر کرتے ہیں وہ قطب نما سے ظاہر نہیں ہوتا بلکہ کم نظر آتا ہے۔ جہاز رک گئے اور آدمیوں میں بڑبڑاہٹ شروع ہوگئی، لیکن خوش قسمتی سے موافق ہوا چلنے لگی اور سفر کا سلسلہ دوبارہ شروع ہوگیا۔ کوئی خاص واقعہ پیش نہ آیا۔ ۱۱۔ اکتوبر کو آدمیوں نے سمندر سے ایک نرسل نکالا جس پر کھدائی کے کچھ نشان تھے۔ اسی طرح ایک شاخ ملی، جس پر پتے اور پھل لگے ہوئے تھے۔ یقین ہوگیا کہ زمین قریب ہے اور وہ آباد ہے۔ ورنہ سرکنڈے پر کھدائی نہیں ہوسکتی۔

اُس رات ہر شخص دیکھ بھال میں مصروف رہا۔ وہ خدا کی حمد کا گیت گا چکے تو کولمبس نے اعلان کردیا کہ جو شخص پہلے زمین دیکھے گا[2] اُسے ریشمی خلعت دیا جائے گا۔ ۱۲۔ اکتوبر کو دو بجے شب روڈرگو دی تریانا پینا جہاز سے پکارا! "زمین! زمین!!"۔ واقعی زمین سامنے تھی۔ توپ چلاکر دوسرے جہازوں کو نئی دریافت سے آگاہ کردیا گیا۔ ہر شخص نے

---

[1] Gomera جزائر کنیری میں سے ایک جزیرہ۔ [2] Rodirgo de Triana

"زمین"۔"زمین" کا نعرہ لگایا۔صبح ہوئی اور سورج نکلا تو کولمبس اور اس کے ملاحوں نے ایک اتنا خوب صورت جزیرہ دیکھا جس سے ان کی آنکھیں کبھی آشنا نہ ہوئی تھیں۔ اس میں ایسے درخت اور پودے تھے جیسے ہسپانیہ میں کہیں موجود نہ تھے، اور عجیب و غریب رنگوں کے پرندے اُڑکر ایک شاخ سے دوسری شاخ پر بیٹھتے، جہازوں کو دیکھا تو سب نے شور مچادیا، مگر جزیرے میں صرف وہی جاندار نہ تھے، رفتہ رفتہ دیسی باشندے بھی گھنی جھاڑیوں سے باہر نکلے، جہاں سے وہ اجنبیوں کو دیکھ رہے تھے۔

کولمبس نے اپنا خاص لباس پہنا۔ وہ جزیرے میں اُترا۔ہسپانیہ کا شاہی جھنڈا اس کے ہاتھ میں تھا۔ اترتے ہی گھٹنوں کے بل گرا۔ زمین کو چوما، کامیاب سفر پر خدا کا شکر ادا کیا اور جزیرے کو ہسپانوی تاجداروں کی ملکیت قرار دیتے ہوئے اس کا نام سان سالویڈور[۱] یعنی مقدّس نجات دہندہ رکھا۔ اسے یقین تھا کہ وہ سیپانجو کے سات ہزار جزیروں میں سے کسی ایک میں آگیا ہے، جن کا ذکر مارکوپولو نے کیا تھا لیکن حقیقت میں اس نے نئی دنیا دریافت کرلی تھی۔

پھر اس نے نصف کرۂ مغربی کے تین سفر اور کیے۔ اسے قطعاً اپنی دریافت کی حقیقت معلوم نہ ہوسکی۔ آخر وقت تک یہی سمجھتا رہا کہ مارکوپولو نے جس دولت و ثروت کا ذکر کیا تھا، وہ اُسے

---

[۱] San Salvador اس نام کا ایک ملک وسطی امریکہ میں ہے، لیکن یہ جزائرِ "بہاما" میں سے ایک جزیرہ تھا، اب اس کا نام وٹیلنگ ہے۔

فرڈیننڈ اور ازابلا کے لئے پالے گا۔ اس کا انجام خوشگوار نہ تھا۔
آخری سفر میں گورنر بوباڈلا[1] نے کولمبس کی تذلیل کی۔ بوباڈلا
کو تاجداروں نے کولمبس کی جگہ لینے کے لئے بھیج دیا تھا۔ کولمبس
کے خلاف صرف ایک الزام ثابت ہوا اور وہ یہ کہ اس کا
موعودہ ایشیا زیادہ دولتمند نہ تھا۔ بوباڈلا نے کولمبس کو زنجیریں
پہنا کر واپس بھیج دیا۔ جہاز پر پہنچنے کے بعد کپتان نے زنجیریں
اُتارنی چاہیں، لیکن کولمبس راضی نہ ہوا۔ کولمبس کا بیٹا بتاتا ہے
کہ شاہ اور ملکہ نے تلافیٔ مافات کی ہر ممکن کوشش کی تھی، لیکن
کولمبس نے وفات (۱۵۰۶ء) تک زنجیریں نگاہوں کے سامنے رکھیں۔
وہ اس جگہ لٹکتی رہتی تھیں جہاں وہ انھیں حسب دلخواہ دیکھتا
رہتا تھا۔

پھر ایک عجیب واقعہ پیش آیا۔ ایک سال بعد جرمنی کا
ایک پروفیسر والڈسی میولر[2] ایک مکمل جغرافیہ تیار کر رہا تھا، جس
میں نئی دریافت شدہ سرزمینوں کا ذکر بھی آیا۔ اس نے نئی دُنیا
کے لئے امریکہ نام تجویز کر دیا۔ سوال یہ ہے کہ اس نے کولمبیا
کیوں تجویز نہ کیا؟ وجہ یہ ہوئی کہ کولمبس کے آخری سال گمنامی
میں گزرے اور اسے بالکل فراموش کر دیا گیا تھا۔ اس اثنا میں
ایک اور اطالوی بحر نورد امیریگو ویسپوسی[3] نے ایک کتاب تصنیف
کی جس میں جنوبی امریکہ کی دریافت کا دعویٰ کیا۔ جرمن پروفیسر نے

---

[1] Boliadilla [2] Waldsee Muller [3] Amerigo Vespucci

اپنے دوسرے ہم مشربوں کی طرح اس دعوے کی چھان بین اور تحقیقات نہ کی، یونہی فیصلہ کرلیا اور نئی دُنیا کا نام امیرگیو ویسپوسی کے نام پر رکھا۔ اس طرح امریکہ نام تجویز ہوا، لیکن جس شخص نے اس سے پہلے نئی دُنیا دریافت کی تھی، ہم آج بھی اسے عزّت سے یاد کرتے ہیں!

"اے کولمبیا! تو سمندر کا ہیرا ہے

تو بہادروں اور آزاد لوگوں کا وطن ہے..."

کولمبس کی مثال نے خود اس کے قول کے مطابق درزیوں کو بھی بحر نورد بنادیا۔ اٹلی اتنا دولتمند ہی نہ تھا کہ بڑی بڑی مہموں کے لیۓ سرمایہ نکال سکتا، لہٰذا اطالیہ کے جواں ہمّت بحر نورد دوسرے ملکوں کی سرپرستی قبول کرتے رہے۔ مثلاً جان کیبٹ (جیووانی کیبوٹا)[1] اور اس کے بیٹے سیبشین نے انگلستان کی ملازمت کرلی تھی۔ جیو وانی دی ویرازانو[2] نے خلیج سینٹ لارنس دریافت کی۔ اس مہم کے لیۓ فرانس نے روپیہ مہیّا کیا۔ یہ سب لوگ اس سرزمین کے قابل اور حوصلہ مند فرزند تھے جس کے رومان پرور ساحلی علاقے میں بحری طالع آزمائی اور کشش کا سامان موجود ہے۔

---

[1] Giovanni Cabota

[2] Giovanni di Verazzano

آٹھواں باب

اطالوی ادب

جب انگریزی بولنے والوں کے ادبیات میں سب سے بڑی شخصیت کا سوال پیدا ہوتا ہے تو اس کا جواب ایک ہی ملتا ہے، یعنی شیکسپیئر۔ اگرچہ انگلستان کو اپنے ادبیات کی ثروت پر بجا فخر ہے، لیکن اس میں اعلیٰ ترین مقام صرف شکسپیئر کو حاصل ہے۔ اٹلی میں دانتے سب سے پہلے آتا ہے۔ اطالوی ادب میں اس کا وہی مقام ہے، جو انگریزی ادب میں شیکپیئر کا ہے۔

دانتے یا دُورینتے ایلیگیریؔ[1] فلارنس میں پیدا ہوا (۱۲۶۵ء)۔ اسے اکثر ازمنۂ وسطیٰ کی رُوح اور خاموش صدیوں کی آواز قرار دیا جاتا ہے۔ اس قسم کے تمام بیانات کی طرح یہ بیان بھی درست نہیں۔ دانتے کی رُوح اپنے عہد سے بہت آگے نکل گئی اور ازمنۂ وسطیٰ کو خاموش قرار نہیں دیا جا سکتا۔ دانتے سے بہت پہلے اطالوی ادب کی ابتدا ہو چکی تھی۔ پہلے ابتدائی دور کے موسیقار گیت اور منظوم داستانیں گایا کرتے تھے ـــــ بلکہ وہ لکھتے کم اور گاتے زیادہ تھے۔

---

[1] Durante Alighieri

ان پر فرانسیسی بھاٹوں کا اثر تھا، جو جگہ جگہ پھر کر گایا کرتے تھے اور زبان بھی انھیں بھاٹوں کی استعمال کی جاتی تھی، مگر رفتہ رفتہ — خصوصیت سے فریڈرک دوم کے ماتحت — اطالوی زبان محض سسلی ہی نہیں، بلکہ ٹسکنی میں بھی استعمال ہونے لگی۔ ان بھاٹوں کو "سیکولو ٹسکن بھاٹ" کہا جاتا تھا۔ پھر ایسے شاعر پیدا ہوئے جنھوں نے خاص نظمیں لکھیں۔ دانتے نے ان کی نظموں کو "نئی شیریں طرز" قرار دیا۔ اس طرز کا بانی بولونا کا شاعر گوڈوگونیسلی[1] تھا، جس کی وفات کے وقت دانتے کی عمر صرف گیارہ سال تھی گونیسلی نے ایسے سانیٹ اپنے پیچھے چھوڑے، جو صرف شاعرانہ حسن و خوبی ہی نہیں، بلکہ جذبات کی بلندی و برتری کے اعتبار سے بھی یگانہ مانے جاتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر گونیسلی ارضی محبّت کو اس حسن و خوبی سے بیان نہ کرتا تو دانتے "حیاتِ نو"[2] کبھی نہ لکھ سکتا۔ یہ نثر و نظم کا ایک مختصر سا مجموعہ ہے، جو ٹسکنی کی بولی میں لکھا گیا ہے اور اس میں دانتے نے بیڑائس پورٹینری[3] کے عشق کی داستان سنائی۔ دانتے نے بیڑائس کو پہلی مرتبہ اس وقت دیکھا تھا، جب وہ دس سال کا تھا اور بیڑائس کی عمر نو سال تھی۔ وہ پہلی ہی نظر میں خدنگِ عشق کا گھائل ہو گیا۔ یہ عشق دانتے کے دل پر تاحیات مسلّط رہا، اگرچہ بیڑائس کی شادی کسی دوسرے شخص سے ہوگئی تھی اور ۱۲۹۰ء میں وہ وفات پا گئی۔

---

[1] Guido Guinicelli [2] New life [3] Beatrice Portinari

خود دانتے نے بئٹراِئس کی وفات کے بعد شادی کی "حیاتِ نو" میں ان دونوں کی ارضی ملاقاتوں کے مختصر سے واقعات بیان کیے' گئے' ہیں۔ دانتے نے ایک خواب کا بھی ذکر کیا ہے، جس میں بیٹرائس وفات کے بعد اسے نظر آئی۔ وہ خواب کی تفصیلات بیان نہیں کرتا، صرف اتنا بتاتا ہے کہ جب میں اس خواب کو سمجھنے کے قابل ہو جاؤں گا تو بیٹرائس کے متعلق ایک ایسی چیز لکھوں گا، جو کسی عورت کے متعلق کبھی نہیں لکھی گئی۔ یہ دعویٰ اس نے اپنی عظیم القدر تصنیف "طربیہ" کی شکل میں پورا کیا، جسے مداحوں نے "طربیۂ آسمانی"[1] قرار دیا۔

جیسی پاک محبت دانتے نے بیٹرائس سے کی، یہ اُس زمانے میں انوکھی نہ تھی بلکہ یہ روحِ جواں مردی کا ایک حصّہ سمجھی جاتی تھی کیونکہ بڑے بڑے جنگجو اپنی محبوبہ کا کوئی خاص نشان لگاکر جنگ کے لیۓ نکلتے تھے اور محبوبہ کا نام پکارتے ہوئے جانیں دیتے تھے۔ لیکن یہ محبت اتنی پاک، پُرخلوص اور رفعت افزوٗ تھی کہ اس نے اک گونہ عبادت کی حیثیت اختیار کرلی۔ عورت کو نصب العین بنانے کا یہ سلسلہ صدیوں تک جاری رہا۔ دانتے کے علاوہ بھی بہت سے شاعر اور فن کار اسی روحِ محبت سے معمور ہوئے۔ چودھویں صدی میں پیٹرارچ شاعر کی محبُوبہ لارا[2] تھی، جس کے لیۓ شاعر نے نہایت حسین و شگفتہ غزلیں لکھیں۔

---

[1] The Divine Comedy

[2] Laura

پٹرارچ کے ہم عصر بوکیشیو[1] کی محبوبہ فیامتا[2] تھی جسے بوکیشیو نے اپنی مشہور کتاب ڈیکامرون[3] میں ایک کردار بنالیا تھا۔ اس کے لئے بوکیشیو نے لمبی لمبی منظوم کہانیاں بھی لکھیں، جو دردِ فراق سے لبریز ہیں۔ سولھویں صدی میں مائیکل اینجلو بوڑھا ہو چکا تھا، مگر اس حالت میں بھی وہ مصوری کا مُوقلم پھینک کر وٹوریا کولونا[4] کے لئے محبت کے گیت لکھتا رہا۔ وٹوریا خود بھی شاعرہ تھی۔ اس کے علم و فضل کا یہ حال تھا کہ محض مائیکل اینجلو ہی نہیں، بلکہ بعض دوسرے مشاہیر بھی اس کے قدموں پر جھکتے تھے۔

تاہم کسی عورت نے ویسا خراجِ تحسین اب تک وصول نہیں کیا، جیسا دانتے نے بیٹرائس کی بارگاہ میں پیش کیا۔ "طربیۂ آسمانی" میں اسے خورشیدِ درخشاں قرار دیا گیا ہے، جو آسمانوں پر نور بکھیرتی ہے۔ وہ سراپا نیکی، سراپا اچھائی اور سراپا حُسن ہے۔ وہ ہر شے کا درجۂ کمال ہے۔ جس حد تک اصل کتاب کا تعلق ہے، اسے دوزخ، اعراف اور بہشت میں دانتے کی سیر و گردش قرار دینا چاہئے۔ پہلے ورجل[5] اس کا رہنما رہا، پھر یہ منصب بیٹرائس نے سنبھال لیا۔

عالمِ آخرت کی اس تصویر میں دانتے نے صرف وہی سب کچھ پیش نہیں کیا جو ازمنۂ وسطیٰ کے متعلق اس کے علم میں آیا

---

1. Boccaccio
2. Fiammetta
3. Decameron
4. Vitteria Colonna
5. Virgil

بلکہ گزری ہوئی تہذیبوں پر اس نے تبصرہ بھی کیا - وہ دوزخ میں طبقہ بہ طبقہ اُترتا گیا اور مجرموں کی سزائیں بیان کرتا رہا - اِس سلسلے میں وہ ماضی کی داستانیں بھی سناتا ہے اور اپنے عہد کے لوگوں کو بھی پیشِ نظر رکھتا ہے - پاؤلو[1] اور فرانسسکا داریمینی[2] کی الم انگیز محبت سے بڑھ کر دل گداز کہانی کوئی نہیں اور یہ کہانی دانتے کو فرانسسکا کی روح نے سنائی جب وہ زندہ تھی تو دانتے اس سے متعارف تھا - اس ایک کہانی سے بہت سی نظمیں اور ڈرامے مرتب ہوئے اور روسی چائیکوزکی[3] جیسے موسیقاروں نے اس سے غنائیے تیار کرلئے -

ہمارے سامنے تاریخ کے صفحات کھلتے ہیں - شہنشاہ، گویّے، جنگجو، بہادر اپنی اپنی داستانیں سُناتے ہیں - انھیں میں پیئرڈلاوگنے[4] بھی ہے، جو دانتے سے بہ منّت التماس کرتا ہے کہ مجھ پر فریڈرک دوم سے غدّاری کا جو دھبّا لگایا گیا، وہ صاف کردیجئے- دانتے ایک نہایت درجہ ڈرامائی تحریر میں یہ کام انجام دیتا ہے، لیکن وہ خود بھی انسان تھا - گویلفوں اور جبلینوں کے جھگڑے میں مصیبتیں اُٹھاچکا تھا اور اسے فلارنس سے خارج کردیا گیا تھا- لہٰذا یہ بالکل فطری امر تھا کہ اپنی کتاب میں وہ تمام معاملات کے متعلق مصنف و قاضی بن گیا اور اپنے سیاسی دشمنوں کے

---

[1] Paolo [2] Francesca de Rimini [3] Tchaikovsky

[4] Pier della Vigne

کے درمیان سزائیں تقسیم کرتا گیا، لیکن یہ عبرت انگیز نظم محض ذاتی کینوں کی تسکین کا بہانہ نہ تھی، اور بھی بہت کچھ تھی۔ اگر ازمنۂ وسطیٰ کی تمام کتابیں برباد کردی جائیں، تو صرف "طربیۂ آسمانی" ہمارے لیے اس دور کی زندگی، اخلاق، مذہب اور عقائد کی مکمل تصویر پیش کردے گی۔ شاعرانہ نظم و ترتیب، عام انسانی جذبات اور دائرۂ بحث و نظر کے اعتبار سے یہ کتاب اُن چند عظیم تصانیف میں سے ایک ہے، جو کسی بھی دور میں مرتب ہوئیں۔

دانتے کی سرگرمیوں کے کئی پہلو تھے۔ اس نے وقت کی بوقلمون زندگی میں حصّہ لیا۔ فلسفے اور سیاسیات پر کتابیں لکھیں۔ ایک کتاب میں اٹلی کی ادبی زبان کا معیار قائم کرنے کی کوشش کی۔ خوش قسمتی سے وہ اس میں کامیاب نہ ہوا، کیونکہ عوام کی زبان ایک زندہ شے ہے۔ وہ نشو و نما پاتی رہتی ہے اور اسے کسی سانچے میں بند نہیں کیا جاسکتا ہے۔ ایک اور کام کرنے کی بھی اس نے کوشش کی۔ اپنے ایک لاطینی مقالے کے ذریعے سے جس کا نام بادشاہی[1] تھا، اس نے ایک عالمی بادشاہی کے لیے دعوت دی۔ اس کی دلیل یہ تھی کہ دنیا کے امن و آزادی کے لیے قوموں کی عالمی تنظیم لازم ہے۔ دانتے کے بیان کے مطابق قوموں کے لیے ضروری یہ تھا کہ ایک بین الاقوامی دارالعدل قائم

---

[1] Monarchia

کرتیں اور اسے اختیار دے دیتیں کہ اپنے فیصلے منوائے - پھر کیا ہم یہ سمجھیں کہ ازمنۂ وسطیٰ کا ہیش بیں انجمن اقوام متحدہ کا خواب دیکھ رہا تھا ؟

دانتے کی طرح پیٹرارچ نے بھی — دانتے کے انتقال پر پیٹرارچ اٹھارہ سال کا تھا — اٹلی کے مستقبل کا بیڑا اُٹھایا - وہ چاہتا تھا کہ اٹلی میں ایک قوم پیدا ہوجائے جو اپنی تقدیر کے لیۓ خود کام کرے - پوپوں یا غیر ملکی طاقتوں کی طرف سے اس میں کوئی مداخلت نہ ہو - وہ عرصے تک ایویناں[1] (فرانس) میں رہا ، جہاں کچھ مدت پہلے روما سے پاپاؤں کا دربار منتقل ہوگیا تھا - اس نے وہاں دنیوی زندگی کے جو مناظر دیکھے ، ان سے سخت متألم ہوا ، لیکن اسے قدیم تصانیف کے مطالعے میں تسکین حاصل ہوئی اور وہ لارا کی بے پناہ محبت میں غزلوں پر غزلیں لکھتا رہا - اپنے عہد کا ممتاز ترین شاعر تھا - اس کے سانیٹ اب تک بے مثال ہیں ، اگرچہ اکثر لوگوں نے اس کی پیروی کی - اس نے دو بڑی کتابیں چھوڑیں - وہ سمجھتا تھا کہ انھیں کی بنا پر اس کی یاد تازہ رہے گی - ان میں سے ایک کا نام "فتوحات[2]" ہے - یہ دانتے سے متاثر ہوکر لکھی گئی اور ایک رزمیہ نظم ہے ، جس کا عنوان "افریقہ" ہے - اس کے علاوہ متعدد لاطینی تصانیف ہیں ، لیکن وہ اطالوی اور انگریزی ادبیات میں اپنی

---

[1] Avignon

[2] The Triumphs

غزلوں کی بدولت زندہ ہے۔ سر ٹامس ویٹ[1] اور ارل سرے[2] نے اس کی غزلوں کو بہ عہد ہنری ہشتم وضع و ہیئت اور روح کے اعتبار سے انگریزی میں منتقل کر لیا تھا۔

بوکیشیو ۱۳۱۳ء میں پیدا ہوا اور پیٹرارچ کا معاصر تھا۔ اس کے دل میں بھی پیٹرارچ کی طرح کلاسیکی ادب کا خاص احترام تھا، جس کا اظہار یوں ہوا کہ اس نے لاطینی میں بہت سی کتابیں تصنیف کیں۔ مشہور مردوں اور عورتوں کی سوانح عمریاں اور سرگزشتیں لکھیں۔ ایک کتاب پہاڑوں، جنگلوں، چشموں، جھیلوں، ندیوں وغیرہ کے متعلق تصنیف کی۔ اس کی ایک کتاب کا نام امیٹو[3] ہے یہ مرغزاروں کا ایک رومان ہے، جو اطالوی زبان میں لکھا گیا۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ بوکیشیو کو فطرت سے کتنی محبت تھی۔ یہ محبت ایک سو کہانیوں کے مجموعے سے بھی نمایاں ہے جو ڈیکامرون کے نام سے مشہور ہے اور جسے آئندہ نسلوں نے اس کا شاہکار قرار دیا۔

اس کہانی کا پس منظر نہایت دلچسپ اور انوکھا ہے۔ ۱۳۴۸ء میں فلارنس کے اندر طاعون کی وبا پھوٹ پڑی۔ نوجوان مردوں اور عورتوں کا ایک گروہ وبا سے بچنے کے لیے ایک دیہاتی بنگلے میں چلا گیا۔ وہاں وہ لوگ کہانیاں سنا سنا کر وقت گزارتے رہے۔ چونکہ داستان گو مزاج و کردار میں ایک دوسرے سے مختلف تھے۔ اس لئے کہانیوں میں بھی ایک دلآویز تنوع پیدا ہو گیا۔ ان میں سے بعض

---

[1] Wyatt [2] Surrey [3] Ameto

کی حیثیت سراسر اخلاقی ہے - بعض صرف رنگ رلیوں کی کہانیاں ہیں - بعض کا انجام حسرتناک ہے - بعض ہنگاموں اور قہقہوں سے لبریز ہیں - ہر کہانی اپنی نوعیت کا ایک ہیرا ہے - ان میں پہلی مرتبہ کردار اس درجہ حقیقت کے مطابق نظر آتے ہیں کہ معلوم ہوتا ہے ہمارے شناساؤں کی داستانیں سنائی جارہی ہیں - اس میں جانوروں کو شخصیت کا لباس پہنادیا گیا ہے - ان کی مستقل سحر طرازی کا خاص پہلو یہ ہے کہ انسانیت کی طرح یہ وقت اور زمانے کی قید سے آزاد ہیں - جس کسی نے بوکیشیو کی اس کتاب کو "طربیۂ ارضی[1]" قرار دیا ، وہ بالکل حق بجانب تھا - بوکیشیو انسانی فطرت کا خندہ جبیں اور ہمدرد مبصر ہونے کے علاوہ اطالوی نثر کا باکمال اُستاد بھی تھا -

اس امر پر تعجب نہ ہونا چاہیئے کہ ڈیکامرون کی پیروی میں بہت سی کتابیں لکھی گئیں - اسی انداز میں کہانیوں کے مجموعے اٹلی کے علاوہ فرانس اور انگلستان کے مصنفوں نے بھی تیار کیے - انگریز شاعر چاسر نے کنٹربری کے افسانوں[2] میں محض بوکیشیو کے انداز ہی کی پیروی نہ کی ، بلکہ بعض کہانیاں بھی مستعار لے لیں - بوکیشیو کی اکثر کہانیوں کی بنا پر مستقل نظمیں لکھی گئیں - لونگ فیلو[3] نے ایک کہانی ازسرنو نظم میں بیان کردی - کیٹس[4] نے ازابلا پر ایک نظم لکھی -

---

[1] The Earthly Comedy
[2] Cunterbury Tales
[3] Longfellow
[4] Keats

یہ ایک نوجوان لڑکی کی الم انگیز کہانی تھی، جس کے بھائیوں نے لڑکی کے عاشق کو قتل کر دیا تھا۔ لڑکی نے حزن و اندوہ کی شدّت سے اپنا سر نازبو کے گملے میں رکھ کر اپنے آنسوؤں سے اس کی آبیاری کی۔

اطالوی آسمانِ ادب کے ان تین درخشاں ستاروں — دانتے، پیٹرارچ، بوکیشیو — کے ارد گرد بہت سے ستارے جمع ہو گئے، جن کی روشنی اتنی تیز نہ تھی۔ ان میں شاعر بھی تھے اور فلسفی بھی، تاریخ نگار تھے اور مذہبی کتابیں تصنیف کرنے والے بھی۔ ان میں نہایت درجہ ممتاز سینا[1] کی ایک عورت تھی، جسے سینٹ کیتھرائن کا خطاب ملا۔ اس کے دل میں اٹلی کی ارضی فلاح و بہبود کے لیے اتنا پُرجوش جذبہ تھا کہ سیاسیاتِ وقت پر اس کا گہرا اثر پڑا۔

احیائے علوم کے فروغ کے ساتھ ہر دائرے میں سرگرمیاں شروع ہوگئیں۔ کارڈینل پیترو بیمبو[2] شاعر تھا۔ اس نے اطالوی زبان کے متعلق دانتے کا رسالہ پیشِ نظر رکھ لیا اور زبان کو ایک ممتاز حیثیت دینے کی کوشش کی۔ ۱۴۸۵ء میں فلارنس کے اندر ڈیلاّ کرسکا[3] اکیڈیمی کی بنیاد پڑی۔ پھر لغت اور گرمیر پر کتابیں تصنیف ہونے لگیں اس طرح لاطینی کے مقابلے میں اطالوی زبان کی حوصلہ افزائی ہوئی۔ اگرچہ اکثر مصنّف لاطینی ہی کو ترجیح دیتے رہے۔ خوش قسمتی سے اطالوی میں کتابیں تصنیف کرنے والے لوگوں میں ایسی صلاحیت تھی کہ رفتہ رفتہ

---

[1] Siena [2] Pierto Bembo [3] Della Crusca Academy

لاطینی صرف مخصوص اہلِ علم کی زبان رہ گئی۔

ریجیو[1] کے مصنف لوڈووکو ایروئسٹو[2] نے "دیوانے رولاں"[3] کی جوانمردی کے واقعات لکھے، جنھیں پڑھ کر وقت کے خوانندے مسحور ہوگئے۔ شارلیمین کے بہادروں کی کہانیاں نظم میں پہلی مرتبہ بیان نہیں کی گئی تھیں۔ سابقہ صدی میں میٹیو بویارڈو[4] آرلینڈو کی محبت کے کارنامے نظم میں پیش کرچکا تھا۔ یہ کتاب اس نے اپنے سرپرست ڈیوک ہرکولیز[5] دی ایسٹ کی تفریح کی غرض سے لکھی تھی، تاہم اس میں کلام نہیں کہ منچلے پن، محبت، بہادری اور عجائب کی کہانیاں اس خوب صورتی و دلآویزی کے ساتھ پہلی مرتبہ سنائی گئیں۔

تاہم اٹلی میں بہترین نظم ٹارکوٹیوٹاسو[6] نے لکھی، جس کا نام تھا، "یروشلم آزاد کرالیا گیا"[7]۔ اس نظم میں ٹاسو نے یہ بتایا تھا کہ گیارھویں صدی میں بوئلاں[8] کے گاڈفرے نے کس طرح مزارِ مقدس کو آزاد کرایا۔ ٹاسو کی اس رزمیہ نظم کے ساتھ اٹلی میں احیاءِ علوم کا دور اختتام کو پہنچا، البتہ کم درجے کی کتابیں اور بھی لکھی گئیں۔

لیکن دوسرے دوائرِ علم میں بھی تصانیف ہوئیں، خصوصاً نثر میں۔ دو کتابوں کا ذکر ہمیشہ اکٹھا آتا ہے اور دونوں اپنے اپنے دائرے میں یگانہ ہیں۔ اول میکیاولی کی کتاب الملوک[9]،

---

۱ Reggio ۲ Ludovico Aroisto ۳ Mad Roland

۴ Matteo Borardo (واطالوی (Orland Furioso)) ۵ Hercules d, Este

۶ Torquato Tasso ۷ Jerusalem Delivered ۸ Bonillon ۹ The Prince

دوم کسٹیلیاں[1] کی کتاب "درباری"[2]۔ کتاب الملوک میں میکیاولی نے دورِ احیاءِ علوم کے ایک حکمران کی تصویر کھینچی ہے۔ یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ انسانی فطرت کے متعلق میکیاولی کی رائے چنداں بلند نہ تھی۔ یہ حکمران صرف ذاتی اغراض پیش نظر رکھتا ہے۔ اور جو کام لینا چاہتا ہے، اس کے لیے نہایت بیدردانہ طریقے استعمال کرتا ہے، تاہم وہ ایک حد تک اچھا کام بھی انجام دے لیتا ہے۔ میکیاولی کی ایک آرزو یہ تھی کہ اطالوی ایک قوم بن جائیں۔ اس مقصد کی تکمیل کے لیے ذرائع کی اچھائی یا بُرائی کے باب میں اسے کوئی پروا نہ تھی۔ جس شخصیت پر اس نے اٹلی کو نجات دلانے والے کے نقشے کی بنیاد رکھی، وہ سیزر بورجیا[3] تھا، جو بہت بڑا آدمی تھا۔ "کتاب الملوک" کے متعلق یہ رائے ہوگئی کہ یہ اخلاق کے منافی اور فطرتِ انسانی کے باب میں سوءِ ظن سے لبریز ہے۔ اس کے برعکس "درباری" میں ایک خوشحال شخص کی عمرانی روش ایسے اچھے انداز میں پیش کی گئی ہے کہ صدیوں تک یہ کتاب آداب کا بہترین ضابطہ سمجھی جاتی رہی اور شرفاء میں سے کوئی بھی اسے نظر انداز نہیں کرسکتا تھا۔

تھوڑی مدت بعد اٹلی پر ہسپانیہ کا اقتدار قائم ہوگیا۔ یہ واقعہ ایسا تھا، گویا آسمان سے بجلی گری اور اس نے اطالوی ادبیات کی جڑیں بھسم کرڈالیں۔ حکمرانانِ ہسپانیہ نے برسرِاقتدار آتے ہی محکمۂ تعزیر

---

[1] Castiglioneo [2] Courtier [3] Ceasare Borgia

قائم کردیا۔ یہ ایک آئینی جماعت تھی، جو عام عقائد کے خلاف کوئی عقیدہ رکھنے والے کو قید، تعزیر یا موت کی سزا دیتی تھی ایک لحاظ سے اس پابندی نے غیر معمولی صلاحیتوں کے انسانوں کی روح آزادی کو احتجاج پر آمادہ کردیا۔ فلسفے اور سائنس میں چھان بین کا اتنا کام پہلے کسی دور میں بظاہر نہ ہوپایا تھا، جتنا اس دور میں انجام پایا۔ علم نے نہایت تیزی سے ترقی کی منزلیں طے کیں، خصوصاً گیلیلو نے ہیئت میں بڑی چھان بین کی۔ اس راستے میں خاص قربانیوں سے بھی سابقہ پڑا۔ بالکل ابتدائی دور میں جن لوگوں کو موت کی سزا دی گئی، ان میں ایک جیورڈانو برونو[1] ہی تھا اس نے کائنات کے متعلق کوپرنیکس کا نظریہ قبول کرلیا تھا، جس کا مطلب یہ تھا کہ ہماری دُنیا کی طرح اور بھی دنیائیں ہیں۔ یہ نظریہ مسلّمہ عقائد کے خلاف سمجھا گیا۔ برونو نے اپنی رائے کی حمایت کی اور اس کے لیے دلیلیں پیش کیں۔ پھر کلیسا نے اس پر کفر کے اور بھی الزام عائد کردیے۔ آخر اسے مقام کیمپو دافیوری[2] (روما) میں جلایا گیا (فروری ۱۶۰۰ء)۔ اب اسی مقام پر آزادیٔ فکر کے اس شہید کے لیے ایک یادگار قائم ہے۔ گیلیلو کو بھی اسی طرح موت سے سابقہ پڑنے والا تھا، کیونکہ اس نے کہا تھا "سورج اپنی جگہ قائم ہے اور زمین اس کے گرد گھومتی ہے۔" جب کلیسا نے اسے ان کافرانہ عقائد پر سزا کی دھمکی دی تو گیلیلو نے اعلان کردیا کہ ممکن ہے، میری رائے

---

[1] Giordano Bruno

[2] Campo de. Fiori

غلط ہو۔ افسانہ اب تک رائج ہے کہ اس نے زیرِ لب کہہ دیا "بہ ایں ہمہ زمین گھومتی ہے"۔

پھر اٹھارھویں صدی میں اطالوی ادب نے زندگی کی نئی کروٹ لی۔ اس دور کی اکثر تصانیف ایسی نہ تھیں کہ اٹلی کے باہر شہرت پاتیں۔ البتہ وِٹوریو ایلفیری[1] کے المیہ ڈرامے مستثنیٰ سمجھے چاہئیں۔ وِیٹوریو نے اٹلی کو بلند پایہ المیہ ڈراموں سے بہرہ مند کیا۔ بعد کی صدی میں وہاں سے دو ممتاز شاعر پیدا ہوئے، ایک لیو پارڈی[2]، دوسرا کارڈوسی[3]۔ لیوپارڈی اطالوی ہے، جس نے ادب کے لیے "انعام نوبل" حاصل کیا۔ اسی دور میں عالمی شہرت کا ناول نگار میزونی[4] پیدا ہوا۔ اس کا ناول "منگیتر[5]" تاریخی داستان سرائی کا ایک معیاری نمونہ سمجھا جاتا ہے اور دنیا کی ہر زبان میں اس کا ترجمہ ہو چکا ہے۔ ہماری صدی سے گیبریل دانزیو[6] کا تعلق ہے، جو شاعر بھی تھا ڈراما نگار اور ناول نگار بھی، سپاہی اور منچلا بھی۔ ۱۹۳۸ء میں وفات پائی۔ اس کی شہرت اس لیے کسی قدر ماند پڑ گئی کہ اس نے فاشسٹوں کے ساتھ سیاسات میں حصہ لیا تھا۔

امریکہ میں دانزیو کے ڈراموں سے زیادہ مشہور پرنڈیلو[7] کے طبعزاد اور ہنگامہ خیز ڈرامے ہیں۔ اس نے بھی نوبل کا انعام

---

[1] Vittorio Alfieri
[2] Leopardi
[3] Carducci
[4] Mauzoni
[5] The Betrothed
[6] Gabriel D'Annunzio
[7] Pirandello

حاصل کیا ۔ اسے مرے ہوئے زیادہ مدت نہیں ہوئی ۔ اس کے ایک ڈرامے "مصنف کی تلاش میں چھ کردار"[a] نے نیویارک میں شاندار کامیابی حاصل کی ۔ پرنڈیلو ان ڈراموں میں بھی اپنی دوسری تصانیف کی طرح انسانی قلب و شخصیت کی گہرائیوں میں اُتر جاتا ہے ۔

موجودہ دور کے اطالوی مصنف دانزیو کی رومانیت اور پرنڈیلو کی نفسیاتی چھان بین سے روگرداں ہو چکے ہیں ۔ وہ زیادہ تر ان مسائل سے متعلق رہتے ہیں ، جو اٹلی کو زمانۂ ماضی سے میراث میں ملے اور جو ہماری صدی کی جدّ و جہد سے پیدا ہوئے ۔ انھوں نے بڑی عمدہ کتابیں تصنیف کیں ، جن کے ترجمے امریکہ میں شائع ہو چکے ہیں ۔ ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ مصنفوں کو عمرانی حالات سے پوری آگاہی ہے اور وہ مستقبل کو زیادہ اُمید کی نگاہوں سے دیکھ رہے ہیں ۔ کواسی موڈو[b] کی نظمیں دورِ حاضر کی رفتار احوال سے متاثر ہیں اور ان میں معاصرانہ کشمکشیں ہوئی ہیں ۔ اس نے حال ہی میں ادب کے لیے نوبل کا انعام حاصل کیا ۔

---

[a] Six characters in search of an Author

[b] Quasimodo

نواں باب

مصوّری، تعمیر اور موسیقی

حُبِ جمال غالباً اطالوی کردار کا نمایاں ترین پہلو ہے۔ اگرچہ اٹلی میں، آسمان اکثر نیلا رہتا ہے۔ مطلع صاف ہوتا ہے۔ سورج خوب چمکتا ہے۔ سمندر کی کیفیت برابر بدلتی رہتی ہے، اور وہاں بعض نہایت دلآویز مناظر پیدا ہوتے ہیں، مگر اطالویوں کو جمالِ فطرت سے اتنی دلبستگی نہیں، جتنی فن سے ہے۔ وہاں کے شاعروں میں دراصل خالص فطرت سے محبت کرنے والا کوئی ورڈزورتھ اب تک پیدا نہیں ہوا، نہ کوئی ایسا مصوّر بروئے کار آیا ہے جس کی صلاحیتیں طبعی مناظر کی تصویر کشی کے لیے وقف رہی ہوں اور احیاءِ علوم کے فن کاروں نے جو مناظر تصاویر کے پردوں پر پیش کیے، وہ دراصل ان کے افراد کے لیے ایک خوش گوار پس منظر کی حیثیت رکھتے تھے۔ جب کوئی شاعر فطرت کا حسن و جمال بیان کرتا تو یہ بیان زیادہ تر گھر سے محبت اور وطن سے محبت پر مشتمل ہوتا۔ دیکھی ہوئی چیزوں کا کوئی ذکر نہ آیا۔

اطالوی ثقافت کے آغاز سے لوگ اس خصوصیت کا اظہار سرکاری عمارتوں پر کرتے رہے، جنھیں وہ مجسموں اور تصویروں سے خاص طریق پر مزین کرتے تھے۔ خواہ کسی خطے میں ہوتے، وہ اس

میں جمال ضرور پیدا کرتے - اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اٹلی میں فنون اور تعمیرات کی غیر معمولی بوقلمونی بروئے کار آ گئی - یہ امر غیر متوقع نہ تھا، کیونکہ مختلف خطوں پر مختلف ثقافتوں نے اثر ڈالا۔ چھوٹی چھوٹی ریاستوں کا نظام بھی اس سلسلے میں کارفرما ہوا، کیونکہ یہ ریاستیں ایک دوسری سے آگے نکل جانے کے لیے کوشاں رہتی تھیں، خصوصاً اس حالت میں کہ حکمرانی کی باگ ڈور حریفوں کے ہاتھ آجاتی -

چنانچہ روما میں کلاسیکی فن تعمیر بروئے کار آیا، جس میں ستون اور نہایت نفیس خطوط ہوتے ہیں - یہ چیزیں یونانیوں سے لی گئیں۔ پلرمو میں مسلمانوں نے جو عمارتیں بنائیں، ان میں محرابیں اور منبت کاری تھی۔ مونریل[1] میں لمبارڈوں اور رومیوں کے نمونے کا جو گرجا بنا، اس کے ستون سنگ مرمر کے ایک ٹکڑے کے تھے اور ان پر ازمنۂ وسطیٰ کی نقاشی کی گئی تھی - شمال کی طرف جائیں تو وینس کے ملمع کردہ گنبدوں اور میناروں پر بیزنطینی شان و شکوہ نمایاں ہے - میلان کے گرجے میں محرابیں اور اونچے اونچے مینار ہیں - اب وہاں امریکی وضع کی ایک فلک بوس عمارت بن گئی ہے، جو پوری فضا پر چھائی ہوئی ہے - اس نے گرجے کی بلندی کو بھی مات کر دیا ہے - پیسا میں غیر معمولی طریق پر ایک طرف جھکا ہوا برج ہے، جو اب گر رہا ہے - سان جمگنانو[2] کے اونچے اونچے مربع اور خوفناک قلعہ نما دیدبان ازمنہ وسطیٰ کے باقیات میں سے ہیں -

---

[1] Moureale

[2] San Gimignano

فلارنس کا خوب صورت گرجا گاتھی وضع کا ہے۔ پاس ہی ایک خوشنما گھنٹا گھر ہے۔ یہ حد درجہ نفیس تعمیر جیوٹو[1] نے بڑی شان سے اٹھائی اور معلوم ہوتا ہے کہ پتھر میں رفعت اور ترانہ ریزی کی صلاحیت پیدا کر دی۔

مشہور اطالوی عمارتوں میں سے یہ چند کا ذکر تھا اور اٹلی کے ہر شہر میں، خواہ وہ کتنا ہی چھوٹا ہو، گرجا یا محل یا عجائب خانہ ضرور موجود ہے۔ عجائب خانہ بجائے خود ایک اطالوی ادارہ ہے۔ سب سے پہلا عجائب خانہ کیپٹولین[2] (روما) میں پوپ سکٹس[3] چہارم نے اتفاقیہ قائم کر دیا تھا (۱۴۷۱ء)۔ جب شہر مقدس میں نئی عمارتیں بن رہی تھیں تو پوپ کسی پرانی رومی عمارت سے پتھر اور دوسری چیزیں لے کر مسیحی کلیساؤں میں حسن و عظمت پیدا کرنا غیر مناسب نہیں سمجھتے تھے، چنانچہ مسیحیت سے پیشتر کے بت سے مجسمے پوپ سکٹس نے کیپٹولین کے عجائب خانے میں مخصوص کر دیئے، کیونکہ مسیحی عمارتوں میں ان کے لیے کوئی جگہ نہ تھی۔ بعد ازاں پوپ جولیس دوم نے ویٹیکن میں بلویڈر[4] کو اس مقصد کے لئے وقف کر دیا۔ رفتہ رفتہ دوسرے شہروں نے بھی پوپوں کی پیروی کی۔ تاریخ بدلی تو مذاق بھی بدل گیا اور یہ تبدیلی ہمیشہ بہتری کے لیے نہیں ہوتی۔ فن تعمیر اور فنونِ لطیفہ دونوں پر باروک اور رکوکو[5]

---

[1] Giotto [2] Capitoline [3] Sixtus

[4] Belvedere [5] Baroque اور Rococo یہ دو نمونے فرانس سے آئے تھے، جن میں آرائش بہت زیادہ کی جاتی تھی۔

کے نمونوں سے بُرا اثر پڑا اور یہ دونوں غیر ملکی تھے - دونوں سترھویں اور اٹھارھویں صدی میں فرانس سے آئے اور بدمذاقی کا باعث سمجھے جاتے تھے، کیونکہ ان میں مبالغہ آمیز آرائش کی جاتی تھی -

اطالوی فنِ تعمیر کا ایک نمایاں نمونہ گیلری یا غلام گردش ہے اسے نگارخانۂ فنون سے کوئی تعلق نہیں - گیلری اٹلی کی عمرانی زندگی میں ایک اہم عامل ہے - یہ ایک وسیع محرابی چھتہ ہوتا ہے، جو دھوپ اور بارش سے بچاؤ کے لیے بنایا جاتا ہے - اس میں دکانیں، چائے خانے، طعام گاہیں اور سینما ہوتے ہیں - ستونوں کی محرابوں سے باہر کی آمد و رفت نظر آتی ہے - ہر بڑے اطالوی شہر میں متعدد ایسے چھتے ہوتے ہیں - سب سے زیادہ خوب صورت چھتے غالباً میلان کے ہیں - لیکن روما، جینوآ، تورین، نیپلز اور بولونا کے چھتے بھی بُرے نہیں -

اطالویوں کے نزدیک یہ چھتے کلبوں کا کام دیتے ہیں - لوگ وہاں جاتے ہیں تو کھاتے پیتے ہیں، کاروبار کے متعلق باتیں کرتے ہیں - استراحت کے لیے قہوہ یا برف میں لگی ہوئی کوئی چیز یا شراب پیتے ہیں - اور دنیا کے معاملات پر بحثیں کرتے ہیں یا محض گپ شپ اڑاتے ہیں - غیر ملکی لوگ وہاں اطراف کی میزوں پر بیٹھ جاتے ہیں، موسم کا لطف اُٹھاتے ہیں اور مختلف چہروں پر اس اُمید سے نظر ڈالتے ہیں کہ شاید ان کا کوئی ہم وطن مل جائے -

دوسرے فنون میں بھی عام نشو و ارتقاء تعمیرات کی طرح ہوا - نئی عمارتیں بنیں تو اُنھیں سجانا ضروری تھا، چنانچہ مجسمہ تراش اور

مصروفِ کار ہو گئے۔ اٹلی کے نئے مصوروں کے سامنے کوئی ایسا کامل نمونہ موجود نہیں تھا، جس کی وہ پیروی کرتے۔ مجسمہ طرازوں کے سامنے کلاسیکی عمارتوں کے مجسّمے موجود تھے۔ اگر رومیوں کے زمانے کی اچھی تصویریں بھی موجود ہوتیں تو وہ کارآمد نہ سمجھی جاتیں، کیونکہ رومیوں پر تناظر کا راز منکشف نہیں ہوا تھا۔ مصوّری میں منبت کاری کے نمونے موجود تھے۔ ان کے رنگ اور خاکے تو نہایت خوب صورت تھے، لیکن انسانی شکلیں ذرا بھدی تھیں، چنانچہ ابتدائی تصویروں میں طبعاً اسی بھدے پن کی پیروی کی گئی۔ جب تیرھویں صدی میں فلارنس کے سیما بیوؔ[1] نے تصویریں بنانی شروع کیں تو اطالوی فن پیدا ہوُا۔

سیما بیو کے متعلّق، جو اطالوی مصوّری کا بانی تھا، معلومات بہت کم ہیں۔ وہ بھی دوسرے فنکاروں کی طرح منبت کاری میں مصروف رہا، لیکن جب تصویریں بناتا تو شکلیں اس درجہ فطری و طبعی ہوتیں کہ ہر شخص انھیں دیکھ کر خوش ہوتا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ جب اس نے قربان گاہ کے لیئے مریم عذرا اور بچےؔ کی تصویر مکمّل کی تو اس تصویر کا جلوس فلارنس کے بازاروں میں پھرایا گیا اور اتنی خوشیاں منائی گئیں کہ فلارنس کے جس حصّے میں سیما بیو رہتا تھا، اِسے بورگو الیگری[2] کہنے لگے، یعنی جشن منانے والوں کا محلہ۔ سیما بیو کی بنائی ہوئی بعض تصویریں اب تک موجود ہیں۔ انھیں میں ایک تصویر سینٹ فرانسس کی بھی ہے جو

---

[1] Simabue [2] Borgo Allegri

اس گرجے میں رکھی ہے، جہاں اس نے وفات پائی تھی - یہ مریمؑ عذرا اور بچے کی تصویر کا ایک حصہ ہے - اس میں ایک حلیم اور بارلیش آدمی دکھایا گیا ہے، جس نے موٹا جھوٹا لباس پہن رکھا ہے تصویر کا غیر معمولی پہلو یہ ہے کہ چہرے اور بڑی بڑی دھنسی ہوئی آنکھوں سے کردار خاص نمایاں ہے -

سیما بیو کو اپنے زمانے میں بڑی شہرت حاصل تھی، لیکن جلد ہی اس کی جگہ جیوٹو[1] نے لے لی، جو اس کا شاگرد اور بدرجہا بڑا مصور تھا - جیارجو وساری[2] نے ایک کتاب اٹلی کے نہایت غیر معمولی مصوروں، مجسمہ تراشوں اور معماروں کے متعلق سولھویں صدی میں لکھی تھی، جو اطالوی فنون کا گنجینہ ہے - اس میں سیما بیو اور جیوٹو کی ملاقات کے متعلق ایک دلکش کہانی بیان کی گئی ہے - جیوٹو میوجیلو[3] میں، جو فلارنس سے تھوڑے فاصلے پر ہے، باپ کے حکم سے ریوڑ چرایا کرتا تھا، لیکن وقت گزارنا اس کے لیے مشکل ہو گیا تھا - وہاں ایسی بڑی بڑی چٹانیں موجود تھیں، جو نسبتاً ملائم تھیں اور لڑکا وقت گزاری کے لیے ان پر سنگریزوں سے چھوٹی چھوٹی تصویریں بناتا - ایک روز وہاں سے سیما بیو کا گزر ہوا - وہ تصویریں دیکھ کر متحیر رہ گیا - جیوٹو کے باپ کو راضی کر کے اسے اپنے ساتھ لے آیا اور شاگرد بنا لیا -

سیما بیو کے پاس پہنچ کر جیوٹو بھی دوسرے شاگردوں کی طرح اُستاد

---

[3] Mugello　[2] Georgio Vasari　[1] Gioto

کے لیے رنگ پیستا، برش صاف کرتا، فرش جھاڑتا۔ وہ شکر گزار تھا کہ اسے اُستاد کے قریب رہنے کی اجازت مل گئی۔ وہاں اُس نے خاکہ طرازی، تصویر کشی اور منبت کاری کا کام سیکھ لیا، مگر اسے بے ڈھب بزنطینی تصویروں کی نقالی میں لطف نہ آتا تھا۔ وہ جب موقع پاتا، گرد و پیش کی زندگی سے کوئی چیز لے کر تصویر بناتا اسے مسطح شکلیں بنانے کے بجائے اصل آدمیوں کی تصویریں بنانا پسند تھا۔ جلد ہی شاگرد اُستاد سے بہت آگے نکل گیا۔ عالمِ طفلی ہی میں اسے پہلی مرتبہ تصویر بنانے کا کام مل گیا، مگر اس کے لیے اپنے جوہر آشکارا کرنے کی نوبت اُس وقت آئی جب کہا گیا کہ اسیسی کے بالائی گرجے کی دیواروں پر سینٹ فرانسس کی زندگی کے مختلف مناظر رنگ روغن سے تیار کرے۔ اس نے اٹھائیس مناظر تیار کیے، جن میں خدا کے اس مسکین حمد طراز کی داستانِ حیات پوری کردی۔ بعد کی صدیاں ان مناظر سے شاد کام ہوتی رہیں اور ہزاروں افراد میں نئے ولولے پیدا ہوئے۔

جیوٹو نے فلارنس، رومہ اور پاڈوا میں بہت سی تصویریں تیار کیں۔ پاڈوا کے "اس گرجے میں، جو ارینا کہلاتا ہے، اس نے جو شکلیں بنائیں، معلوم ہوتا ہے، وہ زندہ ہیں اور فطرت کے ساتھ حیرت انگیز ہم آہنگی سے حرکت کر رہی ہیں۔ ایک روز اس کا دوست دانتے ملنے آگیا تاکہ دیکھے، وہ اس دُنیا میں کیونکر رنگوں سے

لہ Arena Chape

ذریعے سے نئی زندگی پیدا کر رہا ہے - جس طرح خود دانتے کائنات کو نظم کے ذریعے سے نمایاں کر رہا تھا - جیوٹو نے تصویروں میں ایسی تازگی اور روح پیدا کردی کہ فنِ مصوری دورِ احیاءِ علوم میں تیزی سے ترقی کر گیا - اسے بہت سے اعزازات ملے - اُس کے آٹھ بچے تھے - اُن کے لیے ضرورت کی چیزیں مہیا کرنے میں کبھی کوئی دقت پیش نہ آئی - دانتے ہمیں بتاتا ہے کہ بچے بھی باپ کی طرح سادہ اور بے تکلف تھے - فلارنس نے اسے گرانڈ ماسٹر[1] (اُستادِ عظیم) کا خطاب دیا - پیٹرارچ اور دانتے دونوں نے اس کی شان میں نظمیں لکھیں - فلارنس کے گرجے کے لیے گھنٹا گھر کا نقشہ جیوٹو ہی نے تیار کیا تھا - اس کی وفات سے تین سال پہلے اس کا سنگِ بنیاد رکھا گیا - ۱۳۳۷ء میں وہ مرا - اس سے پیشتر اس نے گھنٹا گھر کے لیے بعض آرائشی مجسمے بنائے - حقیقت یہ ہے کہ سیما بیو سے کہیں بڑھ کر جیوٹو کو اطالوی فنونِ لطیفہ کا بانی سمجھنا چاہیئے -

اطالوی فنکاروں کے لیے بوقلموں ہونا کوئی غیر معمولی واقعہ نہ تھا - ان میں سے متعدد جیوٹو مائیکل اینجلو اور لیونار دو دونسی کی طرح مجسمہ تراش بھی تھے، معمار بھی - وہ اپنے آپ کو معمولی دستکار سمجھتے تھے، صرف دکانوں میں کام کرتے تھے - ان کے پاس رنگ کی تختیاں بھی نہیں تھیں - وہ خود ہی ضرورت کے مطابق چند رنگ تیار کر لیتے تھے یہ سب عوام میں سے اُٹھے اور وقت کے امراء باہم رزم و پیکار میں

---

[1] Grand Master

اس درجہ منہمک تھے کہ کسی دوسری چیز کے لیے فرصت ہی نہ ملتی تھی۔ البتہ انھوں نے فنکاروں کی سرپرستی ضرور کی۔ اِس سلسلے میں وہ ایک دوسرے پر سبقت لے جانا چاہتے تھے۔ اس طرح ان کے شہروں کو فائدہ پہنچا۔ مشہور خاندانوں میں سے میدیچی، کولونا[1]، دی ایستی اور ملاتستا[2] تھے، جن کی آرزو تھی کہ وہ تصویروں کے ذریعے سے غیرفانی بن جائیں۔ چند اصحاب کو مستثنیٰ کرنے کے بعد تخلیقی فنکار معمولی خاندانوں میں سے اُٹھے۔ ہم دیکھ چکے ہیں کہ جیوٹو گڈریا تھا۔ پولائیولو[3]، جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے، مرغیاں پالنے والے کا بیٹا تھا۔ تنتوریتو[4] کا باپ رنگریز تھا اور جرلینڈایو[5] کا باپ ہار بناتا تھا۔ فلیپو لپی[6] اور اُسیلو[7] حجام کے بیٹے تھے۔ منٹگنا[8] ایک کسان کے گھر پیدا ہوا۔ باقی رہا شہرۂ آفاق لیوناردو داونسی تو وہ ایک دہقانی لڑکی اور ناظر رجسٹری کا بیٹا تھا۔

اٹلی میں جیوٹو کی وفات (۱۳۳۷ء) اور مائیکل اینجلو بوناروتی[9] کی پیدائش (۱۴۷۵ء) کے درمیان متعدد عمدہ فن کار پیدا ہوئے، لیکن معلوم ہوتا ہے اس عظیم القدر شخصیت (مائیکل اینجلو) —جس نے شاعری میں بھی مجسمہ طرازی کے برابر شہرت حاصل کر لی تھی— نے بیشتر کے تمام مشاہیر کی مشترکہ صلاحیتوں کو انسانی کوشش کی انتہائی بلندیوں پر پہنچا دیا۔ فلارنس کے قریب کیپریز[10] ایک قصبہ ہے، وہاں اس کا باپ مقیم تھا

---

۱ Colonna ۔ ۲ Malatesta ۔ ۳ Pollainolo ۔ ۴ Tintoretto

۵ Ghirlandaio ۔ ۶ Filippo Lippi ۔ ۷ Uccello

۸ Mantegna ۔ ۹ Buonarroti ۔ ۱۰ Caprese

اور وسائل اچھے نہ تھے۔

بچپن میں مائیکل اینجلو دودھ پلانے کے لیے جس عورت کے حوالے ہوا، اس کا شوہر سنگِ مرمر کاٹا کرتا تھا۔ مائیکل اینجلو کہا کرتا تھا کہ اس عورت کے دودھ سے فنونِ لطیفہ کی محبت میری رگ رگ میں رچ گئی۔ اس نے ابتدا ہی میں باپ سے کہہ دیا کہ میں مصوری اور سنگتراشی سیکھوں گا۔ باپ جس کا نام لوڈو ویکو[1] تھا، اس پر سخت پریشان ہوا اور اجازت دینے سے انکار کر دیا۔ جب مائیکل اینجلو تیرہ سال کا تھا تو جرلینڈایو کی کارگاہ میں شاگرد بن جانے کی اجازت دے دی۔ اس لڑکے کی صلاحیتیں اتنی حیرت انگیز تھیں کہ عظیم الشان لورینزو دی میدیچی اسے اپنے محل میں لے گیا اور اپنے خاندان کا رُکن بنالیا۔ مائیکل اینجلو کی عمر سترہ سال تھی، جب اس نے محبت کے دیوتا کیوپڈ کا مجسمہ اس کی حالتِ خواب میں تیار کیا۔ یہ مجسمہ اس درجۂ کمال پر پہنچا ہوا تھا کہ ایک بد دیانت دکاندار نے اسے زمانۂ قدیم کا ایک شاہکار قرار دے کر فروخت کر دیا۔

اس زمانے میں غیر معمولی صلاحیتوں کے لوگ جلد درجۂ کمال پر پہنچ جاتے تھے۔ عنفوانِ شباب ہی میں مائیکل اینجلو نے سنگ مرمر سے ایک مجسمہ تیار کیا، جس میں مریم عذراء نے مسیحؑ کا جسد گود میں لے رکھا تھا۔ اِس مجسّمے میں اتنی قوّت اور اس درجہ نزاکت ہے کہ اسے دیکھ کر مائیکل اینجلو کے عہد کے لوگوں میں بھی ایک خاص جوش اور کیفیت

---

[1] Ludovico

پیدا ہوجاتی تھی اور بعد کی صدیوں میں بھی یہی حالت پیش آتی رہی۔ تیس سال کی عمر سے پیشتر ہی مائیکل اینجلو کو اٹلی کا عظیم ترین مجسمہ تراش مان لیا گیا۔ اس نے کرارا کے سنگِ مرمر کے ایک ٹکڑے سے داؤد کا مجسمہ مکمّل کیا، جسے دوسرے مجسمہ طراز نے تقریباً برباد کرڈالا تھا۔

پوپ جولیس دوم کو عظمت شناسی کی بصیرت بھی حاصل تھی اور یہ بھی چاہتا تھا کہ خود غیرفانی بن جائے۔ چنانچہ اس نے مائیکل اینجلو کو بلاکر اپنی یادگار بنانے کا کام سونپ دیا۔ اُس وقت سے روابط کا وہ سلسلہ شروع ہوا، جو خاصی مدّت تک جاری رہا — یہ سلسلہ فنِ مصوّری کے لیۓ حد درجہ حیرت انگیز تھا، لیکن فن کار کے لیے بے حد روح فرسا ثابت ہوا۔ پوپ جولیس میں یہی عیب نہ تھا کہ وہ ہر بات میں دخل دیتا، رائے بھی اس تیزی سے بدل لیتا کہ متعلقہ آدمی خواہ مخواہ مشتعل ہوتا۔ چنانچہ پوپ اور مائیکل اینجلو میں اکثر جھگڑا ہوتا رہتا۔ آخر مائیکل اینجلو نے مایوس ہوکر کام چھوڑ دیا اور فلارنس چلاگیا۔ لیکن پوپ جولیس نہیں چاہتا تھا کہ شہر مقدّس کو حسین وجمیل بنانے کا جو خاکہ اس نے تیار کر رکھا تھا، اس میں فنکار کا مزاج خلل ڈال سکے۔ چنانچہ پھر مائیکل اینجلو کو بلا لیا گیا تاکہ سسٹین[1] نام گرجے کی چھت آراستہ کردے۔

مائیکل اینجلو نے تکوینِ کائنات، آدم و حوّا کی تخلیق اور طوفان کی تصویریں تیار کرنے میں چار ہنگامہ خیز سال گزارے۔ دس ہزار

---

[1] Sistine Chapel ویٹیکن میں پوپ کا خاص گرجا۔

مربع فٹ کی سطح پر اس نے تن تنہا نہایت زبردست تصویریں بنائیں یہ تصویریں بنانے کے سلسلے میں اسے پاڑ پر پشت کے بل لیٹے رہنا پڑتا اور پاڑ چھت سے صرف تین چار فٹ نیچی تھی۔ اس کا جسم دکھنے لگتا۔ بازو سُن ہو جاتے۔ انگلیاں اینٹھ جاتیں، لیکن وہ برابر کام میں مصروف رہتا۔ جب پوپ نے اسے کام کے لیے آزاد چھوڑ دیا اور کہہ دیا کہ اب میں کوئی رائے نہ دوں گا تو وہ بہت شکر گزار ہوا ایک موقع پر پوپ نے اسرار کیا کہ میں بھی ساتھ ہی پاڑ پر بیٹھوں گا۔ تصویریں دیکھنے کے بعد پوپ نے تجویز پیش کی کہ مائیکل اینجلو کو انبیائؑ کے لباس پر زیادہ سونا استعمال کرنا چاہیے تاکہ تصویروں کی شان بڑھ جائے۔ فنکار نے پریشان ہو کر کہا: مقدس باپ! اُس زمانے میں اللہ کے بندے سونے سے مزین لباس نہیں پہنتے تھے۔"

جب کام مکمل ہو گیا تو یہ مصوری کا اعجوبہ تھا اور اب تک اعجوبہ چلا آتا ہے۔ جو لوگ یہ تصویریں دیکھنے کے لئے اجازت پاتے ہیں، وہ اسی طرح بنچوں پر پشت کے بل لیٹ جاتے ہیں جس طرح مائیکل تصویریں بناتے وقت پاڑ پر لیٹ جایا کرتا تھا۔ صرف چھت کی تصویروں میں تین سو پینتالیس مختلف شکلیں ہیں، جن میں سے بعض دس دس فٹ اونچی ہیں۔ ایک نہایت عمدہ تصویر ہے کہ آدمؑ کی تخلیق ہو چکی ہے۔ خدا کی انگلیاں اُسے چھو رہی ہیں اور خدا بادلوں کی طرح لہراتے ہوئے لباس میں اپنے قوی بازو سے سراپا تعجب اور نیم ہراس زدہ حوّاؑ کی حفاظت کر رہا ہے۔ ایک اور تصویر میں آدمؑ و حوّاؑ باغِ عدن کے اندر بیٹھے ہیں۔ عین اُس وقت سانپ اُنھیں سیب کھانے کی ترغیب دیتا

ہے ۔ اس کی دُم درخت میں لپٹی ہوئی ہے ۔ ان تصویروں کے علاوہ مائیکل اینجلو نے سسٹین گرجے میں یوم الحساب کی تصویر بھی بنائی، جو پوپ پال سوم نے بنوائی تھی ۔ اس میں بھی سیکڑوں شکلیں ہیں، جن سے ہیبت خیز شان و شکوہ نمایاں ہے ۔

مائیکل اینجلو نے داؤدؑ کے مجسّمے کے علاوہ موسیٰؑ کا مجسمہ بھی بنایا اور وہ زنجیروں میں جکڑے ہوئے غلاموں کے مجسمے بھی تیار کیے، جو اصلاً پوپ جولیس دوم کی قبر کے لیے بنائے گئے تھے ۔ سان لورینزو کے گرجے (فلارنس) کا مجسمہ سب سے بہتر مانا جاتا ہے ۔ یہ میدیچی کی یادگاروں پر چار ٹیک لگائی ہوئی شکلیں ہیں ۔

مائیکل اینجلو نے نواسی سال کی عمر میں وفات پائی ۔ تصویروں اور مجسموں کے بے شمار حسین و جمیل کارناموں کے علاوہ اس نے سینٹ پیٹر کے گرجے کی عمارت میں بھی حصّہ لیا ۔ نیز بہت سے مقبروں اور فوّاروں کے نقشے تیار کیے اور بہت سے سانیٹ بھی چھوڑے، جو وٹوریا کولونا کو مخاطب کرکے لکھے گئے تھے ۔ بعض مذہبی اور فلسفیانہ تحریرات بھی اس سے یادگار ہیں ۔ اسے دورِ احیاءِ علوم کا ایک مثالی فرد قرار دینا چاہیے، یعنی ایک آفاقی آدمی ۔

ایک اور شخص بھی ہے، جو مائیکل اینجلو کا ہمسر قرار دیا جاسکتا ہے، یعنی لیونارڈو دا ونسی، جو ربع صدی پہلے پیدا ہوا ۔ اس کے متعلق یہ بتا دینا چاہیے کہ وہ متعدد صلاحیتوں کا حامل تھا، اس لیے کوئی بھی

ط Vittoria

صلاحیت درجۂ کمال پر نہ پہنچا سکا۔ وہ غیر معمولی حد تک حسین وجمیل تھا اس کا چہرہ اور جسم دیوتاؤں کے سے تھے۔ وہ ساز بجاتا، گاتا، نظمیں لکھتا، موسیقی کی دُھنیں تیار کرتا۔ اس نے مصوری بھی کی۔ بڑے بڑے مجسموں کے نمونے بھی بنائے، طب بھی پڑھی۔ سائنٹفک تجربے بھی کیے۔ تشریح الاجسام کا علم مکمل کرنے کے لیے وہ جنگی میدانوں میں پہنچتا رہا۔ وہاں لاشوں کے خاکے تیار کرتا۔ وہ ریاضی دان، ہیئت دان اور انجینئر بھی تھا۔ اس نے ایجادیں بھی کیں، لیکن وہ اپنے وقت سے بہت آگے تھا اور اس نے طیاروں، کیمروں اور آبدوزوں کے جو نقشے احتیاط سے بنائے تھے، ان کی اہمیت کا اندازہ کئی پشتوں کے بعد ہو سکا۔ فنِ معماری میں بھی اسے کمال حاصل تھا۔ چنانچہ اس نے میلان کا گرجا بنانے میں امداد دی۔ انجینئر کی حیثیت سے مورتسینا[1] کی نہر بنائی۔ ایک جنگی مشین بھی تیار کی، جس سے سیزر بورجیا نے کام لیا۔ لیونارڈو سیزر بورجیا کے لیے اسلحہ اور دمدمے بنوایا کرتا تھا۔ اس امر پر تعجب ہوتا ہے کہ اتنی مختلف النوع صلاحیتوں کے باوجود اس نے خاصی چیزیں بطور یادگار چھوڑیں۔

اگر ووٹ لیے جائیں کہ دنیا میں مشہور ترین تصویر کونسی ہے تو اغلب ہے کہ زیادہ ووٹ مونالیزا[2] یعنی پُراسرار تبسم والی وہ خاتون پائے جس کی تصویر "لوور[3]" (پیرس) میں ہے لیونارڈو نے چار سال یہ تصویر بنانے میں صرف کیے۔ پانچ صدیاں اس کی سحر انگیزی اور کشش کی توضیح میں گزر چکی

---

[3] Louvre [2] Mona Lisa [1] Mortesana

ہیں۔ اس کے گرد افسانوں کے طومار تیار ہو گئے۔ اسے عوامی گیتوں میں جگہ مل گئی۔ بایں ہمہ یہ اب تک ایک سربستہ راز ہے۔ اُس فن کار کے نزدیک بھی اس کی یہی کیفیت ہے جس نے فنی ہنرمندی کی گہرائیوں کو ناپنے کی کوشش کی اور محب مصوّری کے نزدیک بھی اس کی یہی کیفیت ہے۔

ماہرینِ فن کے نزدیک لیونارڈو کا شاہکار "عشاءِ ربّانی"[1] کی وہ تصویر ہے جو میلان کے گرجے "سانٹا میریا ڈیلا گریزی"[2] میں ہے۔ اس میں مسیحؑ کو حواریوں کے جھرمٹ میں دکھایا گیا ہے اور موقع وہ ہے جب مسیحؑ نے کہا تھا کہ تم میں سے ایک مجھے پکڑوائے گا، اگرچہ اس تصویر میں غفلت، وقت اور نمی کے باعث پہلے کی سی تازگی باقی نہ رہی پھر بھی لوگ بڑی عقیدت سے اس کی زیارت کے لیے جاتے ہیں۔

لیونارڈو دا ونسی اور مائیکل اینجلو کے درمیان رفائیلو سانزیو[3] (اوبینو) یعنی رفائیل ہے وہ ۱۴۸۳ء میں پیدا ہوا اور سینتیس برس کی عمر میں وفات پائی۔ رفائیل نے اپنی مختصر سی زندگی میں محض تصویریں ہی نہ بنائیں جن سے دنیا کے نگارخانے مزیّن ہیں بلکہ گرجوں کی دیواروں اور چھتوں پر بھی تصویریں بنائیں۔ سینٹ پیٹر کے گرجے میں معمار کی حیثیت سے بھی کام کیا اور روما میں بہترین قصروں کے نقشے تیار کیے رفائیل نے لیونارڈو اور مائیکل اینجلو کے محاسن میں ملائمت اور نفاست

---

[1] Lords Supper [2] Grazie [3] Raffelo Sanzio Raphaet

پیدا کرلی تھی ۔ اس نے بزرگوں اور مشہور آدمیوں کی جو تصویریں بنائیں انھیں عام انسانی قد و قامت کے مطابق لے آیا نیز ان میں شرافت اور نزاکت پیدا کردی ۔ اس نے مریم عذرا کی جو تصویریں بنائیں وہ آسمانی لباس میں مستور ہونے کے باوجود عام انسانوں کی طرح سانس لیتی نظر آتی ہیں ۔ رفائیل میں مائیکل اینجلو کی ہنگامہ جوشی اور لیونارڈو کی پُراسراری موجود نہیں اس نے جتنے بھی موضوع اختیار کیے انھیں صاف روشنی کی فضا میں رکھا ۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہ پردے سے نکل کر ناظر پر نور افگن ہیں ۔ اِس سلسلے میں صرف وہ تصویر دیکھ لینا کافی ہوگا جو واشنگٹن کے قومی نگارخانۂ فنون میں موجود ہے ۔ اِس سے رفائیل کی مصوّری کے اعجاز اور حبِ انسانیت کی حقیقی حیثیت واضح ہوسکتی ہے ۔

مائیکل اینجلو کی طرح رفائیل نے بھی ویٹیکن کا ایک ایوان اپنی تصویروں سے آراستہ کیا ۔ یہ اسی کے نام سے مشہور ہے ۔ ان تصویروں کے لیے اس نے دبستانِ ایتھنز کا انتخاب کیا ۔ کل باون تصویریں بنائیں جن میں افلاطون، ارسطو اور سقراط بھی موجود ہیں ۔

غرض مائیکل اینجلو، لیونارڈو اور رفائیل کو احیاءِ علوم کی مصوّری میں وہی درجہ حاصل تھا جو دانتے، پٹرارچ اور بوکیشیو کو ابتدائی ادبیات میں حاصل ہوا ۔ ان کے زمانے میں دوسرے ماہرینِ فنِ تعمیر اور مصوّر بھی موجود تھے مثلاً برامنتے[1] تھا جس نے سینٹ پیٹر کے گرجے

---

[1] Bramante

کا ابتدائی نقشہ تیار کیا۔ سینا کا پیروزی[1] تھا جس نے روم میں پلازو میسیمو[2] بنایا۔ جیان لورینزو برنینی[3] تھا جس نے سینٹ پیٹر کے سامنے ستونوں والے برآمدے تجویز کیے۔ جیاکوپو، سانسوویئو تھا جس نے سینٹ مارس کے چوک کے کتب خانے کا نقشہ بنایا۔ اس سے کسی قدر پہلے برونلیشی[4] تھا جس نے فلارنس کے گرجے میں ایک گنبد کا اضافہ کیا۔ مصوری میں ممتاز ترین درجہ فلارنس اور وینس کے لوگوں کو حاصل تھا۔ جیورجیون[5] دبستان وینس کا ایک بہترین مصور تھا صرف سینتیس سال کی عمر میں وفات پائی اس کی تصویروں سے جو کچھ نمایاں ہوتا ہے اسے اطالوی فن میں ندرت کی حیثیت حاصل ہے۔ یعنی وہ اپنی تصویروں میں فطری خوبصورتی کا حقیقی احساس پیدا کر دیتا ہے۔ ان کے علاوہ لوٹو[6]، ویرونیز[7]، تینتوریتو[8] اور ٹی شین[9] تھے۔

ہسپانوی حکمرانوں کے ماتحت ادبیات کی طرح فن بھی اپنی بلند حیثیت کھو بیٹھا اور شکل و ہیئت کی جگہ آرائش نے لے لی۔ تصویر میں جو فطری قوت ہوتی ہے وہ تو باقی نہ رہی مبالغے پر زور دیا جانے لگا۔ ایک ہجو گو شاعر سالواٹور روزا تھا جسے موسیقی اور مصوری میں بھی کمال حاصل تھا۔ اس نے وقت کے فنی تنزل کے خلاف صدائے احتجاج بلند کی۔ نہایت تلخ نظموں کے ذریعے سے اس نے اطالویوں میں ملک کے

---

1. Peruzzi of Siena
2. Palazzo Massimo
3. Lorenzo Bernini
4. Brunelleschi
5. Giorgione
6. Lotto
7. Veronese
8. Tontoretto
9. Titian

لیے روحانی واجبات کا احساس پیدا کرنے کی کوشش کی۔ بلکہ ہسپانویوں کے خلاف حملے شروع کر دئے جن کے ظلم و جور کو فنی تنزل کا ذمّہ دار ٹھہرایا۔

اِس زمانے میں لوگ تفریح کی غرض سے پیشہ ور ایکٹروں کے کھیل دیکھنے جاتے تھے۔ اُن ایکٹروں کے سامنے لکھے ہوئے ڈرامے نہیں ہوتے تھے وہ کوئی ایک مناسب موضوع چن لیتے جو ان کی رائے میں عوام کو پسند ہوتا اسے اداکاری کے ذریعے پیش کرتے اور مکالمے موقعے پر تیار کر لیتے۔ رفتہ رفتہ کرداروں کی شخصیتیں نشو و ارتقا پاتی رہیں اور آخر ہمارے سامنے عظیم القدر اداکار آگئے مثلاً ہارلے کوین[1]، پینٹالون[2] کولمبائن[3] اور پیروٹ[4]۔ یہیں سے طربیہ ڈراموں کا آغاز ہوا۔ اٹھارھویں صدی میں وینس کے کارلو گولڈینی[5] نے اسے اوّل شکل دے دی۔ اس کا ڈرامہ "سرائے کی مالکہ[6]" لطائف اور لطیف مزاح سے بھرپور ہے اور اب تک اس کی نمائش ہوتی ہے۔

اطالوی موسیقی کے رسیا تھے لہٰذا اُمید یہی تھی کہ وہی سب سے پہلے ڈرامے اور موسیقی میں امتزاج پیدا کر کے غنائیہ کی ابتدا کرتے۔ قابلِ ذکر امر یہ ہے کہ ہمیں غنائیہ کے آغاز کا مقام اور تاریخ تک معلوم ہے۔ ۶ اکتوبر ۱۶۰۰ء کو شاہزادی میریا میدیچی[7] کی شادی ہنری

---

[1] Harlequin [2] Pantaloon [3] Columbine

[4] Pierrot [5] Carlo Goldoni [6] Mistress of the Inn

[7] Maria de'Medici

چہارم شاہِ فرانس سے ہوئی - اس تقریب پر فلارنس میں شاہزادی کے لیے ایک جشن ترتیب دیا گیا اور تقریب کی سب سے بڑی نمائش یہ تھی کہ یوری ڈیسی[1] کا ڈراما دکھایا گیا - یعنی آرفیئس[2] نے عالم اسفل میں اپنی مردہ بیوی کی تلاش کیونکر کی - اس کے لیے موسیقی جیکوپو پیری[3] نے تیار کی جو مشہور شاعر اوٹیویو رونی سینی[4] کے اشعار پر مبنی تھی -

یہ پہلا موقع نہیں تھا کہ دونوں (یعنی پیری اور رونی سنی) اکٹھے ہوئے - چھ سال پیشتر وہ اس طرح ایک غنائیہ "ڈالفن[5]" کے نام سے تیار کر چکے تھے - یہ پہلا جذباتی ڈرامہ تھا لیکن اس کا مطلب وہ نہیں جو ہم آجکل سمجھتے ہیں - جن اطالویوں اور دوسری قوموں نے جلد سے جلد اسے اختیار کر لیا وہ جذباتی ڈرامے کو ایسا کھیل سمجھتے تھے جس کے ساتھ موسیقی ہو - ایسے ڈراموں کو ہم آجکل غنائیہ کہتے ہیں چونکہ پہلے پہل یوری ڈیسی کی نمائش ہوئی تھی اس لیے وہ بھی ہمارے نزدیک غنائیہ کی ابتدائی مثال ہے -

اس قسم کا ڈرامہ بہت جلد مقبول ہو گیا - اعلیٰ درجے کے شاعر اور موسیقار اپنی صلاحیتیں اس کے لیے وقف کرنے لگے - ان غنائیہ ڈراموں کے لیے غالباً کلاڈیو مونٹ وردی[6] کی موسیقی حد درجہ جمیل ہے. ایسے بہترین ڈرامے پینزو[7] ، بیتاستیو[8] نے مہیا کیے جو سب کے

---

[1] Eurydice [2] Orpheus [3] Jacopo Peri
[4] Ottavio Rinuccini [5] Daphne [6]
[7] [8]

نزدیک انتہائی قدر و منزلت کا مرجع تھا۔ اس نے پُرانے زمانے کی کہانیاں اپنے عہد کے حالات کے مطابق بنا کر پیش کیں۔

اس ابتدائی زمانے سے ہمارے عہد تک اطالوی موسیقی کی تدوین میں ممتاز درجے پر فائز رہے۔ اٹھارھویں صدی میں اطالویوں کی جو کلاسیکی موسیقی تھی اسے آج بھی بہت پسند کیا جاتا ہے۔ سازوں کی دلآویز موسیقی کے ماہروں میں ووالڈی[1] اور کوریلی[2] غالباً سب سے بڑے تھے۔ پھر غنائیہ میں چیرو بینی[3] نے امتیاز حاصل کیا۔ بعد ازاں روسینی[4] نے نام پایا، جس کے غنائیہ کھیلوں میں "سیویل کا حجام[5]" اور ولیم ٹیل[6] آج بھی سامعین کو اپنی طرف کھینچتے ہیں۔ بیلینی[7] نے نارما[8] کے حسنِ ترنم کے باعث شہرت پائی جو اس کی مختصر سی زندگی کا سب سے بڑا کارنامہ ہے۔ ڈونی زیٹی[9] نے لوسیا دی لیمر مور[10] کے باعث ہر دلعزیزی حاصل کی۔ ہمارے عہد سے قریب تر پوسینی میسکیگنی[11]، ریسپیگھی[12] ہوئے۔ ریسپیگھی نے "ڈوبا ہوا گھنٹہ[13]" مرتب کیا۔

لیکن جس شخص نے طویل اور بہت نتیجہ خیز زندگی گزاری اور بے شمار چیزیں مدوّن کیں وہ جیوزف وردی[14] تھا۔ وہ ۱۸۱۳ء میں پیدا ہوا اور ۱۹۰۱ء

---

[1] Vivaldi
[2] Corelli
[3] Cherubini
[4] Rossine
[5] Barber of Sville
[6] William Tell
[7] Bellini
[8] Narma
[9] Donizetti
[10] Lucia di Lammermoor
[11] Puccini Mascagni
[12] Respighi
[13] The Sunken Bell
[14] Guiseppo Verdi

میں وفات پائی - وہ غنائیہ کا ماہر ترین اُستاد تھا - اس نے زندگی کا بیشتر حصّہ اس حالت میں گزارا جب اٹلی پر آسٹریا کا جبر و تشدد جاری تھا - وردی جب کبھی کوئی غنائیہ پیش کرتا تو اکثر اس موقع پر حبِ وطن کے مظاہرے ہوتے - جس زمانے میں خاندان سیوائے[1] کے رئیس کو اٹلی کا بادشاہ بنانے کی تجویزیں ہو رہی تھیں تو لفظ "وردی" کے حروف کا مطلب یہ سمجھا جاتا تھا کہ وکٹر عمانویل ری دا اطالیہ یعنی شاہ اٹلی - اِس طرح محبانِ وطن سزا کی طرف سے مطمئن ہو کر جتنا شور چاہتے مچاتے -

آجکل وردی کے غنائیے عام ہیں - موسم بہ موسم موسیقی کے رسیا دنیا بھر سے آکر اس کے مختلف غنائیوں سے شادکام ہوتے ہیں - اطالویوں کے نزدیک وردی کا نام موسیقی اور آزادی سے لاینفک طریق پر وابستہ ہو گیا ہے۔

لیکن ہمیں ان مردوں اور عورتوں کو نذرِ تغافل نہ کرنا چاہئے جنھوں نے اُستادوں کی موسیقی گاکر پیش کی - ایک حیرت انگیز گویا نیپلز کا ایک شخص کارلو بروشی[2] یا فیری نلی[3] نام سے وہ اٹھارھویں صدی میں مشہور تھا - وہ بلند آواز سے گایا کرتا تھا - صرف اٹلی ہی کے بڑے شہروں میں نہیں بلکہ وی آنا ، پیرس اور لندن میں اس کی محفلیں منعقد ہوئیں۔ لندن میں شاہزادہ ویلز نے اسے تحائف سے لاد دیا - اس نے سب سے بڑی کامیابی ہسپانیہ میں حاصل کی جہاں ملکہ نے اسے بلا لیا - وہاں فلپ پنجم کو مالیخولیا کی بیماری تھی - جب تک بادشاہ زندہ رہا فیری نلی ہر رات چار محبوب گیت سُناکر بادشاہ کو سُلا دیتا - اس پر تعجب نہ ہونا

---

[1] Savoy [2] Carlo Broschi [3] Farinelli

چاہیے کو فلپ پنجم اور اس کے جانشین فرڈیننڈ کے ماتحت فیری نلی وزیرِ اعظم کے منصب پر فائز رہا۔ تاریخ میں اپنی نوعیت کا یہ پہلا واقعہ تھا کہ ایک گویا سیاسیات میں اتنے اونچے مرتبے پر پہنچا۔

ایزیکو کاروسو[1] نے ۱۹۲۱ء میں وفات پائی۔ وہ اپنی شیریں آواز کے لیے دنیا بھر میں مشہور تھا۔ اب یہ آواز صرف گراموفون کے ریکارڈوں پر سُنی جاسکتی ہے۔ یہی کیفیت اس کے دوسرے مشہور معاصروں تماگنو[2]، بونسی[3]، سکوتی[4] اور دوسروں کی ہے۔ بن یامینی گیگلی[5]، ازیو پنزا[6]، سیزر سیپی[7]، فیرسیو تگلیاوینی[8]، ٹیٹو بوبی[9] اور دوسرے گویتے بڑے بڑے شہروں کے طرب خانوں میں گاتے تھے، ہزاروں آدمی ان کا گانا سُنتے تھے، بہت سی موسیقار عورتوں نے بھی درجۂ کمال حاصل کیا۔ مثلاً ایدالینا پتی[10]، لوئیسا ترازینی[11]، کلاڈیا میوزیو[12]، ایمالیٹا گیلیکرسی[13]، لیسیا البانز[14]، برونا کیسٹاگنا[15]، ایب سٹگنانی[16]، لینا پیگلیوگھی[17]، میریا کینگھیا[18]، اینیٹا سرکویٹی[19] اور بہت سی دوسری عورتیں۔

غنائیہ کے منتظموں میں سے آرتیورو ٹاسکانینی[20] نے سب سے زیادہ شہرت پائی۔ اگرچہ اس نے بہت سے قابل شاگرد بھی چھوڑے۔

---

[1] Enrico Caruso [2] Tamagno [3] Bonci [4] Scotti

[5] Beiamino Gigli [6] Ezio Pinza [7] Cesare Siepi

[8] Taglivini Ferruccio [9] Titto Bobbi [10] Adelina Pati

[11] Luisa Totrazzin, [12] Claudia Muzio [13] Amelita Galli Curci

[14] Licia Albanese [15] Bruna Castagna [16] Ebe Sitignani, [17] Lina Pagliughi

[18] Maria Canighia [19] Anita Cerquetti [20] Arturo Toscanini

دسواں باب

بڑے شہروں کی سیر

جب اٹلی میں یونیورسٹیوں کی بنیاد رکھی گئی تو کسی کی تعلیم اُس وقت تک مکمل نہیں سمجھی جاتی تھی، جب تک وہ اٹلی کا دورہ نہیں کرلیتا تھا۔ گیارھویں صدی کے اوائل میں بولونا کی یونیورسٹی نے بین الاقوامی پیمانے پر کام شروع کیا۔ اُس وقت سے اتنے زیادہ طلبہ آنے لگے تھے کہ ان کے قیام و طعام کے لیے خاص ضابطے بنا دینے کی ضرورت پیش آئی۔ پھر اٹلی کے دَور و سیر کی روایت برابر قائم رہی۔ محض طلبہ ہی نہیں بلکہ ہر وہ شخص اس ملک کی سیر ضرور کرتا، جسے تہذیب، جمالیات، فنونِ لطیفہ اور زندگی کے معاملات سے دلچسپی ہوتی۔

اب ہم بھی مختصر سا دور و سیر شروع کر رہے ہیں، لیکن صرف نہایت اہم شہروں ہی میں جا سکتے ہیں۔ اگر ہمیں آثارِ قدیمہ کی تلاش ہوتی تو سسلی یا جنوبی اٹلی جاتے اور یونانی، قرطاجنی، فنیقی اور عرب تہذیب کے آثار دیکھتے۔ اگر ہمیں بالکل ابتدائی دَور کے انسان سے دلچسپی ہوتی تو ہم اوٹورینٹو[1] کے نزدیک روما نیلی[2] کے غار یا لیگوریا میں

---

[1] Otoranto اٹلی کے جنوبی و مشرقی گوشے کا ایک مقام۔

[2] Romanelli

گریمالڈی کے غار دیکھتے - وہاں ہم ہڈی کے بنے ہوئے اوزار دیکھتے، جو ہزاروں سال پیشتر بنائے گئے رہتے یا چٹانوں پر بنی ہوئی تصویریں دیکھتے جو بہت مدت پہلے ہمارے اجداد نے بنائی تھیں - ساتھ ہی ہم سارڈینیا جاتے اور اُن عجیب و غریب مخروطی عمارتوں کی اصل و ابتدا پر غور کرتے جو سیاہ لاوے کے بلاکوں سے بنائی گئیں - ہمیں بھی سوال کرنے کی ضرورت پیش آتی: "یہ عمارتیں کس نے بنائیں؟ کب بنائیں؟ کیا یہ قلعے تھے یا مقبرے؟" ہمیں ان سوالوں کا کوئی جواب نہ ملتا، کیونکہ آثارِ قدیمہ کے ماہر ابھی تک کچھ معلوم نہیں کر سکے۔

آئیے، اپنا دورہ شروع کریں - ہم نے ایک اطالوی جہاز پر سوار ہوکر اوقیانوس عبور کیا اور جنوب کا راستہ اختیار کیا - ہم کچھ دن پیشتر بحیرۂ روم میں داخل ہوتے ہی اس کے نیلے پانیوں سے متاثر ہوئے تھے اور نیپلز کی بندرگاہ ہمارے مد نظر تھی - یہاں پہنچنے تک ہم بحیرۂ روم کے نیلگوں پانیوں سے خوگر ہو چکے ہیں - بہ ایں ہمہ دیکھئے خود اس بندرگاہ کی خلیج کا پانی کتنا گہرا نیلا ہے - سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا واقعی یہ نیلا ہے؟ سامنے دیکھئے، ساحل کے ساتھ ساتھ پانی کا رنگ اتنی تیزی سے بدل رہا ہے، گویا کوئی شخص جادو کی چھڑی گھما رہا ہے - یہاں پہنچ کر بہ آسانی یقین ہو جاتا ہے کہ دنیا کے اسی حصے میں بحری ساحرات[1] رہتی تھیں - کیا معلوم نہیں کہ یولیسس[2] کے پردار جہاز اس طرف آئے تھے، تو

---

[1] Sireus یہ نیم انسانی اور نیم ماہی مانی جاتی تھیں - قدیم زمانے کے لوگوں کا عقیدہ یہ تھا کہ گانے سے لوگ مسحور ہوکر ان کے قبضے میں چلے جاتے تھے۔ [2] Ulysses جس کے متعلق ہومر نے اپنی دوسری نظم اوڈیسے لکھی۔

کیپری[1] کے قریب چٹانوں پر ساحرات نغمہ ریزی میں مصروف تھیں تاکہ ملاحوں کو مسحور کرکے پھندے میں پھانس لیں؟ یولیسس زیادہ دانشمند تھا۔ اس نے ملاحوں کے کانوں پر مہریں لگادیں۔ وہ گیت نہیں سُن سکتے تھے، لہٰذا جہاز بہ خیر و عافیت بچ کر نکل گئے۔ کانوں کا انتظام تو کرلیا گیا، مگر سوال یہ ہے کہ آنکھوں کو جادو سے محفوظ رکھنے کے لیے اس نے کیا کیا؟ یقینی ہے کہ وہ اس نیلی خلیج سے مسحور ہوگئے ہوں گے، جو پانی، چٹانوں اور روشنی کی ملی جلی تخلیق سے پریوں کا مامن بن گیا ہے۔ آج بھی ہزاروں لوگ اس کے لحظہ بہ لحظہ بدلنے والے اور مستقل جمال سے کھچے چلے آتے ہیں۔

اہلِ نیپلز کا خیال ہے کہ ان کی بندرگاہ دنیا بھر میں سب سے زیادہ خوب صورت ہے۔ یقیناً ایسی بندرگاہ اور کہیں نہیں، اگرچہ حسنِ منظر کی دلآویزی کے اعتبار سے املیفی کو یگانہ حیثیت حاصل ہے جو نیپلز سے تھوڑی دُور جنوب میں ہے۔ گرمی کے موسم میں املیفی کے گھوڑے یہاں نہلانے کے لیے لائے جاتے ہیں۔ وہ پانیوں میں اُچھلتے کودتے ہیں۔ جس شخص نے جھاگ والے نیلم جیسے پانیوں میں ان کے تیرنے کا منظر دیکھا ہے، وہ اسے کبھی فراموش نہیں کرسکتا۔

نیپلز میں مکانات درجہ بدرجہ چلے جاتے ہیں۔ کسی کا رنگ سفید ہے، کسی کا پیلا اور کسی کا خاکی۔ ان سب پر امتدادِ زمانہ کے آثار نمایاں ہیں۔ دُور سے دیکھیں تو معلوم ہوتا ہے، شہر نہیں، بہت بڑا تھیئٹر

---

[1] Capri

ہے - جہاں لکڑی کا فرش ہونا چاہئے ، وہیں بندرگاہ کا نیلگوں پانی ہے - درجہ بدرجہ مکانوں کے اوپر نیلگوں آسمان چھایا ہوا ہے - دائیں جانب ویسوویس کی عالیشان ڈھلان ہے -

جن لوگوں نے نیپلز کو دوسری جنگ سے پیشتر دیکھا تھا ، ان کے دل پر دورانِ جنگ کے نقصانات سے حسرت طاری ہوجاتی ہے۔ چونکہ یہ اٹلی کا دوسرا بڑا شہر تھا اور جنگی نقطۂ نگاہ سے بے حد اہم تھا اس لئے اتحادی فوجوں نے اس پر شدید بمباری کی - اس کی خوبصورت بندرگاہ کا بڑا حصّہ اس طرح برباد ہوگیا کہ اس کی مرمّت مشکل ہے۔ شہر کے اکثر حصّے کھنڈر رہ گئے . ہزاروں آدمی دب کر مرگئے .

اس شہر کی تاریخ تقریباً تین ہزار سال پیشتر جاتی ہے اور وہ خاصی ہنگامہ پرور ہے لہٰذا وہ ہر تغیر کو سکون و اطمینان سے انگیز کرسکتا ہے ، لیکن یہ کام آسان نہیں اور اہلِ نیپلز کے چہروں سے یہی ظاہر ہوتا ہے ، وہ اٹلی کے باشندوں میں سب سے بڑھ کر طبعی اور محبت پرور ہیں - ان کے مزاج طفلانہ مگر دانشمند ، خوش باش ، بلند آہنگ ، افسردہ خاطر اور تلخ ہیں - جلد جوش میں آجاتے ہیں اور جلد مطمئن ہو جاتے ہیں - فیاض اتنے کہ غریب بازاری لڑکے کے پاس چھوٹے سے چھوٹا ایک بھی سکہ ہوگا تو بے تکلف آپ کے حوالے کردے گا ، لیکن دادوستد میں ایسے سخت کہ سودا بیچنے والی عورت ایک آنے کے لئے نصف گھنٹے تک کشمکش جاری رکھے گی - وہ حد درجہ مذہبی اور ساتھ ہی توہم پرست ہیں - ایک حسین و جمیل لڑکی نے صلیب بھی گلے میں ڈال رکھی ہوگی اور نظرِ بد سے بچنے کے لئے مونگے کا کوئی تعویذ

بھی اس کے ساتھ ہوگا - اس قسم کے تعویذ دیوی ڈائنا[1] کی عبادت کے وقت سے چلے آتے ہیں، جس کا معبد اب کھنڈر کی حالت میں بائی آئی[2] کی پہاڑی کے پہلو میں ہے۔

نیپلز کا سرپرست بزرگ سینٹ جنوریس[3] ہے، جسے اہلِ نیپلز سان جناروس[4] کہتے ہیں - اس کا گرجا تیرھویں صدی میں بنا تھا، لیکن اس گرجے کی خاص نمازگاہ چار سو سال پیشتر بنی اور اس پر دس لاکھ ڈالر سے زیادہ رقم خرچ ہوئی - اس میں بزرگ کا جما ہوا خون دو چھوٹے چھوٹے ظرفوں میں رکھا ہوا ہے - یہ نہایت قیمتی متاع سمجھی گئی ہے - سینٹ جنوریس شہنشاہ ڈایوکلیشن کے عہد میں شہید ہوا تھا - شاہ قسطنطین کے وقت میں اس کی میت نیپلز لائے تو لوگوں نے ایک عجیب چیز دیکھی - ظروف کے اندر جو خون تھا وہ سیال بننے لگا - اب سال بھر میں ایک مرتبہ یہ واقعہ ضرور پیش آتا ہے۔

اہلِ نیپلز کے نزدیک یہ دن بڑا اہم ہے - نمازگاہ کو بڑے اہتمام سے سجایا جاتا ہے - جن بازاروں سے گزرتے ہوئے یہاں پہنچتے ہیں - ان میں شاندار قالین بچھا دئے جاتے ہیں - اسے بزرگ کا احترام قرار دیا جاتا ہے - یہ قالین پھولوں کی پتیوں اور پنکھڑیوں سے بنائے جاتے ہیں، جیسے سنگریزوں سے پچی کاری کی جاتی ہے - ان میں ایسی خوب صورت تصویریں بن جاتی ہیں کہ جلوس انھیں پامال کرتا ہوا گزرتا ہے تو افسوس

---

[1] Diana [2] Baiae [3] Ganuarus

[4] San Gennaro

ہوتا ہے۔

نماز گاہ میں لوگ خون کو سیال بنتے ہوئے دیکھتے ہیں تو گھٹنوں کے بل جُھک جاتے ہیں۔ مذہبی پیشوا دونوں طرف معتقدین کو دکھا کر بلند آواز سے پکارتا ہے: "اے بزرگ! اپنی کرامت دکھا"۔ اگر خون جلد سیال بن جائے تو اسے آئندہ سال کے لیۓ فالِ نیک سمجھا جاتا ہے۔ اگر آہستہ آہستہ سیال بنے تو لوگ حالتِ تشویش میں گھروں کو لوٹتے ہیں۔ مگر یہ تشویش زیادہ دیر تک قائم نہیں رہتی۔ زندگی بہرحال زندگی ہے اور ہر شخص اس سے زیادہ فائدہ اُٹھانے کی کوشش کرتا ہے۔ پھر یہاں گیلیریا امبرٹو[لے] اول موجود ہے، جہاں دن رات ہنگامہ بپا رہتا ہے۔ آیئے اس کی کسی چھوٹی سی میز پہ بیٹھ کر تھوڑی دیر کے لئے نیپلز کے باشندوں میں شامل ہو جائیں۔ ہمارے پہلو میں بیٹھنے والا قہوہ پی رہا ہوگا یا لذیذ اطالوی آئس کریم کھا رہا ہوگا۔ یہاں بہت سے اطالوی دوسرے شہروں سے بھی آتے ہیں اور اہلِ نیپلز بھی۔ غیر ملکی بھی یہیں جمع ہوتے ہیں آپ وہاں پہنچیں گے تو لوگوں کو انگریزی، فرانسیسی اور جرمن میں باتیں کرتے ہوئے پائیں گے سب ایک دوسرے کے دوست ہیں اور کوئی بات چیت میں تکلّف نہیں کرے گا۔

پاس کی میز پہ بیٹھا ہُوا مرد آپ سے کہے گا: "وہ سامنے کی عمارت آپ دیکھ رہے ہیں، جس کے دروازے مغربی ہیں؟" بیوی مسکرا رہی ہوگی، پھر مرد خود ہی بتائے گا: "یہ سان کارلو[لے] کا آپیرا ہاؤس

لے Galleria Umberto I　　لے San Carlo

ہے - یہ اپنی نوع کے بہترین مرکزوں میں سے ہے - صرف میلان کے لاسکالا[1]
کو اس پر تقدم حاصل ہے - آپ کو ضرور ایک مرتبہ وہاں جانا چاہیے۔
اور دیکھنا چاہیے کہ لوگ کسی اعلیٰ دھن پر ہوش و حواس کھو بیٹھتے ہیں
لیکن جس موسیقار کو وہ پسند نہیں کرتے، اس کی بدنصیبی قابل رحم ہے
شہرۂ آفاق کارؤسو بھی ابتدائی دور میں یہاں گانے آیا تھا اور لوگوں
نے "شی شی" کے آوازوں سے اسے پریشان کیا تھا - وہ خود نیپلز کا
تھا اور اس نے کہا کہ میں یہاں کبھی نہ آؤں گا اور اس نے کبھی نہ
گایا، لیکن کاش آپ اُس کا ماتمی جلوس دیکھتے، کیونکہ نیپلز کے سعید
فرزند کی طرح اس نے وفات یہیں پائی - آپ نے چوک کے بالمقابل وہ
دلچسپ مقام دیکھا ہے جس پر گنبد بنا ہوا ہے اور رومی دارالاصنام
کی طرح اردگرد ستونوں کی قطاریں کھڑی ہیں؟ یہ سان فرانسسکو دی پاؤلا[2]
کا گرجا ہے - یہیں کارؤسو کو دفن کیا گیا - ہر شخص اندر جانے کی کوشش
کرتا رہا جو نہ جاسکے، وہ چوک میں کھڑے گریہ و ماتم کرتے رہے۔
اہل نیپلز کا شیوہ یہی ہے - وہ پہلے ایک شخص کا خیر مقدم "شی شی"
سے کرتے ہیں، پھر اسے پوجنے لگتے ہیں - سالہا سال تک اس کا جسم
بلوری تابوت میں رکھا رہا - لوگ اسے دیکھتے تھے - اب یہ قصہ ختم ہوچکا
ہے...." گویا کہنے والا اس واقعے پر متاسف تھا -

چلتے چلتے ہم ایک قہوہ خانے کے سامنے ٹھہر جاتے ہیں، کیونکہ ایک
گروہ چک پھیری ناچ دکھارہا ہے - رباب اور چکارے بج رہے ہیں - ایک

---

[1] La Scala [2] San Francesco di Paola

شخص نے سُرخ ٹوپی، سفید قمیص، چمکیلی ریشمی پتلون پہن رکھی ہے اور سبز کمر بند باندھا ہے۔ بڑی پھرتی سے ناچ رہا ہے، اگرچہ اس کا وزن دو سو پونڈ سے کم نہ ہوگا۔ اس کے ساتھ جو عورت ہے۔ اس نے ڈھیلا ڈھالا لہنگا اور بلوز پہن رکھا ہے۔ دیکھنے میں وہ خانہ بدوش معلوم ہوتی ہے ان میں سے بہترین رقاص ایک چھوٹا سا لڑکا ہے، جس نے مرد جیسا لباس پہن رکھا ہے۔ وہ اس شوخی سے اُچھلتا، کودتا اور نعرے لگاتا ہے کہ جو طنبورے زمین پر پڑی ہے، اس میں سکوں پر سکے گر رہے ہیں۔ روایت یہ ہے کہ چک پھیری ناچ (ترنتیل) ایک مکڑی سے لیا گیا، جسے ترنتلا[1] کہتے ہیں۔ یہ مکڑی کسی شخص کو کاٹے تو وہ پیچ و تاب کھانے لگتا ہے، ویسے ہی پیچ و تاب اس ناچ میں دکھائے جاتے ہیں۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ ترنتلا اور ترنتیل[2] دونوں ٹرنٹو کے قصبے سے لئے گئے، جہاں یہ مکڑی ہوتی ہے اور جہاں سے چک پھیری ناچ کا ظہور ہوا۔ دیکھئے حقیقت نے افسانے کی دلآویزی پر کیا اثر ڈالا۔

نیپلز کا عجائب خانہ ضرور دیکھنا چاہئے، جسے میوزیو نازیونیل[3] (قومی عجائب خانہ) کہتے ہیں۔ یہ اٹلی کے نہایت اہم عجائب خانوں میں سے ہے اور یہاں یونانی و رومی سنگتراشی کے نہایت قیمتی نمونے موجود ہیں۔ ان میں سے بیشتر پومپیائی، ہرکیولینم اور آس پاس کے دوسرے شہروں سے آئے۔

نیپلز یونیورسٹی بھی قابلِ دید ہے جو فریڈرک دوم کے زمانے سے چلی آرہی ہے۔ نیپلز کے اس آبی مرکز کے لئے بھی ایک دو گھنٹے کی فرصت نکالنی

---

[1] Trantulla [2] Trantelle [3] Museo Nazionale

چاہیئے جہاں مچھلیاں اور دوسرے آبی جانور رکھے جاتے ہیں۔ یہاں آپ کو اُن آبی جانوروں کے حیرت انگیز نمونے مل جائیں گے، جو جزیرہ نما کے آس پاس کے پانیوں میں پائے جاتے ہیں۔ انھیں شیشے کے خانوں میں رکھا جاتا ہے تاکہ عوام دیکھیں اور سائنسداں فائدہ اُٹھائیں۔ یہ آبی ذخیرہ اتنا اہم ہے کہ باہر کے ملک سالانہ فیس ادا کرتے ہیں تاکہ ان کے طلبہ اس ذخیرہ سے فائدہ اُٹھاسکیں۔

نیپلز سے رخصت ہوں تو ورجل کے مقبرے کی زیارت ضرور کرلینی چاہیئے جو پوسی لیپو[1] میں ہے۔ اہلِ علم بتاتے ہیں کہ ورجل یہاں دفن نہیں البتہ یہ قبر اس کے زمانے کی ہے۔ معلوم نہیں یہاں کون دفن ہے ورجل کو پوسی لیپو سے بڑی محبت تھی اور وہ اسی مقام کو اپنا آخری مامن بنانا چاہتا تھا۔ وہ اس مقام پر کہیں بھی دفن ہو، گردو پیش کے حسن و جمال میں کوئی کمی نہیں آتی۔

ہم نیپلز سے حسرت کے ساتھ رخصت ہوتے ہیں اور سٹیشن سے شمال کی طرف جانے والی ٹرین میں بیٹھتے ہیں، جو روما جاتی ہے۔ اگر آپ دوسری عالمی جنگ سے کچھ عرصہ بعد اٹلی جاتے تو ریل کی سڑک بمشکل محفوظ ملتی۔ بمباری سے ریل کی سڑکیں اس طرح تباہ کردی گئی تھیں کہ مدت تک آمد و رفت معطل رہی۔ لوگوں نے ہمت سے کام لے کر تعمیرِ نو کا غیر ممکن کام اٹلی بھر میں جلد سے جلد مکمل کرلیا۔

نیپلز سے پچیس میل نکل آئیں تو کیسرٹا[2] کے دلچسپ قصبے میں

---

[1] Posilipo [2] Caserta

پہنچتے ہیں۔ یہاں نپولین کا بہنوئی میورا[1] اور اس کی بیوی کیرولین[2] شاہ و ملکہ نیپلز کی حیثیت میں دربار لگاتے تھے، جو شان و شکوہ میں ورسائی کے دربار کا حریف تھا، لیکن یہ سلسلہ زیادہ عرصہ تک قائم نہ رہ سکا۔ نپولین کے زوال کے بعد میورا گرفتار ہوا اور اُسے گولی ماردی گئی۔ میورا کو سلطنت نپولین ہی کی بدولت ملی تھی۔

ٹرین بڑی تیزی کے ساتھ قصبوں اور پہاڑیوں میں سے گزرتی جاتی ہے، جہاں زیتون اور انگور کی کاشت ہوتی ہے۔ روما ابھی دُور ہے، لیکن منظر خاصا بوقلمون ہے اور ہم اپنے ڈبے کی کھڑکیوں میں سے دیکھ دیکھ کر لطف اندوز ہوتے ہیں۔ کوئی بتاتا ہے کہ ہم کاسینو[3] پہنچ رہے ہیں۔ آیئے، اسے بھی دیکھ لیں۔ اگرچہ جس خانقاہ کے لیے اِسے دنیا بھر میں شہرت حاصل ہوئی، وہ تقریباً پوری کی پوری اُس وقت تباہ ہوگئی، جب اطالوی دو مصیبتوں میں اُلجھے ہوئے تھے، ایک طرف بے وفا نازی پیچھے ہٹ رہے تھے، دوسری طرف فاتح اتحادی بڑھے چلے آرہے تھے۔ جنگ کے بعد اس خانقاہ کے پتھر ملبے میں سے نکال نکال کر جمع کرلیے گئے اور خانقاہ جس حد تک ممکن تھا، ابتدائی شکل میں بحال کردی گئی۔ نئی عمارتیں بھی بنیں، لیکن قوم کے نزدیک سب سے بڑھ کر دلبستگی کا مرکز قدیم خانقاہ تھی جس کی قدامت پر سب کو فخر ہے۔

اطالویوں کو جنگ سے نفرت ہے۔ وہ ہمیشہ متنفر رہے۔ مگر ان کی تاریخ جنگوں سے لبریز ہے۔ مونٹی کاسینو ایک نشان کی حیثیت رکھتی

---

[1] Mura — [2] Caroline — [3] Cassino

ہے۔ خانقاہ ۵۲۹ء میں سینٹ بینی ڈکٹ[1] نے بنائی، جس نے اسی نام کے درویشوں کا نظام قائم کیا۔ یہ درویش اچھے کام کرتے اور مطالعے میں مصروف رہتے۔ ایک وقت میں مونٹی کاسینو یورپ بھر میں مسیحی تعلیم کا بہترین مرکز سمجھا جاتا تھا، لیکن ان مسکین درویشوں کو امن سے سانس لینا نصیب نہ ہوا۔ چھٹی صدی کے اختتام پر لنگو بارڈو نے خانقاہ برباد کر ڈالی۔ اسے پھر تعمیر کیا گیا۔ اس اثنا میں مسلمان آ پہنچے اور یہ خانقاہ برباد ہوگئی۔ تیسری مرتبہ تعمیر ہوئی تو چند صدیوں تک کوئی خاص واقعہ پیش نہ آیا۔ اس اثنا میں راہبوں نے مخطوطات کا اچھا ذخیرہ فراہم کرلیا۔ ایک سکول قائم کیا اور دورِ احیاء علوم میں ایک ایسا گرجا بنایا جو سونے اور پچی کاری سے جگمگاتا تھا۔ اس کے بیرونی دروازے کو ستونوں سے آراستہ کیا گیا، جو مسیحیت سے پیشتر کے ایک معبد سے نکالے گئے تھے۔ ایسے کاموں کو غیر معمولی نہیں سمجھا جاتا تھا۔ ۱۸۶۶ء میں اطالوی حکومت نے خانقاہیں ختم کردیں اور یہ عمارت ایک قومی یادگار بنا دی گئی جس کا انتظام بینی ڈکٹ درویشوں ہی کے ہاتھ میں رہا۔ یوں مونٹی کاسینو مسیحیت کی تعلیم و تہذیب کا ایک مرکز بنی رہی۔

ہم روم کے قریب پہنچتے ہیں تو عجیب و غریب کھنڈر جا بجا نظر آتے ہیں، جن میں خوب گھاس اور جھاڑیاں اُگی ہوئی ہیں۔ معلوم ہوتا ہے، یہ دیواریں تھیں اور ان کے اوپر محرابیں بنی ہوئی تھیں۔ انھیں

---

[1] Benedict

پرانی آبی گزرگاہوں کے باقیات سمجھنا چاہیے، جن کے ذریعے سے صاف ستھرا پانی رومیوں کے لیے، دور دور سے لایا جاتا تھا۔ ہم ایسے خطے میں سے گزرے، جس میں خوب کھیتی باڑی ہو رہی تھی۔ پیچھے پہاڑیاں تھیں، جن کے دامن میں مکان نظر آتے تھے۔ ایک کھیت میں کسان سفید بیلوں کی جوڑی سے کام لے رہا ہے۔ بیل بڑے خوبصورت ہیں، اوپر سے مڑے ہوئے سینگ، معلوم ہوتا ہے کہ ان کی صابر بھوؤں پر ہلال ابھر آئے ہیں۔ اگر مکانوں میں دورِ حاضر کی تازگی نظر نہ آتی تو ہم سمجھتے کہ دو ہزار سال پیشتر کے کسی منظر میں زندگی بسر کر رہے ہیں۔ ان جانوروں کے گرد و پیش قدامت کا ایک سایہ نظر آتا ہے۔

قدامت کا یہ احساس اس وقت بھی دل پر چھا جاتا ہے، جب انسان دورِ حاضر کے وسیع ریلوے سٹیشن سے باہر نکلتا ہے۔ سٹیشن کے آگے وسیع سڑک ہے۔ پھر چھوٹی سی تفریح گاہ ہے۔ اس کے پیچھے زمانۂ ماضی کی ایک بہت بڑی عمارت کا ڈھانچہ کھڑا ہے۔ دیواریں قدیم زمانے کی رومی اینٹوں سے بنائی گئی ہیں۔ یہ ڈایوکلیشن کے حماموں کا بقیہ ہیں جہاں تین ہزار آدمی بیک وقت غسل کر سکتے ہیں۔ یہی حمام اس زمانے میں آدمیوں کے کلب گھر تھے۔ ان میں تھیئٹر بھی بنے ہوئے تھے اور تفریح کے دوسرے انتظامات بھی موجود تھے۔ اب صرف ان کے کچھ حصے باقی رہ گئے ہیں۔ مائیکل اینجلو نے ان حماموں کے ایک حصے میں سینٹ میری کا گرجا بنا دیا اور دوسرے حصے میں ایک خانقاہ تعمیر ہو گئی۔

روما اٹلی کا صرف اُمّ البلاد ہی نہیں، بلکہ یہ بجائے خود ایک دنیا اور ایک تہذیب ہے۔ یہ صرف دل ہی کو اپیل نہیں کرتا، بلکہ خیالات میں بھی وقت سے بے نیازی کا ایک احساس پیدا کر دیتا ہے شاید اسی لیے روما کو "شہر دوائم" قرار دیا جاتا ہے۔ جب ہم اس سے بہتر شناسائی پیدا کر لیتے ہیں تو اندازہ ہو جاتا ہے کہ تقریباً مغربی تہذیب نے اس کی تخلیق میں ہاتھ بٹایا۔ دریائے ٹائبر کے دونوں کناروں پر، جس کا پانی ہلکے بھورے رنگ کا ہے، آپ کو چھوٹے چھوٹے گنبد، ستون، مربع برج، کلاسیکی اور بیزنطینی عمارتیں نظر آئیں گی، جنھیں سنہری دھوپ کے ایک سیل نے غسل دے دیا ہے۔ دریا اتنا چوڑا ہے کہ اس سے کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا اور اتنا چھوٹا ہے کہ اس سے کوئی مفید کام نہیں لیا جا سکتا۔

یہیں چند سیڑھیاں چڑھ کر اس محرابی پُل پر پہنچتے ہیں، جو سینٹ اینجلو کے مدوّر اور منحوس قلعے کی طرف لے جاتا ہے۔ یہ قلعہ شہنشاہ ہیڈرین[۱] نے بنوایا تھا اور اس کا مقصد یہ تھا کہ اپنے لئے اور جانشینوں کے لئے ایک مستقل یادگار قائم کر دے۔ لیکن ازمنۂ وسطیٰ میں یہ روما کا قلعہ اور محبس بن گیا۔ بہت سے لوگ جائز یا ناجائز طریق پہ اس محبس میں بند رہے۔ انھیں میں حسین و جمیل بیٹرائس سینسی[۲] بھی تھی،

---

[۱] Hadrian [۲] Beatrice Cenci بیٹرائس، اس کی سوتیلی والدہ اور بھائی پر یہ الزام تھا کہ تینوں نے مل کر سینسی کے باپ کو قتل کر دیا۔ اسی الزام میں تینوں کو موت کی سزا دی گئی۔ (۱۰ ستمبر ۱۵۹۹ء)

جس کی المناک داستان شیلے[1] نے ایک پُر تاثیر شعری ڈرامے میں سُنائی ہے - تین سو سال سے زیادہ عرصہ گزر گیا - جب اسی قلعے کے صحن میں سیاہ نصیب بیٹرائس کو موت کی سزا دی گئی تھی - یہاں کا ایک اور مشہور قیدی بین وینوٹو سیلمی[2] تھا، جو بڑا جھگڑالو اور جنگجو تھا، ساتھ ہی مجسّمہ طراز، زرگر، طالع آزما اور صاحب قلم تھا - اِس نے ایک رستے کے ذریعے سے بچ نکلنے کی کوشش کی اور ایک ٹانگ تُڑوا بیٹھا، تاہم وہ خوش نصیب تھا جو بچ نکلا ورنہ اس کا نام بھی ان لوگوں کی طویل فہرست میں شامل ہو جاتا، جنھیں اس قلعے میں موت کی سزا ملی -

یہاں ماضی اور حال مل گئے ہیں - اس مقام پر سڑکیں بہت چوڑی ہو گئی ہیں - ایک طرف سٹیڈیم ہے، جو شہر کے شمالی حصّے میں واقع ہے - اس کا گرد و پیش بڑے بڑے ورزشی مجسّموں سے آراستہ ہے، دوسری طرف سینٹ پیٹر کا گرجا ہے، جو گویا کل ہی بنایا گیا تھا - آس پاس رومہ کے دورِ اوائل کے کھنڈر ہیں - ہر مقام زبانِ حال سے اپنی تاریخ سنا رہا ہے - اس کی سات پہاڑیاں اُن نو شہروں کی یاد تازہ کرتی ہیں، جو رومیولس نے اپنے نام کے شہر (رومہ) سے پیشتر تعمیر کیے - جب آپ ٹائیٹس کی محراب میں سے گزرتے ہیں، جس

---

[1] Shelley [2] Benvenuto Cellini، (۱۵۰۰ء سے ۱۵۷۱ء) یہ شخص فلارنس میں پیدا ہوا اور بیس سال رومہ میں مختلف کام کرتا رہا - پھر فلارنس میں زندگی کے آخری دن گزارے -

کے پتھر پا بہ زنجیر یہودیوں نے لگائے تھے تو آپ کو کولوسیم[1] کی پہلی جھلک نظر آتی ہے اور دل میں اس واقعہ کی یاد تازہ ہوجاتی ہے جب ایک پوپ نے کولوسیم کے اکھاڑے سے مٹی کی مٹھی اُٹھا کر ایک غیر ملکی سفیر کو دی تھی کہ اسے اپنے ہاں لے جاؤ۔ سفیر سراپا حیرت زدہ ہو کر بولا: "مٹی کی ایک مٹھی؟" پوپ نے جواب دیا: "اسے بھینچو گے تو اس میں سے شہیدوں کا خون بہ نکلے گا، جنھوں نے اپنا ایمان سلامت رکھنے کے لیئے جانیں دیں"۔

آپ ایپین[2] شاہراہ پر ہولیں گے —— یہ رومیوں کی قدیم ترین شاہراہ تھی، جو روما سے برنڈزی (بحیرۂ ایڈریاٹک) تک جاتی تھی۔ تو آپ کو سینٹ پیٹر کے گرجے کے پایے نظر آئیں گے۔ اسی شاہراہ پر فاتح فوجیں آتی جاتی رہیں۔ رومی فوجیں، جن کی واپسی پر فتح کے جلوس نکلتے تھے۔ سب سے آگے سینٹ کے ممبر ہوتے تھے۔ ان کے پیچھے شادیانے بجانے والے، پھر غلاموں کی قطاریں اور مالِ غنیمت سے بھری ہوئی گاڑیاں ہوتی تھیں۔ گاڑیوں میں مجسّمے، عمارتوں کے ٹکڑے، سونے چاندی کے پیالے اور مرتبان، پرچم، مفتوحین سے چھینے ہوئے اسلحہ ہوتے تھے۔ پھر ان بیلوں کی قطاریں آتی تھیں، جنھیں قربانی کی غرض سے خوب سجایا جاتا تھا۔ ساتھ ساتھ مذہبی پیشوا اپنا خاص لباس پہنے ہوتے تھے۔ سب سے آخر میں ایک طویل قطار

---

[1] Colosseum وہ مقام جہاں درندے اور جنگجو لوگوں کی تفریح کے لیۓ لڑائے جاتے تھے۔ مصنف

قیدیوں کی ہوتی تھی، جو برہنہ پا چلتے تھے - کپڑے پھٹے ہوئے، ہاتھوں پاؤں میں زنجیریں، جنھیں یا تو غلام بناکر بیچا جاتا تھا یا وہ کولوسیم کے اکھاڑے میں عوام کی تفریح کے لیئے جانبازی دکھاتے تھے اور مارے جاتے تھے - ان کے پیچھے فاتح جرنیل کا جنگی رتھ ہوتا تھا - اس کے آگے آگے بھی شادیانے بجانے والوں کی ایک جماعت رہتی تھی - وہ ٹھہر جاتا تو اس کے بچے ارد گرد جمع ہوجاتے اس کے ہاتھوں میں عصا اور فتح کا نشان ہوتا - ایک غلام فتح کا سنہری مکٹ اس کے سر پر تھامے رکھتا - روما آپ کے سامنے بیدردانہ شان و شکوہ کے ایسے ہی مناظر پیش کرتا ہے، لیکن روما کی مسیحی تاریخ دورِ احیاء علوم اور قومی اتحاد کے لیئے جد و جہد کی صدیاں بھی آپ کے سامنے آشکارا ہو جاتی ہیں - سب کے بعد یہ کہ رومی سلطنت کے احیاء کی جو آخری کوشش کی گئی اس کا نتیجہ بہت المناک ہوا -

روما کی تاریخی یادگاریں دیکھنے کے لیئے مہینے چاہئیں - اگر کوئی شخص تھوڑے سے عرصے کے لیئے بھی ٹھہرے تو روما کے دوام کا احساس ضرور پیدا ہوجاتا ہے - روما ہے اور ہمیشہ رہے گا - رخصت ہونے سے پہلے ہم ٹریوی[1] کے فوارے پر جاتے ہیں - تمام سیاح ایسا ہی کرتے ہیں - اس فوارے کے طاس کی حفاظت نیپچون[2] کر رہا ہے ہم ایک چھوٹا سا سکہ فوارے میں لڑھکا دیتے ہیں - اس کا مطلب یہ

ا؎ Trevi

۲؎ Neptune

سمجھا جاتا ہے کہ ہم پھر کسی دن روما آئیں گے۔

روما سے ہم فلارنس جاتے ہیں اور افسوس کہ راستے کے تاریخی کوہستانی قصبے ہمیں چھوڑنے پڑتے ہیں، مثلاً وٹربو[1] اور ویٹو[2]، جہاں کا گرجا سنہری ہے، پیروجیا، سینٹ فرانسس (اسیسی)، ازمنۂ وسطیٰ کا محبوب مقام سینا، پیسا، جس کا برج ایک طرف جھکا ہوا ہے اور فلارنس کے بالکل قریب پریٹو[3]۔ یہاں کے گرجے میں ایک ایسا تبرک موجود ہے جسے دیکھنے کے لئے خود سینٹ فرانسس وہاں پہنچا تھا، یعنی ایک کمربند، جس کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ یہ مریم عذراؑ کا تھا۔

جس طرح روما مغربی تہذیب کا مرکز تھا، فلارنس شہروں کی ملکہ ہے اسے پھولوں کا شہر کہنا چاہئے۔ اس کی بنیاد ایک ایسے وسیع میدان میں رکھی گئی تھی، جہاں بے اندازہ سوسن پیدا ہوتے تھے۔ چنانچہ شہر کی عمارتوں میں بھی حسن و جمال کی دلآویزی نمایاں کرنے کی پوری کوشش کی گئی۔ اس کے نقشے یہاں کے بہت سے باکمال باشندوں نے تیار کئے۔ دریائے آرنو[4] شہر کے بیچ میں سے گزرتا ہے:

"سنہری آرنو تیزی سے گزرتا ہے۔
فلارنس کے قلب میں سے اور پار پلوں کے نیچے سے
پلوں میں جھکاؤ ہے، معلوم ہوتا ہے وہ کمانوں کی طرح
کھچے ہوئے ہیں"۔

---

[1] Viterbo [2] Orvieto [3] Prato

[4] Arno

یہ ایلزبتھ بیرٹ براوننگ[1] کے شعر ہیں ۔ افسوس ہے کہ جن پلوں کا یہ خوب صورت نقشہ کھینچا گیا ہے، ان میں سے زیادہ تر اب باقی نہیں رہے ۔ گزشتہ جنگ کے ہوائی حملوں میں تباہ ہوگئے البتہ سب سے قدیم اور سب سے بڑھ کر دلاویز پُل ۔ پونٹی ویشو[2] باقی ہے ۔ دوسرے پلوں کی جگہ کنکریٹ کے عارضی ڈھانچے تیار کرلیے گئے ہیں ۔ اٹلی کے ہر مقام کی طرح فلارنس بھی آخری عالمی جنگ کی المناک شہادت دے رہا ہے ۔

لیکن فلارنس میں ہر چیز تباہ ہوجانے کے باوجود حسن و جمال باقی ہے جو فن کو زندہ رکھنے کے لیے ضروری ہے ۔ ایک لحاظ سے کہنا چاہیے کہ ازمنۂ وسطیٰ اور دورِ احیاء علوم میں جو کشمکش ہوئی، اس کی فیصلہ کن لڑائی فلارنس میں لڑی گئی ۔ فلارنس کے مشہور چوک میں ایک تختی لگی ہوئی ہے ۔ یہ اُس مقام کو ظاہر کرتی ہے جہاں راہب سیوونرولا[3] نے ترقی کی لہروں کو روکنے کی کوشش میں وفات پائی ۔ وہ بہت نیک دل اور جوانمرد تھا ۔ لوگ اسے بزرگ سمجھتے تھے ۔ وہ ان قوتوں کے خلاف جانبازی کے لیے تیار ہوگیا، جو اس سے بدرجہا زیادہ زبردست تھیں ۔ سیوونرولا نے جابجا الاؤ لگانے کا انتظام کیا، جس میں بعض بیش بہا تصویریں اس لیے نذرِ آتش کی گئیں کہ ان کا تعلق دُنیا کی فانی عشرت سے تھا ۔ اس کے باوجود دورِ احیاء علوم کامیاب ہُوا ۔ غالباً

---

[1] انگلستان کے مشہور شاعر کی بیوی، جو خود بھی اعلیٰ درجے کی شاعرہ تھی ۔ [2] [3]

اسی ڈرامائی کشمکش، نیز پٹی[1] اور میڈیچی خاندانوں کے قیمتی ذخائر کے باعث فلارنس، میں آج بھی دور احیار علوم کی روح نمایاں نمایاں نظر آتی ہے۔ روما ماضی کی داستان سناتا ہے، فلارنس دلوں میں حسن و جمال کی ولولہ افروز لہریں پیدا کرتا ہے اور یہ شادمانی دائمی ہے۔

یہ حسن و جمال صرف نگار خانوں — بارجیلو[2]، اُفیزی[3] اور پٹی — ہی میں نہیں ملتا، بلکہ گھروں سے باہر اور مکانوں میں بھی حسن برابر نمایاں ہے۔ مثلاً چھتے میں، لوجیا ڈیلانزی[4] میں، جہاں آپ سیلینی کا پرسیوس[5] دیکھ سکتے ہیں۔ اس نے میڈوسا[6] کا سر اوپر اٹھا رکھا ہے۔ جس چوک میں سیوا ایزولا کو زندہ جلانے کی سزا دی گئی تھی، وہاں سے چند قدم کے فاصلے پر کسی زمانے میں مائیکل اینجلو کا اصلی مرمریں مجسمۂ داؤدؑ نصب تھا۔ اب اسے ایک عجائب خانے میں محفوظ کر لیا گیا ہے اور اس کی نقل یہاں نصب کر دی گئی ہے۔ ہر طرف حسن و جمال دل میں سرور پیدا کرتا ہے، حسن کا شاہکار غالباً خود فلارنس ہے۔

آپ وینس دیکھے بغیر اٹلی سے جا نہیں سکتے، لہٰذا ہم بحیرۂ ایڈریاٹک کی کسی قریب ترین بندرگاہ سے جہاز پر سوار ہوتے ہیں۔ اہلِ وینس اپنے شہر کو شہروں کی ملکہ قرار دیتے ہیں اور ہمیں اس ملکہ کا نظارہ پہلے پہل سمندر ہی کی طرف سے کرنا چاہیے۔ مزید برآں خشکی کی طرف سے وینس

---

[1] Pitti, [2] Bargello, [3] Uffizi, [4] Loggia de Lanzi,

[5] Persens یونانی انسانوں کا ایک ہیرو، جس نے بحری ڈائنوں کو مار کر اینڈرومیڈا کو بچایا تھا اور اس سے شادی کر لی تھی۔ [6] Medusa یہ بھی ایک بحری ڈائن تھی۔

جانے کی سیدھی سڑک کوئی نہیں۔ ریل کی سڑک قینچی والے پلوں پر سے گزار کر شہر پہنچائی گئی ہے۔ نہریں وینس کے بازار ہیں اور موٹروں کی جگہ نکیلے بجرے ملتے ہیں، جو پرندوں کی طرح لہروں پر دوڑتے ہیں۔ جگہ جگہ بجرے ٹھہرانے کے مقامات بنے ہوئے ہیں اور وہاں سے لوگ اپنی عالیشان عمارتوں کے اندر پہنچ جاتے ہیں۔ عمارتیں یکایک پانی سے باہر نکل آئی ہیں۔ آج کل موٹر سے چلنے والی کشتیاں بجروں کے مقابلے پر آگئی ہیں اور وہ زیادہ تیز رفتار ہیں۔ سپنوں کے شہر میں عجلت کسی کو بھی پسند نہیں۔ وینس کا منظر زہرہ کی ہر تصویر کا حریف ہے۔ اس کے چمکیلے برج، گنبد، مینار دیکھیے، معلوم ہوتا ہے، سب کچھ سمندر سے اوپر نکل آیا ہے۔

وینس ابتدا میں اُن پناہ گیروں نے بنایا تھا، جو ہنوں کے حملے سے بچ کر نکل گئے تھے اور دلدلی جزیرے اپنے قیام کے لیے چُن لیے تھے۔ رفتہ رفتہ موقع اور محل نے وینس کو بحیرۂ ایڈریاٹک کا سب سے بڑا تجارتی شہر بنا دیا۔ چوتھی صلیبی مہم میں مشرق سے تجارت کا سلسلہ شروع ہوا تو وینس خوشحالی اور بلند اقبالی کے زرّیں دور میں پہنچ گیا۔ اس کے حاکموں کو ڈوج[1] کہتے تھے یعنی ڈیوک یا لیڈر۔ ان میں سے ہر ایک شہر کو خوبصورت بنانے کے لیے ایک دوسرے پر بازی لے جانے کی کوشش کرتا رہا۔ جب بہت سے میناروں والا گرجا سینٹ مارک کے نام پر تیار ہو رہا تھا — یہ تقریباً ایک ہزار

---

[1] Doge

سال پیشتر کی بات ہے — تو حاکموں نے حکم دے دیا کہ ہر تاجر کو اس گرجے کی آرائش کے لیے کوئی قیمتی چیز دینی چاہیے۔ ۱۲۰۴ء میں ڈنڈولو[1] یہاں کا حاکم تھا۔ اس نے اہلِ وینس کے روبرو عمل کا ایک عجیب نمونہ پیش کیا، یعنی وہ قسطنطنیہ سے کانسی کے چار نہایت خوب صورت دروازے اٹھا لایا۔ انھیں دروازوں سے گزر کر آج لوگ گرجے میں جاتے ہیں۔ ہم اس گرجے کی بیش بہا چیزوں کو آج بھی خاص قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں — ملاکیٹ[2] اور لاجورد کے ستون، جابجا جڑے ہوئے جواہرات اور بیش قیمت پتھر، وہ میکانکی سیاہ فام حبشی جو گھڑیال بجاتا ہے اور کارنتھ کے بنے ہوئے برنجی گھوڑے، جن سے نپولین بے حد متاثر ہوا تھا۔ وہ انھیں اٹھا کر پیرس لے گیا۔ لیکن اس کے زوال کے بعد وہ دوبارہ وینس لائے گئے۔

گرجے کے سامنے وہ خوب صورت کھمبے نصب ہیں جن کے اوپر سینٹ مارک کا پردار شیر ہے۔ جب گھڑیال بجتا ہے تو سیکڑوں کبوتر ہوا میں اڑنے لگتے ہیں، پھر آ بیٹھتے ہیں۔ غلہ فروشوں کی آوازیں انھیں اپنی طرف کھینچ لیتی ہیں۔ بہ کثرت ایسے سیاح آتے ہیں، جو ان کبوتروں کے لئے غلّہ خریدتے ہیں۔ اگر آپ سینٹ مارک کے چوک سے دائیں جانب دیکھیں تو ایک بلند برج نظر آئے گا، جس پر ناقوس نصب ہے، یہ

---

[1] Dandolo اس شخص نے صلیبی جنگجوؤں کے ساتھ ہو کر قسطنطنیہ کو لوٹا تھا۔ جو اس زمانے میں مسیحیوں کے قبضے میں تھا۔ مسلمان دو ڈھائی سو سال بعد وہاں پہنچے۔

[2] ایک سبزی مائل دھات، انگریزی میں اسے Malachite کہتے ہیں

اس شہر کا ایک تاریخی نشان ہے۔ موجودہ برج ۱۹۰۲ء میں بنا تھا کیونکہ پہلا برج گر گیا تھا۔

بڑی نہر کی شکل انگریزی حرف ایس (S) کی ہے۔ وینس کی عالیشان عمارتوں کا شان و شکوہ اس کے ساتھ ساتھ نظر آتا ہے۔ ان عمارتوں میں تاریخ نے جنم لیا۔ وہیں افسانے تیار ہوئے۔ شیکسپیئر کے ڈرامے اُتھیلو[1] کی کہانی وینس ہی میں شروع ہوئی۔ اُتھیلو مسلمان تھا اور خوب صورت ڈیسڈی مونا[2] اس کی بیوی تھی۔ وینس کے فنونِ لطیفہ کی پوری ثروت عجائب خانوں میں ہے اور اس کے کتب خانوں سے کتابوں کے قابلِ فخر ذخیرے موجود ہیں۔ یہ چیزیں آپ کو دوسری جگہ بھی مل جائیں گی۔ وینس بہر حال ایک یگانہ مقام ہے۔

---

[1] Othello   یہ عطاء اللہ کا بگاڑ ہے۔ [2] Desdemona

گیارھواں باب

اٹلی کے باشندے

وینس جیسے حسین و جمیل مقامات میں رہنے والوں کے متعلق عام تصور غالباً یہ ہوگا کہ وہ اطمینان سے بیٹھ کر زندگی کے مزے لوٹتے ہوں گے۔ اہلِ اٹلی کی زبان سے اکثر "شیریں بیکاری" سُن کر صدیوں سے بیرونی دنیا میں ان لوگوں کے متعلق ایک تصور پیدا ہو گیا ہے۔ غالباً اس کی وجہ یہ ہے کہ اطالویوں کے نزدیک کام بجائے خود خاص راحت و اطمینان کا باعث ہے۔ وہ شہروں میں کام کر رہے ہوں یا کھیتوں میں مزدوری، ہمیشہ مصروف پائے جاتے ہیں۔ وینس میں بھی بہت سی صنعتیں ہیں، جن میں آبادی کا خاصا حصہ مصروف رہتا ہے، حالانکہ یہ شہر محض دیکھنے اور سراہنے کے لیے بنایا تھا۔ عورتیں اُون کاتنے اور مخمل بنانے یا ریشم میں سُنہری تار بُننے کے کارخانوں کے اندر کام کر رہی ہیں۔ پھر آپ دیکھیں گے کہ وہ یہاں کی شہرۂ آفاق لیسیں بنانے میں مصروف ہیں۔ یہ ایسا فن ہے، جس میں وینس کی لڑکیاں بارہ چودہ سال ہی کی عمر میں مشاق ہو جاتی ہیں۔ مردوں میں سے اکثر مرانوؔ[1] کے شیشہ سازی کے کارخانوں میں کام کرتے ہیں، جنھیں عالمگیر شہرت حاصل ہے۔ ان کارخانوں میں بھٹیاں دہکتی رہتی

---

[1] Murano

ہیں اور بھاپ اُٹھتی رہتی ہے - وہاں شیشہ ساز کام کرتے ہوئے پائے جاتے ہیں - مرد بھی ، لڑکے بھی پگھلا ہوا مادہ تیار کرتے ہیں اور تجربہ کار فن کار ان سے مختلف چیزیں بنواتے ہیں - جب کوئی فنکار ایک لمبی نلکی میں سے پھونکتا ہے تو بے شکل گرم گرم مادہ سوسن کی وضع کا مرتبان یا پیالہ یا شیشے کا کوئی نازک کھلونا بن جاتا ہے - نیسن[1] اور پالی[2] کے ذخیرۂ شیشہ سازی میں جتنی چیزیں موجود ہیں ، ان پر وہ فخر کر سکتے ہیں -

اطالویوں کو ان پیشوں میں کمال حاصل ہے ، جو ہنرمندی اور تخلیق کے متقاضی ہیں - انھیں پچی کاری بہت پسند ہے اور جواہرات میں پرپیچ نقش و نگار خوب بناتے ہیں - اسی طرح ظروفِ گلی کی گوناگوں شکلیں پیدا کرتے ہیں - فرنیچر بنانے کے لیے لکڑی بڑی دیدہ وری سے چُنتے ہیں - ان میں بیل بوٹے بناتے ہیں - صدف اور ہاتھی دانت جا بجا جڑ دیتے ہیں - انھیں اچھا یہ معلوم ہوتا ہے کہ جس کام کو شروع کریں ، اُسے خود ہی انجام کو پہنچائیں - چنانچہ اُنھیں کارخانوں کا نظام اچھا نہیں معلوم ہوتا ، جن کی وجہ سے کارکن محض مشینیں رہ گئے ہیں ، جو ایک ہی چیز یا اس کے مختلف حصے سیکڑوں کی تعداد میں بنا لیتے ہیں - لیکن اطالوی زیادہ افسردہ رہنے کے قائل نہیں - وہ زیادہ اور سخت سے سخت تھکا دینے والے نیز ناخوشگوار کام کے وقت گانا شروع کر دیتے ہیں - اس طرح کام کی سختی گھٹ جاتی ہے - اطالویوں کو آزادانہ

---

[1] Nason [2] Pauly

کام کرنے کا بہت زیادہ خیال رہتا ہے۔ کاریگر موچی، دیہاتی درزی اور ماہی گیر اپنا اپنا کام کرتے ہیں۔ ماہی گیر اپنی کشتی خود چلاتا ہے۔ گڈریا ریوڑ پہاڑوں میں لے جاتا ہے۔ پھر جانوروں کا دودھ دربدر پھر کر نکلواتا ہے اور سب کام کرتے وقت گاتا ہے۔ موچی چپ چاپ اپنا ہتھوڑا چلاتا ہے، لیکن ترتیب کے ساتھ۔ ماہی گیر چپّو چلانے کے ساتھ سُر نکالتا ہے۔ درزی بھی عموماً خاص سروں میں گاتا ہے۔ اور گڈریا دو ہزار سال پُرانی مرلی بجاتا ہے اور عموماً گڈریوں کے گیت گاتا ہے۔

شبان اور گڈریے ایک اور ساز بجاتے ہیں، جسے پُرانے زمانے کی بین کہنا چاہیئے۔ یہ ساز شادی اور جشن کے موقع پر بھی بجتا ہے، خصوصاً بڑے دن سے ایک مہینہ پیشتر کی مدّت میں۔ اُس زمانے میں بین بجانے والوں کی ضرورت جابجا ہوتی ہے، خصوصاً جنوبی اٹلی اور جزیروں میں یہ لوگ سورج نکلتے ہی اپنے پہاڑی قصبوں سے روانہ ہو جاتے ہیں۔ راستے میں جہاں کوئی زیارت ملتی ہے، مریم عذراؑ اور بچے کے سامنے گیت گاتے ہیں۔ ان کے سُر لوریوں اور اناؤں کے گیتوں کے درمیان ہوتے ہیں۔ چنانچہ یہ دورہ کرتے رہتے ہیں، شام کو تھک تھکا کر گھر لوٹ آتے ہیں۔ عین اُسی وقت پرندے چہچہاتے ہیں اور جانور چر کر باہر سے آتے ہیں۔ انھیں بڑے دنوں کی موسیقی پر بڑا فخر ہوتا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ کیا گڈریوں نے بجے، یعنی حضرت مسیحؑ کی پیدائش کا استقبال نہیں کیا تھا؟ بیسویں صدی کے بین بجانے والے بھی اس مقدس تقریب پر گا کر خوشی کا اظہار کرتے ہیں۔ یہ لوگ اس فرض میں غفلت نہیں کرتے۔ جس طرح علی الصباح دیہاتی گرجے میں نماز ادا کرتے وقت ان سے غفلت

نہیں ہوتی۔

اطالوی متمدن شہروں میں بھی حد درجہ پابندِ مذہب ہیں۔ ان کی تعطیلات زیادہ تر کیتھولک کلیسا کے تہواروں سے متعلق ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ وہ کسی بزرگ کے خاص دن کو سالگرہ کی ذاتی تقریب پر ترجیح دیتے ہیں۔ کسی بزرگ ہی کی خاص تقریب پر وہ ایک دوسرے کو تحفے دیتے اور سلام بھیجتے ہیں۔

عوام اور بزرگوں کے درمیان ایک گہرا مذہبی رشتہ قائم ہے، جس نے شخصی حیثیت اختیار کرلی ہے۔ کوئی گاؤں نہیں، خواہ وہ کتنا ہی چھوٹا ہو، جس کا کوئی بزرگ نہ ہو۔ بزرگ اور اس کے معتقدوں کے درمیان واضح شرطیں موجود ہوں گی۔ بزرگ سے توقع ہوتی ہے کہ وہ معتقدوں کے وطن کو ہر آفت سے بچائے۔ معتقدین بزرگ کے لیے ایک گرجے اور پادریوں کا ذمّہ اُٹھاتے ہیں، اس کا احترام بجالاتے ہیں، اس کی خدمت میں تحفے پیش کرتے ہیں، مثلاً بزرگ کے تاج کے لیے جواہرات اس کے لیے لبادے اور قربان گاہ کا بندوبست کرتے ہیں۔ ہر سال بزرگ کا دن آتا ہے تو تعطیل ہوجاتی ہے۔ بزرگ کے مجسّمے کو قیمتی پوشاک سے آراستہ کیا جاتا ہے اور اس کا جلوس نکالا جاتا ہے۔ ساتھ گھنٹے بجتے ہیں اور گانے ہوتے ہیں۔ رات کو آتشبازی چھوڑی جاتی ہے، پھر بزرگ کا بُت گرجے میں پہنچا دیتے ہیں۔ یہ سلسلہ صدیوں سے جاری ہے، اور لوگ اسے شوق سے پورا کرتے ہیں۔

جب اتحادیوں نے یہ فیصلہ کیا کہ نازیوں کے فوجی مستقر کو بم گراکر اسے ختم کر دیا جائے، جو تارمینا (سسلی) کے ہوٹل

سان ڈومینکو[1] میں تھا تو یہ بم اس دن گرے، جس دن سینٹ پین کراس[2] کا جلوس نکلنے والا تھا۔ پین کراس ہی شہر کا بزرگ تھا۔ جلوس تیار ہو چکا تھا کہ شہر بموں کا ہدف بن گیا۔ عمارتوں اور لوگوں کو سخت نقصان پہنچا۔ لوگوں کو یقین ہو گیا کہ سینٹ پین کراس ان کی مدد نہیں کر سکا۔ چنانچہ اس روز سے اس مسکین بزرگ کو نہ نیا لبادہ ملا نہ تاج کے لئے جواہرات نصیب ہوئے بلکہ اس کا کوئی چھوٹے سے چھوٹا جلوس بھی نہ نکالا گیا۔ تاہم اس بزرگ کے متعلق لوگوں کی روش میں خفیف سی بھی بے احترامی پیدا نہ ہوئی۔ وجہ یہ ہے کہ وہ بڑے پکے معتقد ہیں اور انتہائی سادگی سے جو کچھ مان لیتے ہیں اس پر قائم رہتے ہیں۔

اطالوی بچے سانٹا کلاز[3] سے بالکل ناواقف ہیں۔ ان کے نزدیک بڑے دن کا مقصد یہ نہیں کہ تحفے دیے اور لیے جائیں، البتہ وہ جگہ جگہ جاتے ہیں تاکہ دوستوں کی سجائی ہوئی محفلیں دیکھیں، جو مسیح کے میلاد پر منعقد ہوتی ہیں۔ سب سے پہلی آرائشی مجلس سینٹ فرانسس سے منسوب کی جاتی ہے۔ ۱۲۲۳ء میں بڑے دن سے ایک شام پیشتر سینٹ فرانسس نے گریشیو[4] (وادی ریتی[5]) کے اندر درختوں کے جھنڈ میں ایک کھُری رکھی، اس میں بھُس ڈالا

---

[1] San Domenico [2] St. Paucras [3] Santa Claus ایک بوڑھا شخص جس کے متعلق بچوں کو یقین دلایا جاتا ہے کہ وہ ان کے لیے تحفے لاتا ہے [4] Greccio [5] Rieti

اور بچے (مسیح) کا بُت رکھ دیا۔ پاس ایک گائے اور گدھے کی مورتیاں سجادیں۔ پھر لوگوں سے کہا آؤ، آسمانی پیدائش کے جشن میں شریک ہو جاؤ۔ چنانچہ دیہاتی گرد و نواح سے اس مقام پر جمع ہوگئے اور گڈریے بھیڑیں لے کر آگئے۔ گریشیو کے قلعے کا مالک سینٹ فرانسس کی اس محفل آرائی پر اتنا خوش ہوا کہ تمام لوگوں کو اپنے ہاں کھانے پینے کی دعوت دے دی۔ اِس وقت سے اٹلی میں ایسی محفلوں کا سلسلہ جاری ہوگیا۔ چنانچہ مریم عذراؑ، یوُسف نجّار اور بچّے کے بُت کھُرلی میں سجائے جاتے ہیں، ارد گرد گائے اور گدھا ہوتے ہیں —— "دانشمند مجوسی" تحفے لاتے ہیں۔ گڈریے، فرشتے اور دوسرے لوگ ان مجالس میں شریک ہوتے ہیں۔ بعض اوقات مجسّمے یا بُت بڑے خوب صورت بنائے جاتے ہیں، جو نسلاً بعد نسل قائم رہتے ہیں۔ عموماً معمولی وضع کی بنیادی سی چیزیں ہوتی ہیں۔ ایک اور ظاہری وضع میں معمولی، لیکن دلآویز۔ اٹلی کے اکثر حصّوں میں دستور ہے کہ آدھی رات کو دُعا کی جاتی ہے، جس میں ایک نوجوان لڑکا بڑے دن کا وعظ کہتا ہے۔ یہ وعظ بہت پُرتاثیر ہوتا ہے۔ جس لڑکے کو اِس مقصد کے لئے چُنا جاتا ہے۔ وہ اسے اپنے لیے بہت بڑا اعزاز سمجھتا ہے۔

تاہم اطالوی بچوّں کے لیے تعطیلات اتنی رسمی اور سنجیدہ نہیں، اگر وہ سانٹا کلاز سے بے بہرہ ہیں تو ان کے پاس بیفانا[1] ضرور موجود

---

[1] Befana

ہے۔ یہ ایک فرضی ماما ہوتی ہے، جو اچھے بچّوں کے لیے کھلونے اور شریر بچوں کے لیے پتھر اور انگارے یا ایسی دوسری چیزیں لاتی ہے۔ وہ ۶ر جنوری کو آتی ہے۔ اسی روز بادشاہ نومولود مسیحؑ کے لیے تحفے لایا کرتے تھے۔ بیفانا کے تحفے سانٹا کلاز کے تحفوں کی طرح کنبے کے حالات کے عین مطابق ہوتے ہیں۔ لیکن ایک حقیقت واضح کر دینی چاہیے کہ بیفانا بد روش بچّوں کے لیے بھی پتھروں اور انگاروں کے علاوہ کوئی نہ کوئی اچھا تحفہ لے آتی ہے، کیونکہ وہ بہت مہربان اور معاف کردینے والی ہے اور اسے ہمیشہ اُمید رہتی ہے کہ بچّے سدھر جائیں گے۔

تحفوں کے علاوہ، جو بڑے دن کے موقع پر جمع ہو جاتے ہیں بیفانا بڑے بڑے اخروٹ ضرور چھوڑ جاتی ہے، جن سے اطالوی بچے ایک کھیل کھیلتے ہیں، جس کا نام "چھوٹا قلعہ"[۱] ہے۔ وہ تین اخروٹ نیچے رکھ کر چوتھا اوپر رکھ دیتے ہیں — یہ "قلعہ" ہوتا ہے۔ اِس سے تقریباً پانچ فٹ کے فاصلے پر کھڑے ہوکر ایک اور اخروٹ "قلعے" کی طرف لڑھکا دیتے ہیں۔ جو پہلی ہی مرتبہ قلعے کے بالائی اخروٹ کو گرالیتا ہے، وہی چار اخروٹ لے جاتا ہے۔ اگر کوئی بھی گرا نہ سکے تو بچوں کی باری دوسری مرتبہ شروع ہو جاتی ہے۔ یہ وہی کھیل ہے، جو رومی بچّے نوزم کے زیرِ سایہ کھیلا کرتے تھے۔ بہر حال یہ اچھی تفریح ہے اور نانوشتہ قانون کے مطابق یہ صرف لڑکوں کا کھیل

۱؎ Castelletto یعنی Little Castle۔

سمجھا جاتا ہے، جس طرح امریکہ میں گولیوں کا کھیل صرف لڑکوں کے لئے مخصوص ہے۔

جن چھٹیوں میں سب سے زیادہ رنگ رلیاں منائی جاتی ہیں، وہ کارنیوال اور اس موقع کی چھٹیاں ہیں، جب انگور کی فصل پک جاتی ہے۔ کارنیوال کے لفظی معنی ہیں: "گوشت کو خیرباد" یہ ایسٹر سے پیشتر کا وہ دور ہے، جس میں کیتھولک مذہب کے پابند روزہ رکھتے ہیں۔ کارنیوال جشن اور عیش و نشاط کا وقت ہے، یعنی سمجھنا چاہیئے کہ روزوں کی متانت شروع ہونے سے پیشتر آخری عیش ونشاط سے فائدہ اُٹھایا جاتا ہے۔ دنوں پیشتر لوگ خوشیاں منانے کی تیاریاں کرتے ہیں۔ بعض شہروں میں ہمارے نیواورلیانز کی طرح پہیوں پہ چلنے والے چبوتروں، نقابوں اور رقصوں کا انتظام کرلیا جاتا ہے۔ کارنیوال کے موقع پر پوری آبادی باہر آجاتی ہے۔ قصبوں کے چوکوں پر باجے بجتے ہیں۔ نوجوان شادمانی کی سیاہ مستی میں رقص کرتے ہیں۔ اکابر چائے خانوں کی میزوں پر بیٹھ کر مٹھائیاں اور آئس کریم کھاتے ہیں، نیز کھیل تماشوں سے لُطف اندوز ہوتے ہیں۔

فصل کے موقعوں پر جو جشن منائے جاتے ہیں وہ عموماً ملک کے اُنھیں خطّوں تک محدود رہتے ہیں جہاں انگور پیدا ہوتا ہے۔ گانے گائے جاتے ہیں۔ ہنسی مذاق ہوتا ہے۔ توانا لڑکیاں زرد نما سبز یا ارغوانی انگوروں کی بھری ہوئی ٹوکریاں اُٹھا اُٹھاکر پاس کھڑی گاڑیوں میں خالی کرتی جاتی ہیں۔ شراب کشید کرنے کے مقام پر انگور چُن چُن کر بڑی بڑی اور گول گول ناندوں میں ڈال دیتے ہیں

جو بڑے کمرے کے برابر ہوتی ہیں۔ پھر مرد و زن گیت گاتے ہوئے ناندوں میں داخل ہو جاتے ہیں اور ایک خاص وسمی رقص کے ذریعے سے ننگے پاؤں انگور کچلتے ہیں۔ جلد ہی انگور کا رس ناندوں سے نکل کر نالوں کے ذریعے سے بڑے بڑے ٹبوں میں جانا شروع ہو جاتا ہے۔ اس اثنا میں گانا زیادہ گرم اور تیز ہو جاتا ہے۔ چھوٹے بچوں کی ٹانگیں سُرخ عرق سے بھر جاتی ہیں۔ کچلے ہوئے انگوروں کی خوشبو ہوا میں بادل کی طرح تیرتی ہے۔ گیت بدل جاتے ہیں۔ لیکن انگور کچلنے کا سلسلہ بدستور جاری رہتا ہے۔ شام کے وقت خوب کھاتے پیتے اور رقص کرتے ہیں۔

دورِ حاضر کے شراب خانوں میں انگور مشینوں کے اندر کچلے جاتے ہیں، مگر ماہرین کا اصرار ہے کہ پُرانے طریقے سے کام لیا جائے تو بہتر شراب بنتی ہے، کیونکہ پاؤں کے دباؤ سے انگور کچلے جائیں تو صرف اتنا ہی رس نکلتا ہے، جتنا نکلنا چاہیے۔ مشین میں رس زیادہ نکل آتا ہے۔

روما میں ہر سال یہ جشن بڑے جوش و زندہ دلی سے منایا جاتا ہے اور اٹلی میں شراب کی کشید کے بہترین کارخانے روما سے قریب ہی ہیں، مثلاً فریس کیٹی کا کارخانہ[1]۔ جشن کمال پر پہنچتا ہے تو آس پاس کے انگوروں کی نمائش ایک خاص عمارت میں کی جاتی ہے اور چھٹیاں شروع ہو جاتی ہیں۔ دس سال پیشتر تک یہ عمارت قسطنطین کا گرجا سمجھی جاتی تھی۔ اطالویوں کو مختلف چیزیں اکٹھی کر کے خوشیاں

---

[1] Frascati

منانا پسند ہے ۔ چنانچہ وہ عموماً پہیوں والے چبوترے تیار کرلیتے ہیں۔ جنھیں ہلالی سینگوں والے توانا رومی بیل کھینچتے ہیں۔ کسی چبوترے پر شراب کے دیوتا باخوس[1] کی مورتی ہوتی ہے۔ دہقانی لڑکیاں نہایت پُرتکلف لباس پہنے اس کے گرد کھڑی ہوجاتی ہیں۔ یہ لباس خاص اس موقع پر پہنا جاتا ہے۔ کسی چبوترے پر کوئی افسانوی منظر پیش کردیا جاتا ہے یا انگور کی کاشت کے متعلق تفصیلات بیان کردی جاتی ہیں۔ گانے اور لوک ناچ ہر حال میں ہوتے ہیں۔ جشن کے اختتام پر لازماً آتشبازی چھوڑی جاتی ہے۔

اطالویوں کو کھیلوں کا بڑا شوق ہے۔ بائیسکلوں اور اوٹوموبائیلوں کی دوڑ وہ بہت زیادہ پسند کرتے ہیں۔ جن مقامات پر لوگ موسم گرما بسر کرتے ہیں، وہاں جن کے پاس اپنی کشتیاں یا موٹر کشتیاں نہیں ہوتیں، وہ جھیلوں کے کنارے کھڑے ہوکر دوڑ سے لطف اٹھاتے ہیں — لکڑی کی کھڑاؤں پہن کر برف پر دوڑنا بڑا خطرناک کھیل ہے اہلِ اٹلی اسے الپینزم[2] کہتے ہیں، یعنی پہاڑوں پر چڑھنا۔ اس کھیل کے لیے بہترین مقام ڈولو مائٹس[3] — کورٹینا دا امپیزو[4] — اور گرد و پیش کا علاقہ ہے۔ خوشحال لوگوں میں ٹینس اور گولف کے شیدائی بھی خاصی تعداد میں پائے جاتے ہیں، لیکن یہ کھیل عورتیں نہیں صرف مرد کھیلتے ہیں۔ عام لوگ دن بھر کام کرنے کے بعد بوسے[5]، بلیرڈ یا تاش سے

۱ے Bacchus ۲ے Alpinism ۳ے Dolomites یہ ٹائیرول کے پہاڑوں میں ہے۔ ۴ے Cortina d'Ampazzo ۵ے Bocce یہ ایک اطالوی کھیل کا نام ہے۔

دل بہلاتے ہیں - جو لوگ سکون پسند ہیں، وہ بازاروں میں ٹہلتے ہیں اور کبھی کسی چائے خانے میں چائے پینے کے لیے بیٹھ جاتے ہیں - وہاں انھیں تفریح کا سامان بھی مل جاتا ہے - اتوار کو روما اور فلارنس جیسے شہروں کا دستور یہ ہے کہ کنبہ گاڑی کرائے پر لے لیتا ہے اور دریا کے ساتھ ساتھ سیر کرتا ہے - راستے میں دوسرے لوگوں سے سلام کلام ہوتا رہتا ہے یا گھوڑوں کی ٹاپ سے دل بہلا لیتے ہیں -

یہ لوگ، جو سادہ اور پُرامن تفریحات پسند کرتے ہیں، بعض اوقات گھڑ دوڑ جیسی وحشیانہ چیز سے بھی خوش ہوتے ہیں - اِسے اطالوی میں پالیو[1] کہا جاتا ہے - گھڑ دوڑ سینا کے پُرسکوت شہر میں سال کے اندر دو مرتبہ اس بڑے چوک میں ہوتی ہے، جسے کیمپو[2] کہتے ہیں - یہ ایک تاریخی مقام ہے اور اس کا فرش پتھر کا ہے - سانٹا میریا اسُنتا[3] کے جشن (اگست) سے کئی روز پیشتر، شہر کے تمام وارڈوں میں ہنگامہ شروع ہو جاتا ہے - زمانۂ قدیم میں شہروں کے درمیان مقابلے ہوتے تھے، اب ہر وارڈ زمانۂ قدیم کی روایتیں اور وفاداریاں کامل اہتمام سے پوری کرتا ہے، یہاں تک کہ گلڈوں کے پرچموں اور لباسوں کا بھی خیال رکھا جاتا ہے - گھڑ دوڑ کی صبح کو سب تیار ہو جاتے ہیں - بڑے بڑے ریشمی جھنڈے نکالے جاتے ہیں - ہر وارڈ کے نمائندے خاص وردیاں پہنتے ہیں - لباس بڑے پُرتکلف مخمل یا زری کے ہوتے ہیں یا زرتار لباس کے ساتھ ریشمی جرابیں، تنگ پوستین اور ان کی کھلی آستینیں - ٹوپیاں اور خود بھی

---

[1] Palio [2] Campo [3] Santa Maria Assunta

سترھویں صدی کے اوائل کی وضع کے ہوتے ہیں، کیونکہ پہلی گھڑ دوڑ ۱۶۰۵ء میں ہوئی۔

گھڑ دوڑ سے تین روز پہلے گھوڑوں اور مقابلہ کرنے والوں کا انتخاب کیا جاتا ہے۔ مختلف وارڈوں سے صرف دس آدمی چُنے جاتے ہیں تاکہ گھُڑ دوڑ میں زیادہ مجمع نہ ہو، زیادہ مجمع خطرناک ہو سکتا ہے۔ اِس اثنا میں جاکی (گھڑ سوار) اپنے اپنے گھوڑے کی ننگی پیٹھ پہ سوار ہو کر کیمپوں کے ساتھ ساتھ پھراتے ہیں تاکہ وہ گھُڑ دوڑ کے مقام سے بخوبی آشنا ہو جائیں۔ دوڑ شروع ہونے سے پیشتر مقابلہ کرنے والے اپنے اپنے جھنڈے سینا کے سُرخ، سفید اور سیاہ گرجے کے سامنے لے جاتے ہیں۔ وہاں آرچ بشپ (اسقف اعظم) انھیں اور ان کے گھوڑوں کو برکت دیتا ہے۔ گھڑ دوڑ کے دن نمود صبح کے ساتھ ہی لوگ چوک کے اطراف اور اس کی طرف جانے والے بازاروں میں جمع ہونے لگتے ہیں۔ جن لوگوں کے پاس پیسے ہیں، وہ کیمپوں کے ساتھ ساتھ کھڑکیوں اور شہ نشینوں کا کرایہ دے کر کھڑے ہونے کی جگہ حاصل کر لیتے ہیں۔ ہر شہ نشین میں لوگ انار کے دانوں کی طرح باہم پیوست ہو جاتے ہیں۔ چوک کے مرکز کو جنگلے کے ذریعے سے محفوظ کر لیا جاتا ہے۔ وہاں بھی پُرجوش ہجوم اپنے اپنے وارڈوں کے گھوڑوں کے لیے نعرے لگاتا ہے۔ دس جاکی گھوڑوں پر سوار ہو کر اُس جگہ جا کھڑے ہوتے ہیں، جہاں سے دوڑ شروع ہوتی ہے ہر ایک کے ہاتھ میں ایک گز لمبا چابک ہوتا ہے، جو سخت پٹھوں کو گوندھ کر بنایا جاتا ہے۔ یہ چابک مقابلہ کرنے والے ایک دوسرے کو بھی مار سکتے ہیں، کیونکہ اس وحشیانہ کھیل میں ہر بے آئینی جائز ہے۔

جب ہجوم بے قابو ہونے لگتا ہے تو گھڑ دوڑ کے آغاز کی بندوق چلائی جاتی ہے۔ گھوڑوں کی ٹاپیں پتھروں سے چنگاریاں اُڑاتی ہیں۔ سوار اپنے اپنے چابکوں سے کام لیتے ہیں۔ گھوڑے مڑ جاتے ہیں تو ہجوم چیختا ہے۔ کوئی جاکی بے قابو گھوڑے سے نیچے گرا دیا جاتا ہے تو ہجوم سے خوف کی چیخیں بلند ہوتی ہیں۔ پہلا جاکی بہ مشکل ایک طرف کھسک کر جان بچاتا ہے تو دوسرا گرتا ہے۔ وہ کبھی شدید چوٹ سے معجزنما طریق پر بچ جاتا ہے۔ گھوڑے دوڑتے رہتے ہیں۔ خطرناک موڑوں سے گھومتے ہیں۔ کبھی ایک آگے آتا ہے، کبھی دوسرا۔ پورے چوک کا چکر تین مرتبہ کاٹنا ضروری ہے۔ اب آخری چکر پر آ پہنچے۔ مختلف سواروں کے رخساروں پر چابک لگنے سے بدھیاں پڑ جاتی ہیں۔ اب گھوڑے ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ اب دو سب سے آگے ہیں۔ ہجوم سے بھرپور شور اُٹھتا ہے۔ ایک گھوڑا ذرا پیچھے رہ جاتا ہے، دوسرا آگے نکل کر کامیاب ہو جاتا ہے۔

ہجوم پکارتا ہے: "پالیو! پالیو!" قدیم زمانے کے جنگی رتھ سے وہ پرچم حوالے کر دیا جاتا ہے، جس پر سانٹا میریا آسُنتا کی تصویر بنی ہوتی ہے۔ لوگ اس جھنڈے کے ساتھ فاتحانہ شہر میں سے گزرتے ہیں اور کامیاب ہونے والے سوار کو اس وقت تک کے لئے محفوظ مقام پر رکھا جاتا ہے، جب تک لوگوں کا جوشِ رقابت ختم نہ ہو جائے۔ دوڑ ختم ہو جاتی ہے۔ کیمپو پر پھر سکون چھا جاتا ہے گرجے کا سُرخ، سفید اور سیاہ مرمریں رُنکار جنگلے کو دیکھ رہا

ہے کہ کھمبے سے اکھاڑا جاتا ہے۔ آئندہ سال پھر
مقابلہ ہوگا۔

بارھواں باب

اٹلی کیونکر ایک قوم بنا؟

۲۸ رجون ۱۵۱۹ء کو چارلس اوّل ہیپسبرگ شاہِ ہسپانیہ نے چارلس پنجم کے لقب سے سلطنت کا تاج پہنا۔ اٹلی کی آزادی کے لئے یہ منحوس دن تھا۔ سبب یہ نہیں کہ چارلس بُرا حکمران تھا۔ اصل سبب یہ ہے کہ خاندانی رشتوں اور اتفاقاتِ جنگ کی بنا پر چارلس نے اتنا بڑا علاقہ اور اتنا زیادہ اقتدار حاصل کرلیا تھا، جو ایک آدمی کے بس کا نہ تھا۔ جس وقت اس نے تاج پہنا، اطالوی ریاستیں ٹکڑے ٹکڑے ہوکر ایک ایک آدمی کے حوالے ہونے لگیں اور پورا اٹلی اس کی مرضی کے تابع تھا۔ پوپ کلیسا پر دنیوی سلطنت کا اقتدار برداشت نہیں کرسکتے تھے۔ وہ اپنے اقتدار کی بحالی کے لئے جد و جہد کرتے رہے۔ اس طرح اٹلی دوگونہ حکومت کے تابع چلا گیا۔ ہسپانوی حکمران سیاسیات سنبھالے بیٹھے تھے۔ پوپ روحانی اقتدار کے حامل تھے۔ اطالوی زندگی میں جو بہت سی کشمکشیں پیدا ہوگئی تھیں، رفتہ رفتہ ختم ہونے لگیں۔ احزابی احساسات باقی نہ رہے۔ پورے ملک پر ایک عجیب و غریب سکون چھا گیا۔ اجنبی اقتدار کے خلاف آزاد لوگوں کا ردِ عمل زیادہ تر ایسا ہی تھا۔ وہ اس لئے ہاتھ پاؤں توڑ کر بیٹھ گئے کہ زنجیروں میں جکڑے ہوئے تھے۔ ذہنی اور سیاسی سرگرمیوں کے لئے دوسری شدید آفت یہ نازل ہوئی کہ محکمۂ تعزیر

از سرِ نو قائم کر دیا گیا۔

یوں چارلس پنجم کی تاجپوشی سے تقریباً اٹھارھویں صدی تک اٹلی یورپی تاریخ میں مستقل عامل کی حیثیت سے محروم ہو گیا۔ مطلب یہ نہیں کہ بعد میں ملک کے لئے امن کا دور شروع ہو گیا۔ اس کے برعکس اٹلی ممالکِ غیر — ہسپانیہ، آسٹریا، پولینڈ — کے جنگی کھیل کے لئے تختۂ شطرنج بن گیا۔ یہ ملک نفع حاصل کرتے رہے۔ اطالوی نقصان کا ہدف بنے رہے۔ انھیں بھاری ٹیکس ادا کرنے پڑتے تھے، اور وہی محنت و مشقت سے خوفناک جنگوں کے زخموں کا مداوا کرتے تھے۔

بارہا نیپلز، پلرمو اور میسینا میں بغاوتیں ہوئیں۔ عوام نے ظالموں کے خلاف جوشِ عمل کا مظاہرہ کیا، لیکن وہ غریب اور غیر مسلح تھے۔ ان میں یہ سکت کہاں تھی کہ طاقتور مستبدوں کا مقابلہ کر سکتے ہر مرتبہ یہی ہوا کہ چند بہادر شہادت پاکر صرف اس حقیقت کا اظہار کرتے رہے کہ آزادی کی روح بالکل نہیں مری۔ ان کی محکومی برابر باقی رہی۔ مویشی کی طرح ایک آقا انھیں دوسرے کے حوالے کر دیتا۔ مدت تک تن بہ تقدیر رہنے کے باعث اطالویوں میں بے حسی پیدا ہو گئی اور سب سے بڑھ کر مصیبت یہ آئی کہ دورِ احیاء علوم کی ذہنی عظمت و شان رفتہ رفتہ ماند پڑتی گئی۔

گانا اطالویوں کی فطرت ہے، چنانچہ وہ گاتے رہے، لیکن اب جو گیت گاتے تھے، وہ ان کے عظیم القدر مغنّیوں کی نظموں کے مقابلے میں بالکل بے حقیقت تھے۔ واقعہ یہ ہے کہ انھیں غور و فکر کی ممانعت

تھی اور وہ غور و فکر سے بالکل دستکش ہوگئے تھے۔ صرف خالی لفظی ڈھانچوں کی آرائش کرتے رہتے۔ دانتے کی دل پذیر زبان بے معنی گیتوں کا سفینہ بن گئی۔ اس سے بھی بدتر یہ کہ اطالویوں کی بات چیت میں چاپلوسی اور خوشامد آگئی۔ اور انھوں نے ہسپانوی امراء کے طور طریقے اختیار کرلئے۔ چنانچہ کسی کی مزاج پُرسی کرتے وقت "آپ کا کیا حال ہے؟" پوچھنے کے بجائے کہتے: "حضورِ والا کی طبیعت کیسی ہے؟" یہ اسلوبِ بیان ہسپانوی زبان میں اب تک موجود ہے، مگر اطالویوں کے لئے بالکل اجنبی تھا۔ مزید برآں وہ خط لکھتے تو تصنّع آمیز شائستگی کی بناء پر یہ ضرور لکھتے: "میں حضورِ والا کے ہاتھوں کو بوسہ دیتا ہوں" یا "میں حضور والا کے پاؤں چومتا ہوں"۔ یہ اسالیب تو آخر اطالوی زبان سے خارج ہوگئے، لیکن "آپ" کا شائستہ ضمیر مدت تک قائم رہا، یہاں تک کہ مسولینی کا واضح حکم بھی اسے زبان سے کاملاً خارج نہ کرسکا۔ ان چھوٹی چھوٹی باتوں سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ اطالوی قوم کے عجز و انکسار کا کیا عالم تھا۔

اٹھارھویں صدی میں امریکہ اور فرانس کو آزادی ملی تو اٹلی کی بے حسی میں تبدیلی آئی۔ فرانسیسی فلسفیوں کی تحریرات نے اطالوی ثقافت کو زندہ کرنے میں مدد دی۔ ان تحریرات سے ہماری موجودہ دنیا پر بڑا اثر پڑا۔ اربابِ غور و فکر اور مصلحین عمرانی بے انصافیوں سے آگاہ ہوئے اور انھوں نے درستیٔ احوال کی کوشش شروع کردی۔ بڑی بڑی اثر انگیز فرانسیسی تصانیف سے بیشتر جی۔ بی۔ دکو[1] کی تحریرات شائع ہوچکی تھیں۔ اس بدیع الفکر مصنف

---

[1] G. B. Vico لے

نے اپنے عہد کے تمام افکار و ادارات پر نکتہ چینی کی - پھر ۱۷۶۴ء میں ایک چھوٹی سی کتاب منظرِ عام پر آئی جس نے تعزیری قوانین میں کامل تغیر پیدا کر دیا - اور جرم کے متعلق معاشرے کی روش بدل گئی - اس کتاب کا نام تھا "جرائم اور تعزیرات" اٹلی کا ایک نوجوان مصنف "سیزر بکاریا"[1] اس کتاب کی ترتیب کا ذمہ دار تھا - اس نے اپیل کی کہ خفیہ الزام تراشی، مجرموں کی تعذیب اور مقدمے کے بغیر قید کا سلسلہ ختم کر دیا جائے - یہ مطالبہ بھی پیش کر دیا کہ قانون کے روبرو تمام انسان برابر ہیں - یہ مطالبہ اس ملک میں بالکل نیا تھا، جہاں رتبے اور روپے والے سزا سے بچ جاتے تھے اور غریبوں کو اکثر اس لئے سزائیں ملتی تھیں کہ وہ غریب تھے -

یکایک ایک آدمی منظرِ عام پر آیا، جس کے لئے پورے یورپ کو بدل ڈالنا مقدر تھا - یہ نپولین بونا پارٹ تھا - جو کارسیکا میں پیدا ہوا (۱۷۶۹ء) - والدین اطالوی تھے، لیکن وہ اس لئے فرانسیسی بن گیا کہ ایک سال سے بھی کم مدت پیشتر کارسیکا فرانس کے قبضے میں جا چکا تھا - نپولین کے افکار اٹھارھویں صدی کے فرانس سے متاثر تھے - بہ لحاظ کردار وہ اس حکمران کی ایک صحیح تصویر تھا، جس کے اوصاف و خصائص میکیاولی نے بیان کئے تھے -

نپولین خود انقلابِ فرانس کی پیداوار تھا - ۱۷۹۶ء میں اسے فرانس کی انقلابی حکومت نے اطالوی مہم کا کمانڈرِ اعظم بنا دیا - اطالویوں

---

[1] Cesare Beccaria

نے نوجوان جرنیل کا خیر مقدم کیا، جو بہر حال نسباً انھیں میں سے تھا اور انھیں یہ احساس بھی تھا کہ اس خیر مقدم سے ان کی حالت بدتر نہیں ہوسکتی۔ نپولین نے آسٹروی ہیپسبرگوں کی افواج کے خلاف شاندار فتوحات حاصل کیں تو یہ فتوحات اس کی ذاتی رفعت و عظمت کا باعث بن گئیں۔ وہ میلان میں داخل ہوا تو فاتح کی حیثیت سے کہیں بڑھ کر نجات دہندے کی صورت میں آیا۔ وہ اپنے انقلابی مقاصد میں مخلص تھا — جنھیں آگے چل کر اس نے ترک کر دیا۔ اس نے شمالی و وسطی اٹلی کے مفتوحہ علاقوں میں جمہوریتیں قائم کر دیں۔ تمام مروجہ جاگیراتی مراسم ختم کر کے ووٹ کا سلسلہ جاری کر دیا۔ پھر معاہدہ صلح ہوا تو نپولین کے سارے جاری کردہ سلسلوں کی توثیق ہو گئی۔

نپولین زیادہ جمہوری بنا رہنے کا مشتاق نہ تھا اور اس کی قائم کردہ جمہوریتیں بھی زیادہ دیر تک جمہوریتیں نہ رہیں۔ اہم نکتہ یہ ہے کہ نپولین کی حرصِ عزّ و جاہ سے پیشتر، جو اس کی تباہی کا موجب بنی، اطالویوں نے اس کے مجموعۂ قوانین اور حکومت و تعلیم میں اس کی اصلاحات سے بہت کچھ سیکھ لیا تھا۔ جو لوگ پہلے ایک غیر ملکی طاقت کے غلام تھے، وہ ایک قوم کی شکل میں متحد ہونے کے خواب دیکھنے لگے۔

پھر نپولین نے واٹرلو میں شکست کھائی (۱۸۱۵ء)۔ اس کے فوراً بعد یورپی قومیں، جو اس کے عروج کے دوران میں مسلسل موردِ خوف بنی ہوئی تھیں، وی آنا میں جمع ہوئیں تاکہ صلح کا انتظام کر سکیں۔ وی آنا کی کانگرس میں تین بالکل مختلف آدمی شریک ہوئے:

اوّل روس کا زار الگزنڈر، جو ایک صوفی منش آدمی تھا۔ اس کے نظریات بڑے بلند تھے، لیکن قابلِ عمل نہ تھے۔ دوم میٹرنخ[1] جو آزاد خیالی سے بڑھ کر کسی چیز سے نہ ڈرتا تھا۔ سوم تالیزان[2] جو بڑا عیار اور خود غرض آدمی تھا۔ پنولین کا وزیر بھی رہ چکا تھا۔ کانگریس کے نمائندوں نے زار الگزانڈر کے مذہبی جذبات سے متاثر ہو کر ایک معاہدہ تیار کیا تھا، جسے "مقدّس اتحاد"[3] کہا گیا۔ اس کے مطابق اقوام یورپ نے عہد کرلیا کہ وہ یورپ میں مفاہمت کا ایک نیا دور جاری کردیں گی جو مقدّس نوشتوں کی تعلیمات پر مبنی ہوگا۔

بظاہر مقصد بڑا اچھا تھا۔ کم از کم زار اس باب میں واقعی مخلص تھا، لیکن مقصد اور اس کی تکمیل کے درمیان ہر قسم کے نادیدہ خطرے پیش آسکتے تھے۔ جب "مقدّس اتحاد" کے مطابق کام شروع ہوا تو عملی نتیجہ یہ نکلا کہ یورپ کے ٹکڑے ہونے لگے اور بڑی بڑی طاقتوں نے چھوٹی چھوٹی طاقتوں کو نگل لیا۔ سب سے بڑھ کر نقصان اٹلی کو پہنچا۔ اسے چھوٹی چھوٹی امارتوں میں بانٹ کر آسٹروی ہیپسبرگوں کے درمیان تقسیم کردیا گیا۔ حد درجہ بُری بات یہ ہوئی کہ "مقدس اتحاد" کے ساتھ محکمۂ تعزیر از سرِنو زندہ ہوگیا، جسے پنولین نے ہمیشہ کے لئے خلافِ قانون قرار دے دیا تھا۔ گویا "تعزیر" کے ایک مختصر سے دور کے بعد پھر قرونِ مظلمہ کا تاریک دور آگیا۔

عوام کو ترقی کا مزہ پڑجائے تو ان کی طلب میں اضافہ ہوجاتا ہے۔

---

[1] Metternich آسٹریا کا وزیر اعظم۔ [2] Talleysan [3] Holy Alliance

اگرچہ پنولین نے انتہائی خود آرائی سے اپنے رشتہ داروں کو اٹلی کی بادشاہیاں دے دی تھیں، مگر ان بادشاہیوں سے عوام نے وہ فائدے اُٹھائے جن سے وہ پیشتر بالکل ناواقف تھے۔ اب آزادیٔ فکر پر عام پابندی عائد ہوگئی اور سیاسی مصلحین پر تشدد ہونے لگا تو انقلابی تحریک کی چنگاری بھی بھڑک اُٹھی لیکن یہ تحریک آسٹروی مستبدوں کے خلاف کھلم کھلا جاری نہیں رکھی جاسکتی تھی، کیونکہ سپائل برگ[1] کے خوفناک کوہستانی محبس میں پہلے ہی سیاسی قیدی بھرے ہوئے تھے۔ انھیں میں اٹلی کا مشہور مصنف سلویو[2] پیلیکو بھی تھا۔ جو کتاب اس نے رہائی کے بعد لکھی اس میں اپنے ہمسر قیدیوں کی مصیبتوں اور جوانمردیوں کے ایسے دل ہلادینے والے واقعات لکھے کہ یورپ بھر میں ہمدردی کی لہریں اُبھر آئیں۔ دوسرے محبانِ وطن، وطن چھوڑ کر انگلستان اور فرانس چلے گئے اور وہ وہاں اپنے سیاہ نصیب وطن کی ترجمانی کرنے لگے۔

چونکہ لوگ نہ کچھ کرسکتے تھے، نہ کہہ سکتے تھے، اس لئے ملک بھر میں خفیہ انجمنیں پیدا ہوگئیں۔ ان کا مقصد یہ تھا کہ آسٹروی زنجیروں سے آزادی کے انقلابی فکر کو پھیلائیں اور اٹلی کی تشکیل ایک آزاد قوم کی حیثیت میں کریں۔ ان انجمنوں کے نام مختلف تھے۔ ان میں سب سے زیادہ پرانی انجمن غالباً کاربنری[3] (کوئلہ جلانے والے) تھی۔ اس انجمن کا نشان ایسا بنایا گیا تھا۔ گویا کوئلہ جلاکر روشنی کی جارہی ہے۔ یہ فرانس، ہسپانیہ اور اٹلی میں سرگرم عمل رہی اور اس کا اصول

---

[3] Carbonari [2] Silvio Pellico [1] Spielberg

تھا: " اتحاد ، حریت اور خود مختاری"۔ یہ پُر تشدد ذرائع کے استعمال پر بھی عقیدہ رکھتی تھی۔ اس نے ۲۱-۱۸۲۰ء اور ۱۸۳۱ء میں کئی انقلاب بپا کئے ، لیکن یہ تمام ہنگامے قومی نہیں ، بلکہ مقامی تھے ، البتہ ان کی روح واقعی قومی تھی۔

اب اہلِ اٹلی علاقائی وفاداریوں کے بجائے مشترکہ مقاصد کے متعلق باہم یک آہنگ ہونے لگے۔

۱۸۳۱ء کا ہنگامہ ناکام رہا تو ایک اور انجمن نے کاربنری کی جگہ لے لی۔ اس کا نام " نوجوان اٹلی"[1] تھا۔ یہ کاربنری سے بہتر تھی۔ اس کا بانی جیوزپ میزینی[2] سیاسی اعتبار سے جلا وطن ہوکر مارسائی میں زندگی بسر کر رہا تھا۔ اٹلی کے احیاء میں جن تین ممتاز شخصیتوں نے کام کیا — اور تحریک کا نام آگے چل کر " تحریک احیاء[3]" ہی مشہور ہوا — ان میں سے ایک میزینی تھی۔ دوسرا آزادی کا ایک زبردست جوانمرد جیوزپ گیریبالڈی[4] اور تیسرا کیملو بینسو دی کاوور[5] ایک امیر گھرانے کا فرد تھا ، جس کا ضمیر عمرانی تھا۔ ان تینوں کو بالترتیب اتحاد اٹلی کی رُوح ، شمشیر اور دماغ کہنا چاہیے۔

میزینی جینوآ میں پیدا ہوا (۱۸۰۵ء) طفلی ہی میں اسے ہموطنوں کی حالتِ زار سے آگاہی ہوگئی۔ وہ اپنی والدہ کے ساتھ سٹراڈا نووا[6] میں جا رہا تھا کہ سیاسی پناہ گیروں کا ایک گروہ ملا ، جس کی حالت بڑی دردناک تھی۔ وہ لوگوں سے روپیہ جمع کر رہے تھے تاکہ ہسپانیہ تک کا کرایہ

---

[1] Young Italy [2] Giuseppe Mazzini [3] Risorgimento Reawakening [4] Garibaldi [5] Camillo Benso di Cavour [6] Strada Nuova

ہوجائے۔ یوں پہلی مرتبہ میزینی پر آشکارا ہوا کہ ان لوگوں کی جلاوطنی کا سبب آزادیٔ وطن سے محبت کے سوا کچھ نہیں۔ اسے بالکل علم نہ تھا کہ خود اس کی سڑسٹھ سال کی زندگی میں سے کم وبیش پچاس سال قید یا جلا وطنی میں صرف ہوں گے۔

میزینی ذرا بڑا ہوا تو قومی درد کا بار خود اس کا اپنا بار بن گیا۔ یونیورسٹی میں وہ اپنے سیاہ نصیب ملک کے ماتم میں سیاہ لباس پہنتا تھا اور چپ چاپ رہتا تھا۔ ہمسر اسے دیکھ کر متعجب ہوتے تھے۔ آسٹرویوں کی طرف سے شدید احتساب کے باوجود وہ ہر جگہ اٹلی کی آزادی کے لئے التجائیں کرتا۔ پہلے وہ کاربزی میں شامل ہوا اور ملک کے اتحاد و آزادی کے لئے مضامین لکھنے لگا۔ اتحاد و آزادی سے بڑھ کر اسے کوئی چیز مطلوب نہ تھی۔ اربابِ لبت وکشاد جلد اس کی طرف متوجہ ہو گئے۔ ۱۸۳۰ء میں اسے اس بناء پر قید کی سزا دی گئی کہ قابل نوجوان ہے، مگر راتوں کو تنہا ٹہلنے کا مشتاق ہے۔

جس پُرانے قلعے میں اسے قید کیا گیا وہ سمندر کے کنارے واقع تھا۔ میزینی کی نظر وسیع آزاد پانیوں پر پڑتی رہی اور اس نے رہائی پانے کے بعد کام کے لئے قطعی منصوبہ تیار کر لیا۔ فیصلہ یہ تھا کہ اب خفیہ کام نہ کروں گا بلکہ کھلّم کھلّا لڑوں گا۔ چنانچہ آئندہ سال مارسائی سے نوجوانانِ اٹلی کو دعوت دی کہ اطالوی آزادی کے لئے مقدّس مجاہدوں میں بھرتی ہو جاؤ۔ اس کے مقاصد بالکل واضح تھے۔ وہ سب سے پہلے اٹلی میں جمہوریت قائم کرنا چاہتا تھا۔ پھر اس کی

خواہش یہ تھی کہ یورپ کی تمام آزاد حکومتوں کا ایک وفاق بنا دے، جس میں سب برابر ہوں اور سب مشترکہ بہبود کے لئے کام کریں۔ وہ ایک اعتبار سے متحد اقوام یورپ کے اس خواب کی تعبیر بروئے کار لانا چاہتا تھا، جو دانتے نے دیکھا تھا۔ اب وہ خواب پورا ہوتا نظر آتا تھا، کم از کم میزینی کی تمام اُمیدوں کا انحصار اسی پر تھا۔

وہ جہاں گیا، انھیں امیدوں کی صدا لگاتا رہا۔ اس نے بہت سے سفر کئے۔ کوئی بھی ملک ایسے خطرناک مفکر کو جگہ دینے کا خواہاں نہ تھا۔ حکومتیں اس سے زیادہ تر اس لئے ڈرتی تھیں کہ نوجوانوں پر اسے بہت اثر و رسوخ حاصل تھا۔ نوجوان واقعات کی سستیٔ رفتار پر بے صبر ہو رہے تھے اور چاہتے تھے کہ تشدّد آمیز ذرائع سے مقصد پُورا کرلیں۔ پیرووں کے تشدّد کا الزام لیڈر پر عائد ہوتا، جسے ایک ملک سے دوسرے ملک پر چلے جانے کے لئے مجبور ہونا پڑا۔ جب اس نے نوجوان اٹلی کی تنظیم کو نوجوان یورپ کی تنظیم بنا دیا تو اس کے متعلق خوف اور بھی بڑھ گیا۔ جب ساٹھ سال کی جد و جہد کے بعد اٹلی ایک بادشاہی کی حیثیت میں متحد ہوگیا تو میزینی نے دوسرے لیڈروں کے فیصلے کے سامنے سر جھکا دیا، لیکن وہ خوش نہ تھا۔ اس کا احساس یہ تھا کہ اٹلی جمہوریت نہیں بنا، اس لئے حقیقتاً آزاد نہیں ہُوا۔

گیریبالڈی نیس[1] میں پیدا ہُوا۔ میزینی سے دو سال چھوٹا تھا۔

---

[1] Nice

وہ بھی اوائل شباب ہی میں آزادی کی تحریک کا حامی بن گیا۔ ۱۸۳۴ء میں میزینی نے یہ منصوبہ تیار کیا کہ اپنے پیروؤں کے ساتھ پیمونٹ میں داخل ہو جائے اور اچانک حکومت پر قبضہ کرلے۔ اِس وقت گیریبالڈی سارڈینیا کی بحری فوج میں شامل تھا۔ اس نے فوراً فیصلہ کرلیا کہ اپنا جہاز جینوآ لے جائے اور اسلحہ خانے پر قبضہ کرلے، مگر یہ راز طشت ازبام ہوگیا۔ اگر دوست اسے بچ نکلنے میں امداد نہ دیتے تو وہ موت کی سزا پاتا۔ یورپ میں اس کا ٹھہرے رہنا اس وجہ سے خطرناک بن گیا کہ پولیس ہر وقت پیچھے لگی رہتی تھی۔ آخر وہ جنوبی امریکہ چلا گیا۔ وہاں اس کی شجاعت اور انقلابی روح نے جنوبی امریکہ کی ریاستوں کی خدمت انجام دی، جو اٹلی کی طرح آزادی کے لئے جد و جہد کررہی تھیں۔ یوروگوے کو گیریبالڈی کے بہادر اطالوی دستے ہی کی بدولت آزادی ملی۔

۱۸۴۸ء انقلاب کا سال تھا۔ گیریبالڈی کو دوستوں سے معلوم ہوا کہ اگر وہ قومی تحریک کی کمان سنبھال لے تو اٹلی کو نئے سرے سے آزادی کی جنگ میں مدد ملے گی۔ وہ فوراً اپنی بیوی انیتا[1] کے ساتھ روانہ ہوگیا، جو جنوبی امریکہ کی تھی اور جنگ میں بہادری و فداکاری کے باعث وہ شریف ترین نسائیت کی ایک مثال بن گئی تھی۔

گیریبالڈی کی دعوت پر سیکڑوں جوان اس کے جھنڈے تلے

---

[1] Anita

آپہنچے۔ ان کی وردیاں سُرخ تھیں، جو خون اور مردانگی کا رنگ تھا۔ انھوں نے فرانس، آسٹریا، ہسپانیہ اور نیپلز کی مشترکہ فوجوں کے خلاف جنگ کی اور ان بہادروں کی شجاعت مطلق العنانی کے لئے ایک زبردست خطرہ تھی۔ متعدد کامیابیاں حاصل ہوئیں۔ شکستوں سے بھی سابقہ پڑا۔ ایسے ہی ایک موقع پر اینیٹا نے وفات پائی۔ وہ بچہ جننے والی تھی، لیکن دشمن جابجا اس کا تعاقب کرتے رہے۔ یہی امر اس کی وفات کا باعث بن گیا۔ گیریبالڈی بیوی کی موت کو کبھی فراموش نہ کرسکا۔ حبِّ وطن کی خاطر یہ اس کی سب سے بڑی قربانی تھی۔

اس نے اٹلی کے لئے جنگ جاری رکھی، یہاں تک کہ وہاں بادشاہی قائم ہوگئی۔ اِس وقت تک اٹلی متحد نہیں ہوا تھا۔ مختلف حصّے الگ تھے۔ اس نے اتحاد کے لئے کوشش کا سلسلہ جاری رکھا۔ تمام عظیم القدر آدمیوں کی طرح اس کے متعلق بھی غلط فہمیاں پیدا ہوئیں اور اسے ناشکرے پن کے برتاؤ سے سابقہ پڑا، لیکن ذاتی احساسات اسے مقصد سے ہٹا نہ سکے۔ اٹلی کی دعوت پر وہ اپنے سرخپوشوں کے ساتھ آزادی کے زندہ شعلے کی طرح ضرورت کے مقام پر جا پہنچتا۔

کاؤنٹ کاوور نہ میزینی کی طرح کوئی پُراسرار وصف رکھتا تھا، نہ گیریبالڈی کی طرح اس میں کوئی رومانی رنگ تھا، البتہ اس کی سیاسی حِس بڑی مستحکم تھی۔ اگرچہ اس کا تعلق امیر گھرانے سے تھا، تاہم وہ آزاد خیال تھا اور مطلق العنانی کی ہر شکل سے اسے نفرت تھی۔

۱۸۳۰ء میں فرانس کے اندر انقلاب ہوا اور وہاں لوئی فلپ کے ماتحت دستوری بادشاہی قائم ہوگئی تو کاوور صرف بیس برس کا تھا۔ اس کے دل میں خیال پیدا ہوا کہ متحدہ اٹلی میں کیوں دستوری بادشاہی قائم نہ کی جائے۔ ایسی بادشاہی انگلستان میں مدت سے قائم تھی اور خوب چل رہی تھی۔ کاوور انگلستان کا بڑا مداح تھا۔ اصل کام یہ تھا کہ اٹلی کو آسٹریا کے جوئے سے نجات دلائی جائے۔ اس کے بعد داخلی سیاسی آزادی خود بخود بحال ہوجاتی۔ اٹلی کو روحانی اعتبار سے تیار کرنا ضروری تھا۔ اس کے بعد ہی کاوور اپنے منصوبے پر عمل کرسکتا تھا۔ اس تیاری میں میزینی کا اثر حد درجہ نمایاں رہا۔ البتہ ۱۸۴۸ء کے بعد کاوور ملک کے اتحاد کا رہنما رہا اور گیریبالڈی نے میدانِ جنگ میں اتحاد کا پرچم فاتحانہ بلند رکھا۔

انقلابِ فرانس عوام کے جذبے سے پیدا ہوا تھا، لیکن اٹلی کے احیاء کی صورت یہ نہ تھی۔ یہاں مظلوم اکثریت کو متوسط درجے کے چند روشن خیال آدمیوں نے احیاء کی ضرورت سے آگاہ کیا۔ آبادی کا بہت بڑا حصہ غریب، جاہل اور پامال تھا اور انھیں تبدیلی کی کوئی توقع نہیں رہی تھی۔ جب انھوں نے احیاء کی پہلی جھلک دیکھی تو وہ جاگ اُٹھے۔ گیریبالڈی نے جب سرخپوشوں کی بھرتی کی تو یہ ان کے جاگ اُٹھنے کا ثبوت تھا۔

کاوور افہام و تفہیم اور داد و ستد کا قائل تھا۔ اس نے فرانس و انگلستان کی حمایت حاصل کرلی، لیکن یہ حمایت بے غرضی پر مبنی نہ تھی اور کاوور نے خود سب سے پہلے اس کا اندازہ کرلیا تھا،

مگر اس سے اطالویوں کو مدد ملتی تھی، لہٰذا اس نے حمایت قبول کرلی۔ میزینی کا عقیدہ یہ تھا کہ اٹلی کو یورپ کا روحانی لیڈر بن جانا چاہیے۔ اس کا احساس تھا کہ کاؤور بادشاہیوں کے ساتھ معاملات طے کرکے احیاء کے حقیقی مقاصد پر ضرب لگا رہا ہے۔ حقیقت پسند کاؤور نے اس کا کچھ خیال نہ کیا۔ وہ جانتا تھا کہ اٹلی اقوامِ یورپ میں ایک قوم بن کر ہی کامیابی حاصل کرسکتا ہے۔

دستوری بادشاہی قائم کرنے کے لئے ایک بادشاہ درکار تھا، چنانچہ خاندانِ سیوائے سے ایک امیدوار مل گیا۔ یہ یورپ کے قدیم ترین حکمران خاندانوں میں سے ایک خاندان تھا، جس کی تاریخ صدیوں کے اندر جنگی میدانوں میں مرتب ہوئی تھی اور امیدوار وکٹر عمانوئیل دوم شاہ سارڈینیا تھا۔ اس کا باپ چارلس البرٹ آسٹروی دشمن کی متحدہ فوجوں کے ساتھ بہادرانہ لڑکر حکومت سے بیٹے کے حق میں دست بردار ہوچکا تھا، کیونکہ بازی ہرتی نظر آتی تھی۔ اسے اپنی شکست کا بھی گہرا احساس تھا، لہٰذا وہ حکومت چھوڑ کر خانقاہ میں جابیٹھا، وہیں وفات پائی۔

وکٹر عمانوئیل دوم کو بڑی سخت جد و جہد کرنی پڑی۔ پھر پہلی برطانوی پارلیمنٹ کے ایک اجلاس میں ۱۸ فروری ۱۸۶۱ء کو اس کی بادشاہی کا اعلان ہُوا۔ مارچ میں ایوان اور سینٹ نے اس کی تصدیق کی۔ چنانچہ "اللہ کے فضل اور قوم کی مرضی کے مطابق وہ شاہِ اٹلی" بن گیا۔ اس طرح اس نے بادشاہوں کے آسمانی حق حکومت کے لئے عوام پر اقتدار کا اصول منوالیا، جس کے مدعی بادشاہ ہمیشہ رہے۔ اس نے اپنا لقب وکٹر عمانوئیل دوم ہی رکھا۔

اگرچہ وہ متحدہ اٹلی کا پہلا بادشاہ تھا۔

بہت سے لوگوں نے جانیں دیں، لیکن کروڑوں نے اس کارنامے پر شادمانی کے مظاہرے کیے، مگر جلد ہی اُنھیں ان غیر ملکی طاقتوں کے خود غرضانہ کارناموں سے سابقہ پڑا، جن سے مدد ملی تھی۔ اس طرح شادمانی کا طلسم ٹوٹ گیا۔ حمایت کی ایک شرط یہ تھی کہ نیس اور سیوائے فرانس کے حوالے کیے جائیں۔ گیریبالڈی اس حوالگی کے خطرات کا اندازہ قبل از وقت کرچکا تھا۔ پارلیمنٹ کے ایک اجلاس میں گیریبالڈی نے کاوور پر ایسے سخت الزام لگائے کہ بیمار اور کثرتِ کار سے تھکے ماندے وزیرِ اعظم کی موت اس صدمے سے قریب تر آگئی۔ وہ ۶۔ جون ۱۸۶۱ء کو فوت ہوا۔ اٹلی کا اتحاد صرف جزواً پورا ہوا تھا، کیونکہ پاپائی جاگیریں اس وقت تک اٹلی سے باہر تھیں اور کلیسا بادشاہی کا ویسا ہی دشمن تھا، جیسا ہمیشہ سے چلا آتا تھا، بلکہ اسے ماننے سے بھی انکار کردیا۔ جب ٹریسٹ اور اِستریا کے صوبے، جہاں کے لوگ اطالوی بولتے تھے، آسٹریا کے حلقۂ اثر میں رہے تو سخت بے چینی پھیلی۔ یہ صورتِ حال زمانۂ قریب تک مشکلات کی موجب بنی رہی۔

اتحاد کی تکمیل کے لیے مزید نو سال جد و جہد کرنی پڑی۔ آخر یہ فوجی قوت کے بل پر پایۂ تکمیل کو پہنچی۔ اطالوی فوج جنرل رفائل کڈورنا[ے] کی سرکردگی میں روما پر حملہ آور ہوئی۔ پاپائی جاگیریں اٹلی کی بادشاہی

ے Rafaele Cadorna

میں شامل کرلی گئیں۔ اس پر ووٹ لیے گئے اور یہ الحاق منظور کرلیا گیا۔
بدقسمتی سے علاقائی اتحاد کا مطلب ہمیشہ یہ نہیں ہوتا کہ عوام بھی اس پر راضی ہیں۔ عوام کو قومی وقار سے استفادے پر خوشی تھی، لیکن اِس وقار کے ساتھ اقتصادی اصلاحات نہیں ہوئی تھیں۔ دولتمند بدستور دولتمند تھے اور غریب غریب ہی رہے۔ اطالویوں کو حق رائے حاصل تھا، لیکن اس حق سے وہی لوگ فائدہ اُٹھا سکتے تھے، جن کے پاس روپیہ یا املاک تھے۔ بلاشبہ ملک کی دردناک ناخواندگی دُور کرنے کے لئے تعلیمی مواقع کا مناسب انتظام ہُوا، لیکن سب سے بڑی رکاوٹ یہ تھی کہ عوام بہت غریب تھے۔ سکول قائم ہوگئے، مگر کسان کھیتوں سے اور مزدور اپنے پیشوں سے روزی کا سامان اس درجہ کم حاصل کرتے تھے کہ چھوٹے بچوں کی امداد کے بغیر کنبے کے گزارے ہی کی کوئی صورت نہ تھی۔ ۱۸۷۷ء میں تعلیم جبری کردی گئی تاکہ سکولوں کی حاضری بڑھے، لیکن افلاس جبری تعلیم سے زیادہ زبردست ثابت ہُوا۔ چنانچہ اُنیسویں صدی کے ربع آخر میں زیادہ تر سلیم الاعضا افراد ملک سے بہ تعداد کثیر باہر جانے لگے۔ اکثر فصلی محنت مزدوری کے لئے دوسرے یورپی ملکوں میں چلے گئے۔ جو کام انھیں مل جاتا، کرلیتے، پھر کچھ پیسے بچاکر اٹلی آجاتے۔ سال بہ سال وہ اِسی طرح گزارہ کرتے رہے۔ جن لوگوں کے پاس جہازوں کا کرایہ تھا، وہ شمالی اور جنوبی امریکہ چلے گئے۔ وہاں وہ اپنے اوپر راحت و آسائش حرام کرکے بلکہ ضروریات سے بھی محروم رہ کر رقمیں بچاتے اور اہل خاندان کے گزارے کے لئے اٹلی بھیج دیتے۔ اس روپے سے قوم کو خاصی

مدد ملی ، لیکن ہر ملک کے مقامی مزدور اطالویوں سے ناخوش تھے ، کیونکہ وہ کم اُجرت لے کر بھی کام شروع کر دیتے تھے ۔ بہت سے لوگ کارگاہوں میں جاں بحق ہوئے ۔ جس طرح اتحاد اٹلی کے لئے لوگوں نے جانیں دی تھیں ، اسی طرح ان مزدوروں کی قوت اور خون سے بھی قوم کو زندہ رہنے میں مدد ملی ۔

تیرھواں باب

سلطنت کی ناکامی اور اٹلی کا مستقبل

افراد کی طرح قومیں بھی التباس کا شکار ہو سکتی ہیں۔ اطالویوں کو مستثنیٰ نہ سمجھنا چاہیے۔ انھیں سلطنت نے دھوکے میں ڈالا، جس کی غرض یہ تھی کہ بحیرۂ روم کو ایک اطالوی جھیل بنا لیا جائے۔ عزّ و جاہ کے حریص مشکلات کے وقت میں پے درپے بروئے کار آتے رہے تاکہ اس مقصد کو پورا کر دیں، لیکن حقائق کی قوتیں ان کے خواب سے زیادہ مستحکم ثابت ہوتی رہیں۔

ان معمارانِ سلطنت میں سے ایک نہایت مشہور شخص کولادی رینزو یا رینزی[1] تھا۔ ویگنر نے اس کے متعلق ایک غنائیہ تحریر کیا تھا۔ مصوّر بڑی بڑی تاریخی تصویروں کے لیے اسے بہ طور موضوع منتخب کرتے رہے اور تمام قوموں کے اہلِ قلم نے اس کے سوانح حیات لکھے۔ اس کے متعلق ناول تصنیف ہوئے اور المیے ترتیب پائے۔ اس کی داستانِ حیات اٹلی کے آخری معمارِ سلطنت مسولینی سے اس قدر مشابہ ہے کہ دونوں میں اعتدال ازروۓ موازنہ دلچسپی کا باعث ہوگا۔

کولادی رینزو جو چودھویں صدی کے نصفِ اوّل میں گزرا ہے،

---

[1] Cola di Rienzo [2] Rienze

جب پوپ خود غرض امراء کی بدنظمیوں کے باعث اٹلی کو چھوڑنے پر مجبور ہو گئے تھے اور انھوں نے ایونیان (فرانس) کو اپنا مرکز بنا لیا تھا۔ محض کلیسا کا احتیاط آموز اثر ہی زائل نہ ہوا بلکہ انسانیت کا احساس بھی رخصت ہو گیا۔ تنخواہ دار سپاہیوں کے جتھے — جن میں سلافی بھی تھے، پولستانی بھی، اہلِ برٹنی بھی اور اہلِ ہسپانیہ بھی، جرمن بھی تھے، انگریز بھی اور اہلِ برگنڈی بھی — بے لگام پھرتے تھے۔ وہ اپنے آقاؤں کو بھی اسی بیدردی سے لوٹتے تھے، جس بیدردی سے غریب اور سیاہ نصیب اٹلی کو لوٹتے تھے۔ گھروں کا سامان اٹھا لیتے اور انھیں آگ لگا دیتے — گرجوں کی ہر چیز پر قبضہ کر لیتے پھر انھیں تباہ کر ڈالتے۔ شہر مقدس یعنی رومہ میں کولوسیم اور مختلف رومی حماموں کے کھنڈر ان لیڈروں کے ہاتھوں میں، قلعے بن گئے۔

عوام کی کوشش یہی تھی کہ امن قائم ہو جائے۔ رومہ میں کونسلروں کی ایک حکومت قائم کی گئی، جس کا رئیس شہر کا کوتوال تھا۔ جب کسی نئے پوپ کا انتخاب ہوتا تو رومہ سے عقیدت مندی کے ساتھ نمائندے ایونیان بھیجے جاتے۔ پوپ کلیمنٹ ششم کا انتخاب ہوا تو دوسرے نمائندوں کے علاوہ کولا دی رینزو بھی بھیجا گیا، جو ایک رومی سقے کا بیٹا تھا۔

وہ بڑا ذہین اور ذکی تھا اور اس کے دل میں بلند مرتبے پر پہنچنے کا خاص جذبہ تھا، اس لیے بڑی اچھی تعلیم پائی۔ وسیع مطالعہ کیا اور جولیس سیزر کی تصانیف بھی پڑھیں۔ وہ قدیم رومہ کی تاریخ سے مسحور

ہوگیا۔ جب اس نے گرد و پیش پر نظر ڈالی اور ہر طرف اٹلی کی تباہی دیکھی تو یہ جذبہ پیدا ہوا کہ اٹلی کی پُرانی شہنشاہی عظمت و شان بحال کرنی چاہیئے۔ جو امراء جابجا برسرِ اقتدار تھے، ان سے نفرت کے لیئے ریٔنزو کے ذاتی وجوہ بھی تھے۔ کولونا خاندان کے ایک رُکن نے ریٔنزو کے ایک بھائی کو قتل کردیا تھا۔ قاتل اِس لیئے عدالت میں پیش نہ کیا گیا کہ ڈر تھا، یہ امیر خاندان ناراض نہ ہوجائے۔

کولا دی ریٔنزو اسی طرح برسرِ اقتدار آگیا، جیسے زمانے کا دستور تھا۔ اس نے اپنی خطابت اور خوش گفتاری سے سامعین کو مشتعل کردیا اور متکبّر امراء کے خلاف بغاوت برپا ہوگئی۔ ریٔنزو نے متعدد اصلاحات کیں۔ اِس طرح لوگ اس کے معترف ہوگئے اور اسے نہایت اعلیٰ منصب ملتے گئے۔ جب کھانے پینے کی چیزوں کا قحط پڑگیا تو ریٔنزو نے غریبوں کے لیئے غلّے کا خاص انتظام کردیا۔ وہ سب اس پر جانیں چھڑکنے لگے۔ اس نے نوجوانوں سے ترقی کے وعدے کرلیئے، اس طرح سرگرم حامیوں کا ایک جتھا بنالیا۔ جب اس نے اعلان کیا کہ میں روما کا شان دار مستقبل بحال کروں گا اور اسے یورپ کی روحانی سلطنت بنادوں گا تو پورے اٹلی کی نظریں اس کی طرف اُٹھنے لگیں۔ پوپ نے ایونیان میں بیٹھے بیٹھے اسے برکت دے دی۔ حکومت نے اسے مختار بنادیا کہ عوام کے لیئے ایک دستور تیار کرے اور خود عوامی نمائندہ بن جائے۔ وہ امن و نظم کی بحالی میں کامیاب ہوگیا ــ یقیناً اس نے تشدد آمیز ذرائع استعمال کیئے ــ اس کی کامیابی کا یہ عالم تھا کہ جو امراء پاگل کہہ کر اس کا مذاق اُڑاتے تھے، وہ مالی تحائف اس کے پاس بھیجنے لگے

اور انھوں نے دوسرے مروّجہ وسائل تحسین اختیار کیے۔ پیٹرارچ شاعر نے اس کی ستائش کی اور کہا: "ریئنزو وہ مجاہد ہے، جس سے پورے اٹلی کی شان بلند ہوتی ہے۔" معلوم ہورہا تھا کہ کولا دی ریئنزو موعودہ دور لے آیا ہے۔

جب دُنیا اس کے قدموں پر گر گئی تو انتہائی افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ دیانتدارانہ اصلاحات کی جگہ ہوا و ہوس عزّ و جاہ اور شیخی نے لے لی۔ ریئنزو عیش و عشرت کی زندگی بسر کرنے لگا ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ اپنے آپ کو ایک نیا شہنشاہ سمجھتا ہے۔ پھر اس نے عوام پر یہ حقیقت واضح بھی کردی۔ ایک روز قدیم شہنشاہوں کا لباس پہنا۔ ہفت منزلہ تاج سر پر رکھا اور شہنشاہ قسطنطین کے سنہری برتن میں ہاتھ دھوئے۔ پھر تلوار اُٹھائی اور دنیا کے چاروں گوشوں کی طرف اشارہ کرکے پکارا: "میں پوری دنیا کے فیصلے انصاف سے کروں گا اور لوگوں کے ساتھ عدل سے پیش آؤں گا۔"

اقتدار کے نشے میں اس نے عدل کے اختیارات خود سنبھال لئے اور نہایت طاقتور امرار کو مار ڈالنے کا منصوبہ بنایا تاکہ ان کی ثروت پر خود قابض ہو جائے۔ ملک میں پھر لڑائیاں شروع ہوگئیں۔ انتقام جُو امرا ایک تکلیف دہ دشمن سے نجات پانے کے لئے مضطرب تھے انھوں نے اہلِ روما کے ذریعے سے اس پہ ضرب لگانے کا انتظام کرلیا۔ فیصلہ کرلیا کہ انھیں کھانے کو کچھ نہ دیں گے اور بھوکوں ماریں گے۔ اس پر عوام اس شخص کے خلاف اُٹھے، جیسے نئی سلطنت

کا داعی مانا جاتا تھا اور — مگر کولادی رینزو کا انجام گیبریل دا انزیو کی زبان سے سُنئے :

"وہ بھیس بدل کر بچ نکلنا چاہتا تھا۔ ہجوم نے اسے پکڑ لیا.... کھینچتے ہوئے کھلے مقام پر لے آئے... وہ ہانپ رہا تھا اور گھبرایا ہوا دیکھ رہا تھا، ساتھ ساتھ بڑ بڑا رہا تھا.... ہجوم میں سے ایک شخص شمشیر بکف آگے بڑھا اور شمشیر اس کے پیٹ میں بھونک دی.... یہ نظارہ بڑا خوفناک تھا.... لیکن اس کے گرنے سے پیشتر ایک اور شخص نے اس کی کھوپڑی کے دو ٹکڑے کر دیئے۔ پھر لوگ چیختے ہوئے اس پر جا گرے۔ ٹخنوں کو رسا باندھ لیا.... کھینچتے ہوئے سان مارسیلو لے گئے۔ وہاں ایک پہاڑی پر اُلٹا لٹکا دیا[1]...."

یہ نہایت خوفناک انسان تھا، جس کا انتظام عوام نے کیا اور بالکل ویسا ہی تھا، جیسا ۲۸ر اپریل ۱۹۴۵ء کو ایک اور معمار سلطنت کے سلسلے میں پیش آیا یعنی مسولینی کے سلسلے میں۔

ہمیں اس اثناء میں اٹلی کی تاریخ پر نظر رکھنی چاہیئے۔ وکٹر عمانوئیل ۱۸۷۸ء میں فوت ہوا۔ اُس وقت اٹلی میں قوم نئی نئی بنی تھی۔ صدیوں کی بیماریوں کا علاج شروع ہو گیا تھا، لیکن ظاہر

---

[1] ترجمہ مصنف کتاب کا ہے۔

ہے کہ اس سلسلے میں معجزے نہیں دکھائے جا سکتے تھے۔ جادو کی چھڑی گھماکر نہ سڑکیں تعمیر ہوسکتی تھیں، نہ جنگل نئے سرے سے اُگائے جا سکتے تھے۔ پہاڑوں سے پانی کے جو ریلے "وقتاً فوقتاً" آتے تھے، اُن پر قابو پانے کے لئے انجنیری کی ہنرمندی درکار تھی۔ اسی طرح ملیریا پیدا کرنے والی دلدلیں یکایک خشک نہیں کی جا سکتی تھیں۔ محبانِ وطن کو اِس حقیقت سے سخت صدمہ پہنچا کہ ۱۸۷۰ء کے بعد بھی خاصی مدت گزر گئی مگر نصف سے زیادہ آبادی ایسی تھی جو بالکل پڑھ لکھ نہیں سکتی تھی۔ بچوں کو کام سے نجات دلانے کے لئے کوئی قدم نہ اُٹھایا گیا اور حالات ویسے ہی رہے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ عوام میں بے چینی پھیل گئی۔

قوم کے داخلی مسائل کے علاوہ بیرونی دنیا کے مسائل بھی تھے۔ آسٹریا یہ واقعہ بھول نہ سکا کہ جو علاقے کچھ مدت پہلے اس کے قبضے میں تھے، ان سے نئی اٹلی نے ترکیب پائی اور پاپائی جاگیروں کے الحاق سے اٹلی نے اسے (آسٹریا کو) مقدس رومی سلطنت کے قدیم حق سے محروم کر دیا۔ مزید برآں انگلستان اور فرانس نئی قوم کو شبہے کی نظروں سے دیکھتے تھے۔ دونوں میں سے کوئی بھی نہیں چاہتا تھا کہ اٹلی ایک حریف بحری قوت بن جائے۔ اٹلی کی خواہش یہی تھی اور اس نے اسی لئے نیپلز اور پیمونٹ کے بیڑوں میں توسیع کرلی تھی۔ یہ بھی واضح تھا کہ اٹلی کا بہت بڑا حصہ ساحلی تھا۔ پھر اٹلی افریقی نوآبادی کے لئے کوشاں ہوگیا تھا۔ یہ چیز فرانس اور برطانیہ کو پسند نہ تھی۔ جب فرانس نے ٹیونس پر قبضہ کرلیا

تو اطالویوں نے اس پر سخت غصّے کا اظہار کیا۔

شاہ ہمبرٹ اوّل باپ کا جانشین بنا تو اسے ان خطروں کا پُورا احساس ہوگیا، جو اس کی سلطنت کے ارد گرد منڈلا رہے تھے۔ اس نے دفاع کے طور پر ۱۸۸۲ء میں آسٹریا اور جرمنی سے امداد باہمی کا معاہدہ کرلیا۔ اِس معاہدے کی ایک دفعہ یہ تھی کہ اٹلی اِسٹریا اور ٹریسٹ کے دعوے سے دست بردار ہوتا ہے۔ یہ معاہدہ "اتحاد سہ گانہ" کے نام سے مشہور ہُوا اور ۱۹۱۴ء تک قائم رہا، جب پہلی عالمی جنگ شروع ہوئی۔ ایک معاہدہ انگلستان سے بھی ہوگیا، جس کے مطابق دونوں ملکوں نے وعدہ کرلیا کہ بحیرۂ روم میں بحری قوت بڑھانے کے لئے وہ ایک دوسرے سے بازی لے جانے کی کوشش نہ کریں گے۔

اس اثنا میں اٹلی کی سیاسی پارٹیاں اقتدار کے لئے کوشاں ہوگئیں۔ ان میں وہ پارٹیاں بھی تھیں، جو اتحاد کے وقت سے چلی آتی تھیں اور وہ بھی تھیں جو بعد میں بنیں۔ قدامت پسند اور جمہوریت پسند، لبرلوں اور انتہا پسندوں سے جھگڑنے لگے۔ ان کے درمیان بھی مختلف آزاد لوگ تھے، بلکہ کہنا چاہیئے، جتنے ممبر تھے، اتنی ہی پارٹیاں تھیں۔ نتیجہ ابتری کے سوا کچھ نہ ہوسکتا تھا۔ اس کی زد عوام پر پڑی۔ پھر قومی خزانے میں بے اندازہ خسارہ ہُوا، جس سے حالات بدتر ہوگئے۔ چنانچہ بے چینی نے ہڑتالوں اور صنعتی ہنگاموں کی شکل اختیار کی۔ کچھ اصلاحات ہوئیں، مثلاً مزدوروں کے لئے معاوضے کا قانون بن گیا۔ کارکردگی کے حالات بہتر بنانے کا انتظام ہوگیا۔ لیکن بے چینی جاری رہی کیونکہ اقتصادی حالت میں کوئی تغیّر نہیں ہوا تھا۔ عوام شور مچا رہے تھے کہ زبردست

قدم اُٹھایا جائے اور انھیں خطرے کا کوئی احساس نہ تھا۔

خوش قسمتی سے نیا وزیر اعظم — سسلی کا فرانسسکو کرسپی[1] دانشمند بھی تھا، اور طاقتور بھی۔ اس کی سرکردگی میں پارٹیاں مشترکہ بہبود کے لیے کام کرنے کی طرف راغب ہوگئیں۔ حکومت نے بعض اہم خرابیوں کو دُور کرنے کے لیے بھی مؤثر تدبیریں اختیار کیں۔ حفظانِ صحت کی حالت بہت خراب تھی۔ ۱۸۸۴ء میں ہیضے کی وبا پھوٹی تو بڑی بڑی آبادیوں کے شہروں کے غلیظ محلوں میں ہزاروں آدمی مرگئے۔ شاہ ہمبرٹ خود بیماروں اور مرنے والوں کے حالات دیکھتا رہا۔ نیپلز میں غریب لوگوں کے رہنے سہنے کے حالات دیکھ کر وہ سراپا حیرت بن گیا۔ نئی وزارت کے ماتحت خستہ، تاریک اور مضرِ صحت مکانات ڈھاکر ان کی جگہ نئی وضع کے مکانات بنادئے گئے۔

جن شہروں میں آبادی بہت زیادہ تھی، وہاں وبا نے ایک اور اہم مسئلہ پیدا کر دیا، یعنی آبادی کی زیادتی۔ اگرچہ ہزاروں آدمی اٹلی سے دوسرے ملکوں میں چلے گئے تھے، لیکن آبادی برابر بڑھ رہی تھی۔ چنانچہ اٹلی نے پھر باہر مقبوضات حاصل کرنے چاہے۔ یورپی قوموں کی پیروی کرتے ہوئے اس نے مصوع پر قبضہ کرلیا۔ حبشہ کے حکمرانوں نے اطالویوں سے جنگ شروع کردی۔ یہ جنگ کئی سال جاری رہی۔ اگرچہ فوجی شکستوں سے بھی سابقہ پڑا، لیکن ۱۸۸۹ء میں اٹلی نے ایک بڑا علاقہ حاصل کرلیا۔ نیز

---

[1] Francisco Crispi

حبشہ کو اپنی حفاظت میں لے لیا۔ نئے علاقے کا نام ایرٹیریا[1] قرار پایا۔
پارٹیوں کی کشمکش کے باوجود اٹلی خوشحال نظر آنے لگا۔
کشمکش نے وزیرِ اعظم کو استعفے پر مجبور کر دیا۔ کرسپی الگ ہوا
تو پھر بدنظمی کا دور دورہ ہو گیا۔ اس کے جانشین جیولتی[2] کے
ماتحت حالات بدتر ہو گئے۔ اس نے چند ہی سال میں ملک کو
دیوالے کے کنارے پہنچا دیا۔ پھر کرسپی کو دعوت دی گئی اور یقیناً
قوم کی متزلزل حالت میں اس کی ضرورت تھی۔ ایک مصیبت یہ
پیش آئی کہ حبشہ سے لڑائی شروع ہو گئی۔ عدوا کی جنگ میں اٹلی
نے شکستِ فاش کھائی، کیونکہ کمانڈر اچھے نہ تھے۔ اس کا الزام
خواہ مخواہ کرسپی کی حکومت پر عائد ہوا۔ کرسپی کے بعد جو حکومت
برسرِ اقتدار آئی، اس میں بے چینی اور بڑھ گئی۔ گرانی کے باعث
ہڑتالیں اور فساد شروع ہو گئے۔ مزدور اور کسان نئی انتہا پسند جماعتوں
سے مل گئے۔

اب اشتراکی جماعت کی تعداد بھی خاصی ہو گئی۔ لوگوں کو لیسنس
(پروانگی) اور آزادی میں تمیز نہ تھی۔ تشدد کے بھی بہت سے واقعات
پیش آئے، خصوصاً شمال کے صنعتی علاقوں میں حالت اتنی بگڑ گئی
کہ فلارنس، لیگہارن، خصوصاً میلان میں تشدد نے کھلی بغاوت کی
شکل اختیار کر لی۔ حکومت نے مارشل لا کا اعلان کر دیا۔ بہت سی
جانیں ضائع ہوئیں، لیکن اس سے لوگوں کی بے لگام طبیعت کی

---

[1] Eritrea [2] Giolitti

اصلاح نہ ہوئی۔ جب جولائی ۱۹۰۰ء میں دیانت کیش اور ہردلعزیز بادشاہ ہمبرٹ اوّل کو ایک انارکسٹ نے گولی ماردی تو قوم کو سخت صدمہ ہُوا۔

ہمبرٹ کا بیٹا، جس کی عمر اکتیس سال تھی، وکٹر عمانوئیل سوم کے لقب سے بادشاہ بنا۔ ہمبرٹ کے قتل نے قوم کا مزاج ایک حد تک درست کردیا تھا۔ اب پھر مسائل کو مناسب طریق پر طے کرنے کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ عوام کی ہمدردی اور حمایت نئے حکمرانوں کو حاصل رہی، لیکن نازک سیاسی اور اقتصادی مسائل حل نہ ہوئے۔ اشتراکی پارٹی کی انگیخت پر لوگ ہڑتال کا حربہ استعمال کرتے رہے۔ ۱۹۰۴ء میں صنعتی اور زرعی ہڑتالیں ہوئیں۔ پھر ۱۹۰۷ء میں عام ہڑتال نے کاروبار معطل کردیا۔

اس اثناء میں وزارتیں بنتی اور بگڑتی گئیں، لیکن ہنگاموں کے باوجود ملک بہ حیثیت عمومی پہلے سے زیادہ خوشحال رہا، کیونکہ عوام کے جذبات خود معاشرے کے بہتر نظام کے خواہاں تھے۔ رفتہ رفتہ دائیں اور بائیں بازو کی انتہا پسند پارٹیاں کمزور ہوتی گئیں۔ اشتراکیت نے بادشاہی کے تحت قوت حاصل کرلی۔ اشتراکیت ہی کی بدولت مزدور آبادی کی اکثریت میں اپنی سیاسی اہمیت کے متعلق شعور پیدا ہُوا۔

۱۹۱۴ء میں جیولیتی کی وزارت تھی، جب جنگ شروع ہوئی، اس وقت بنیٹو مسولینی کا نام سُنا جانے لگا، جو ایک اشتراکی اخبار کا ایڈیٹر تھا۔ تقریباً ایک سال تک اٹلی نے جنگ میں حصہ نہ لیا،

وہ تیار نہیں تھا، لیکن اسٹریا اور ٹریسٹ آسٹریا کے قبضے میں تھے، اس لئے جب فرانس اور انگلستان نے یہ وعدہ کرلیا کہ دونوں صوبے نیز دوسرے متعدد علاقے دئے جائیں گے، بشرطیکہ اٹلی اتحادیوں کے ساتھ جنگ میں شامل ہوجائے۔ چنانچہ اٹلی کی حکومت نے آسٹریا اور جرمنی کے دشمنوں کی باتوں پر کان دھرا۔ اس زمانے میں سن رسیدہ شاعر دانزیو اور اس کا نوجوان سیاسی شاگرد مسولینی رائے عامہ کو تقریروں اور تحریروں سے شرکتِ جنگ پر آمادہ کر رہے تھے۔

چنانچہ اٹلی جنگ میں شریک ہوا جو چار سال جاری رہی۔ اِس میں ملک کا سرمایہ ختم ہوگیا۔ پھر جنگ کے اختتام پر کیپوریٹو[ا] میں شکست کھائی۔ اس سے بہت تذلیل ہوئی، کیونکہ اس شکست نے تمام سابقہ کامیابیوں پر بھی پانی پھیر دیا تھا۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ قوم شدید قرض سے زیر بار ہوگئی۔ چھ لاکھ آدمی مارے گئے اور لاکھوں زخمی یا اپاہج ہوئے۔ ضعف و بے چارگی کی اس حالت میں بھی یہی سمجھا گیا کہ جنگ میں شرکت بڑی مہنگی پڑی۔ جب صلحنامے مرتب ہوئے تو اٹلی میں مزید بے چینی پیدا ہوئی۔ جو وعدے کئے گئے تھے، وہ پورے نہ ہوئے۔ گویا جنگ کے مادی زخموں کے علاوہ ملک کے طرّۂ افتخار پر بھی ضرب لگی۔ اس حالت میں اہلِ اٹلی ہر اُس شخص کی بات سُننے کے لئے تیار تھے، جو علاج کا وعدہ کرلیتا اور جنگ کے بعد ایسے معالجوں کی کمی کبھی نہیں رہی۔

[ا] Caporetto

پھر پورا یورپ اقتصادی سیاسی اور عمرانی زلزلوں کا شکار ہوگیا۔ سب سے بڑی تبدیلی جس کا اثر یورپ کے مزدوروں پر بہت گہرا پڑا، یہ تھی کہ روس میں سوویٹ جمہوریت قائم ہوگئی۔

اس جمہوریت کا خیر مقدم اٹلی سے بڑھ کر کسی نے نہ کیا اور اٹلی خود مصیبت زدہ تھا۔ تقریباً نصف صدی سے عوام بائیں بازو کے مصلحین کے دعوے سن رہے تھے۔ بعض اصلاحات ہوئیں بھی۔ اس اثنا میں ایک زبردست اشتراکی پارٹی وجود میں آگئی۔ ۱۹۱۹ء کے انتخابات کے بعد اقتدار دو جماعتوں میں بٹ گیا۔ ایک اشتراکی پارٹی، دوسری عوامی یا کیتھولک پارٹی۔ عوامی پارٹی قدامت پسندوں کی وضع کی اصلاحات چاہتی تھی۔ اس کی کوشش یہ تھی کہ یہ اصلاحات حکومت کے تعاون سے نافذ ہوں۔ اشتراکی پارٹی وسیع تغیرات کی حامی تھی۔ چونکہ وہ خود ایسی اصلاحات جاری نہیں کراسکتی تھی، لہٰذا اس نے مزدوروں کو برانگیختہ کیا۔ ایک کمیونسٹ پارٹی بھی تھی جو اشتراکیوں ہی سے نکلی تھی۔ یہ روسی وضع کا انقلاب چاہتی تھی۔

روسی عوام کی پیروی کرتے ہوئے کمیونسٹوں نے ہڑتالوں کا انتظام کیا، خصوصاً لمباردی اور پیمونٹ میں، جہاں اہم معدنی اور مکانیکی صنعتیں جاری تھیں۔ صنعت کاروں نے کارخانے بند کر دیئے۔ اس پر شمال کی یونینوں نے میلان کے مزدوروں کو حکم دے دیا کہ کارخانوں پر قبضہ کرلیا جائے۔ جلد پورے اٹلی میں کارخانے بند ہوگئے۔ پھر ستمبر ۱۹۲۰ء میں کارکنوں نے کارخانے چلانے کی کوشش۔ اپنے حق کی حفاظت کے لئے انھوں نے مسلح سرخپوش سپاہی مقرر کر دئے۔

نتیجہ تشدد ہوا، جس کے ذمہ دار مزدور بھی تھے اور کمزور و نااہل حکومت بھی۔ سال کے اختتام پر واضح ہوگیا کہ اٹلی میں روسی تجربہ ناکام رہا۔ اب عوام کسی زبردست شخصیت کا انتظار کرنے لگے۔

اس اثناء میں، ایک اور عنصر منظرِ عام پر آیا۔ اس کے لیڈر کا نام اٹلی میں ہر جگہ سنا جانے لگا۔ یہ فاشسٹ پارٹی تھی جو مسولینی نے بنائی تھی اور وہ خود اس کا رئیس تھا۔ وہ لوہار کا بیٹا تھا۔ پہلے اشتراکی رہا، پھر اپنے سابقہ رفیقوں کے خلاف ہوگیا اور آتشیں تقریروں سے پیرو بھرتی کرنے لگا۔ وہ جبر و تشدد کے طور طریقے استعمال کرتا تھا۔ ان طریقوں کو اس نے "راست اقدام" کا نام دیا تھا۔ اسے زیادہ تر آدمی مختلف قومی طبقوں سے ملے، مثلاً متوسط طبقے کے صنعتکار، جو ڈرے ہوئے تھے کہ سب کچھ کمیونسٹ نہ چھین لیں۔ مالکانِ اراضی، جنھیں یہ اندیشہ تھا کہ مزدوروں کے انقلاب میں ان کی جاگیریں چھن جائیں گی۔ سب سے آخر میں عام آبادی، جو بےچین، بے روزگار اور غیر مطمئن تھی۔ وہ راہِ نجات کی طلبگار تھی، خواہ کہیں سے ملتی۔

"راست اقدام" کے ذریعے سے، جس میں اکثر بیدردانہ تشدد استعمال کیا جاتا تھا، فاشسٹ پارٹی قوی ہوگئی۔ مسولینی کی خطابت سے خلوص ٹپکتا تھا — وہ بڑا دلنشین مقرر تھا۔ تقریروں میں تماشہ گری اور بناوٹ کا ایک خاص رنگ پیدا کردیتا تھا۔ اطالوی ان باتوں کو بہت پسند کرتے تھے — اس نے قوم اور دنیا کو یقین دلا دیا کہ یورپ کو نجات فاشسٹ پارٹی کے ذریعے سے

مل سکتی ہے۔

یکم اگست ۱۹۲۲ء کو حکومت کی سرپرستی میں عام ہڑتال کا اعلان ہوا۔ مقصد یہ تھا کہ فاشسٹوں پر واضح کر دیا جائے، حکومت عوام میں فاشسٹ پارٹی سے زیادہ طاقتور ہے۔ مسولینی نے جواب میں ہڑتال نہ کرنے کا اعلان کر دیا اور حکومت کو چیلنج دے دیا کہ اڑتالیس گھنٹے میں اپنی قوت کا ثبوت فراہم کردے۔ یہ مدت گزر چکی تو فاشسٹوں نے اعلان کردیا کہ ہم کامیاب ہو گئے۔ آئندہ اکتوبر میں مسولینی نے فاشسٹ جتھوں کو حرکت کا حکم دے دیا۔ ۲۸ر اکتوبر کو روما کی طرف کوچ کا انتظام مکمل ہوگیا۔ "راست اقدام" کے اس اعلان نے حکومت پر کپکپی طاری کردی۔ وزارت مستعفی ہو چکی تھی، اس نے حالتِ محاصرہ کا اعلان کرنا چاہا۔ وکٹر عمانوئیل سوم نے مسولینی کو وزارت بنانے کی دعوت دے دی۔ ملاقات میں مسولینی نے نئی وزارت کے ارکان کے نام پیش کر دئے۔ یوں مطلق العنان فاشسٹ حکومت از روئے آئین قائم ہوگئی اور اس نے سرگرمی سے کام شروع کردیا۔

مطلق العنان یا "ٹوٹیلی ٹیرین" دولت وہ ہوتی ہے، جس میں حکومت کو مرکزی حیثیت حاصل ہو۔ اس کا دعویٰ یہ ہوتا ہے کہ تمام اختیارات قومی بہبود کے لیے استعمال کر رہی ہے۔ شہریوں کو ووٹ کے ذریعے سے اظہار رائے کا حق بھی حاصل رہتا ہے، مگر ایک ہی پارٹی کو فعّال رہنے کی اجازت حاصل ہوتی ہے، یعنی سرکاری پارٹی کو — اٹلی کے اندر زیرِ غور معاملے میں نیشنل فاشسٹ پارٹی کو — اس لیے تمام

نمائندے اسی پارٹی سے منتخب ہوتے ہیں۔

اطالوی فاشسٹ دولت بادشاہی تھی، یعنی اس کا بادشاہ دولت کا رئیس تھا، لیکن ریاست کا منصب حکومت کے ہاتھ میں تھا، جو آئینی اغراض کے لیے بادشاہ کی طرف سے نامزد ہوتی تھی۔ اور اس کا ڈوچ یا لیڈر بنیٹو مسولینی تھا۔

کولا دی رینزو کی طرح صاحب اختیار بن جانے کے بعد مسولینی نے بہت سی اصلاحات بھی کیں۔ معلوم ہوتا تھا کہ قوم اس کی سرکردگی میں پنپ رہی ہے۔ اس نے عمدہ سڑکیں بنوائیں۔ دلدلیں قابل کاشت کرلی گئیں۔ وہاں نئے قصبے وجود پذیر ہوئے۔ روما کی پرانی شان و شوکت یوں بحال کی کہ مزید کھدائیوں کا حکم دے دیا اور جھیل نیمی[1] کو بھی خشک کیا گیا تاکہ شہنشاہی دور کے جو جہاز اس کی تہ میں تھے، انھیں نکال لیا جائے۔ ریل کی سڑکیں نئے سرے سے درست کی گئیں۔ ٹرینیں وقت پر چلنے لگیں۔ خوبصورت قومی یادگاریں بنوائیں۔ ایک سٹیڈیم تعمیر ہوا۔ ہوائی جہازوں کے کارخانے قائم ہوئے۔ سکول اور دوسری ضروری عمارتیں جابجا نمودار ہوگئیں۔ چھوٹے چھوٹے بچے، لڑکے لڑکیاں، محب الوطن انجمنوں میں شامل ہونے لگے تاکہ فاشسٹ اصول سیکھ جائیں۔ اٹلی اپنی تذلیل بھول گیا اور قومی فخر محسوس کرنے لگا۔ غیر ملکی طاقتوں نے مسولینی اور فاشسزم کی مدح سے حوصلہ افزائی کی۔ مسولینی نے زبردست مخالفوں کو قتل کراکے اپنے دامن پہ

---

[1] Nemi

داغ لگائے تھے وہ عارضی طور پر قومی فخر کے احیاء میں بھلا دئے گئے۔

کولا دی رینزو کی طرح شاعروں نے مسولینی کے کارنامے بھی نظم کئے اور گائے، مگر بدقسمتی سے کولا کی طرح مسولینی کی عزّ و جاہ بھی اس کے زوال کا باعث بنی۔ جو ملک کسی پر حملہ نہیں کرسکتے تھے، ان پر حملے کرکے، ان کی تسخیر سے مسولینی نے ایک ایسی سلطنت تعمیر کرنے کی کوشش کی، جس سے بحیرۂ روم اطالوی جھیل معلوم ہو۔ باقی تاریخ نمایاں اور ایک المناک یاد کی حیثیت رکھتی ہے۔ فاشزم کا نظام ہٹلر کے ماتحت جرمنی میں پھیلا۔ پھر فتوحات ہوئیں۔ ہٹلر کے نسلی نظریئے کی بنا پر ظلم و جور ہوئے۔ لوگ اندھا دھند موت کے گھاٹ اُتار دیے گئے۔ دوسری عالمی جنگ چھڑی۔

روما اور برلین کے درمیان اتحاد ہوگیا۔ یہ مسولینی اور ہٹلر کا اتحاد تھا۔ پولینڈ پر ہٹلر کے حملے کے بعد اٹلی جرمنی کا ساتھی بن گیا۔ انگلستان اور فرانس نے (پولینڈ کے خلاف حملے پر) احتجاج کیا۔ ہٹلر کے جنونِ فتح نے طویل جنگ ناگزیر بنادی۔ اس میں امریکہ کو بھی شامل ہونا پڑا۔ ۱۹۴۰ء میں اٹلی نے برطانیہ اور فرانس کے خلاف رسمی اعلانِ جنگ کے بعد ہٹلر کا ساتھ دینا منظور کرلیا۔

جلد ہی یونان، لیبیا اور مصر جنگ کے میدان بن گئے۔ بحیرۂ روم میں بحری کشمکش سے ہنگامہ بپا ہوگیا۔ اٹلی نے نا اہل اور رشوت خوار لیڈری کے باعث بری اور بحری شکستیں کھائیں، لیکن جرمنی اور اٹلی نے یونان و بلقان فتح کرلیے تو مسولینی کا متزلزل اقتدار کم از کم اس کے پیروؤں کی نظروں میں بحال ہوگیا۔ اہلِ اٹلی کے دل میں جنگ

کے لیے کوئی ولولہ نہ تھا - افلاس ان کے لیے مصیبت کا سامان تھا۔ مسولینی کے جابرانہ مطالبوں نے اس مصیبت میں اضافہ کر دیا - وہ حیران تھے کہ یہ دیوانہ وار حرصِ عزّ و جاہ کہاں پہنچائے گی؟ اتحادیوں نے جولائی ۱۹۴۳ء میں شمالی افریقہ سے سسلی پر حملہ کر دیا۔ اس وقت لوگوں کو اچانک معلوم ہوا کہ شمالی افریقہ، جرمنی اور اٹلی کے ہاتھ سے چھینا جا چکا ہے - بدیہی مصیبت سے بچنے کے لیے انھیں داخلی سیاسی صفائی کا خیال آیا۔ فاشسٹ گرانڈ کونسل (مجلسِ اعلیٰ) کا ایک ہنگامہ خیز اجلاس ہُوا - مسولینی کو لیڈری سے الگ کر دیا گیا اور وہ گرفتار ہو گیا، لیکن ہٹلر اپنے دوست کی امداد کے لیے پہنچ گیا۔ ایک چھاتے والے ہوائی دستے نے مسولینی کو بچا کر جرمنی پہنچا دیا۔

اٹلی کا نظامِ حکومت بدلا اور اتحادیوں کی طرف سے ملک پر زبردست دباؤ پڑا تو اطالویوں پر واضح ہوا کہ مسولینی کی حرص انھیں کس مصیبت میں اُلجھا چکی ہے - ۱۹۴۴ء میں اتحادی روما پر قابض ہو گئے۔ اٹلی میں جو حکومت قائم ہوئی اس نے جرمنی کے خلاف اعلانِ جنگ کر دیا۔ ۱۹۴۵ء کے موسمِ بہار میں اتحادی فوجیں شمالی اٹلی کے اندر جرمنوں کے خلاف اقدامات کر رہی تھیں - جب جنگ ختم ہوئی، اطالوی محبّانِ وطن کی ایک جماعت نے اچانک مسولینی اور دوسرے مشہور فاشسٹوں کو جھیل کومو[1] کے نزدیک گرفتار

---

[1] Cowo شمالی اٹلی کی مشہور جھیل۔

کرلیا اور خود ہی اس سے بدلا لیا۔ اس سین کا آخری منظر یہ ہے کہ مسولینی ان عوام کے ہاتھ سے مارا گیا، جنھیں اس نے فریب اور دھوکا دیا تھا۔ پھر ایڑیوں میں رسّا باندھ کر اسے (میلان کے) چوک میں لٹکایا گیا۔

باقی رہا وکٹر عمانوئیل سوم تو اس نے ۹ مئی ۱۹۴۶ء کو بیٹے کے حق میں تاج و تخت چھوڑ دیا۔ اس طرح اسے اُمید تھی کہ بادشاہی بچ جائے گی، لیکن عوام بادشاہوں سے تنگ آچکے تھے۔ ہمبرٹ دوم کا عہدِ حکومت ایک مہینے سے کچھ ہی دن زائد رہا۔ ۲ اور ۳ جون ۱۹۴۶ء کو اطالویوں نے ووٹوں کے ذریعے سے جمہوریت کا فیصلہ کرلیا۔ ہمبرٹ دوم وطن چھوڑ کر باپ سے جاملا۔

جنگیں ہمیشہ اٹلی کے لیے تباہی خیز ثابت ہوئیں۔ پہلی عالمی جنگ کے بعد ان پر مایوسی طاری ہوئی تھی۔ دوسری عالمی جنگ کے بعد وہ حد درجہ بیزار ہوگئے۔ ملک کو اتحادیوں کی بمباریوں سے خوفناک نقصان پہنچا تھا۔ بڑے بڑے شہروں کے پورے حصے ملبے کا ڈھیر بن گئے تھے۔ ریل کی سڑکیں تباہ ہوگئیں اور ریلوے کا نظام معطّل ہوگیا۔ بازاروں میں قحط اور موت کا دور دورہ تھا۔ پوری قوم ایک بے رحم اور حریص انسان کے گناہوں کی پاداش بھگت رہی تھی۔ غالباً یہ بہت سادہ سا بیان ہے کیونکہ خود باشندے بھی اُن حریصانہ عزائم کی حوصلہ افزائی کے مجرم تھے، مگر شکست خوردہ قوم شکست خوردہ آدمی کی طرح یہ نہیں دیکھتی کہ امداد کون دے رہا ہے۔

اپنی حیرت انگیز روحانی قوت کے باعث اہلِ اٹلی کے حوصلے پھر

بحال ہوگئے۔ انھوں نے شہر نئے سرے سے تعمیر کرلیے۔ ریلوں کا نظام معمول پر آگیا اور اس میں بہت اصلاح ہوگئی۔ ان کے فن کار پھر پائدار حسن و جمال کی تخلیق میں مصروف ہوگئے۔ ان کے شاعروں اور مصنفوں کو پھر اپنی صحیح آواز بلند کرنے کا موقع مل گیا۔ فاشسزم کے احتساب نے ان کے گلے گھونٹ رکھے تھے، وہ احتساب باقی نہیں رہا تھا۔ روما کے نزدیک اور ملک کے دوسرے حصّوں میں فلمساز پھر زبردست اور حوصلہ افزا فلمیں بنانے لگے۔ اس طرح وقار، حسن اور حقیقت کا نمونہ سامنے آگیا۔ اطالویوں کی صنعتِ فلمسازی اتنی اعلیٰ ہوچکی ہے کہ اب امریکہ کے فلمساز زیادہ تر کام اٹلی میں انجام دیتے ہیں جہاں ایک نیا شہر سناسٹا[ل] وجود میں آگیا ہے۔ اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ افلاس کے باوجود اور ہمہ گیر تباہی کے باوصف عوام نے حیرت انگیز روحانی فتح حاصل کرلی اور اٹلی روحانی قوت ہی کی بدولت فاشسٹوں کی غلامی سے آزاد ہوا جس کا ذمہ دار مسولینی تھا اور روحانی قوت ہی کی بدولت وہ ہمیشہ اُٹھے گا، تعمیرِ نو کرے گا اور پائدار و استوار رہے گا۔

اب اٹلی ایسے کارناموں کی طرف بڑھ رہا ہے جو کبھی اس کے خواب میں بھی نہیں آتے تھے۔ اس سلسلے میں جزوی امداد اسے مارشل منصوبے سے ملی، لیکن زیادہ تر وہ اپنی صنعتی پیداوار کی بدولت، نیز موٹریں، موٹر سکوٹر، سلائی کی مشینیں اور دوسری مفید و ضروری اشیاء تیار کرنے میں موجدانہ ہنرمندی کی بدولت کامیاب ہُوا۔ سیاح بھی جمہوریہ اٹلی کے لیے دولت فراہم کرنے کا ذریعہ ہیں۔ اِن

ل Cinecitta

سے ملک کو ہر سال پچاس کروڑ ڈالر وصول ہوتے ہیں۔ تازہ حالات یہی ہیں ۔ صرف ۱۹۵۹ء میں ایک کروڑ ستّر لاکھ غیر ملکی اٹلی گئے۔ ۱۹۶۰ء میں روما کے اندر اولمپیائی کھیل ہوئے ، اس لیے اور زیادہ لوگ گئے ۔ ان اعداد کے پیشِ نظر تعجب نہ ہونا چاہیے کہ اٹلی ایک نیا وسیع ہوائی اڈا تیّار کر رہا ہے ، یعنی فیومی سینو[1] ۔ جب یہ اڈا زیرِ تعمیر تھا تو آثارِ قدیمہ کی کئی چیزیں ملیں ، جن کا تعلق شہنشاہ ٹراجن کے وقت سے تھا ۔ یہ چیزیں اب عجائب خانے میں رکھ دی گئی ہیں ۔ ہمارے عہد کے دورِ رفتار و پرواز اور دورِ قدیم کے درمیان ایک شعری کڑی موجود ہے ۔

فیومی سینو کا ہوائی اڈا اٹلی کی صرف ایک سعی احیاء ہے ، دوسری سعی کا تعلّق اس چیز سے ہے ، جس کا خواب ہزاروں سال پیشتر دیکھا گیا تھا ۔ پہلے پہل ہینی بال نے اس خواب کی تعبیر کے لیے کوشش کی تھی ۔ جب ۲۱۶ ق۔م میں اس نے ایلپس کو لِٹل سان برنارڈ[2] کے راستے ہاتھی پر عبور کیا تھا ۔

موجودہ منصوبہ یہ ہے کہ فرانس ، سوئٹزرلینڈ اور اٹلی متحد ہو کر مونٹ بلانک[3] میں سے سات میل لمبی سرنگ کھودیں اور اعلیٰ درجے کی زمین دوز شاہراہ تیار کریں ۔ اس پر دو کروڑ ڈالر خرچ ہوں گے ۔ جب سرنگ سے آمد و رفت شروع ہو جائے گی تو اس سے جو فائدہ ہوگا ، وہ بیان سے باہر ہے ۔ موجودہ حالت

---

[1] Fiumicino [2] Little Saint Bernard [3] Mont Blanc

میں درہ سال کے اندر چھ مہینے کے لیے بند رہتا ہے۔ اِس طرح قوموں کے درمیان اتحاد و تعاون کے رشتے زیادہ قریبی ہو جائیں گے۔ یہ روحانی بھی ہوں گے اور مادّی بھی۔ ان سے تفہیم میں بہت مدد ملے گی اور سب کو فائدہ پہنچے گا۔

بچوں کے لیے

دلچسپ اور مفید سائنسی معلومات کی کتابوں کا سلسلہ

(یہ سب کتابیں خوبصورت تصاویر سے مزین ہیں)

آنکھوں سے کام لیجیے	ترجمہ	محمد سعید	۱/۵۰
آواز کی کہانی	ترجمہ	مسعود احمد خاں	۱/۲۵
بچوں کے لیے سائنسی تحقیق کی نئی راہیں	ترجمہ	محمد فاروق	۲/۵۰
تمھارا جسم کیونکر کام کرتا ہے	ترجمہ	خلیق ابراہیم خلیق	۴/۵۰
ریڈیو اور ٹیلی ویژن	ترجمہ	سید ذوالفقار علی بخاری	۴/۵۰
حیوانی زندگی کا ماضی و حال	ترجمہ	ڈاکٹر نذیر احمد	۵/-
دنیا پر پہلی نظر	ترجمہ	سیدہ نسیم ہمدانی	۱/۵۰
زمین کی سرگذشت	ترجمہ	سید علی ناصر زیدی	۴/-
سائنس باتوں میں	ترجمہ	سید علی ناصر زیدی	۴/-
سائنس کے نئے اُفق	ترجمہ	سید علی ناصر زیدی	۵/-
ستاروں کی دنیا	ترجمہ	سید علی ناصر زیدی	۵/-
سائنس کی حیرت انگیز باتیں	ترجمہ	سید علی ناصر زیدی	۲/۵۰
عجائباتِ کیمیا	ترجمہ	محمد فاروق	۴/۵۰
سمندروں کی دنیا	ترجمہ	ڈاکٹر نذیر احمد	۴/۵۰
کیمیا کے رومان	ترجمہ	پروفیسر حمید عسکری	۵/-
موسم کی کہانی	ترجمہ	بشیر احمد ساجد	۴/۵۰

مؤسسہ مطبوعات فرینکلن، پوسٹ بکس ۳۶۹، لاہور

مشہور مہمات سائنس	ترجمہ	محمد فاروق	۴/۵۰
میرے اندر کیا ہے	ترجمہ	مولانا غلام رسول مہر	۱/۵۰

بنیادی سائنس کا سلسلہ

(بہترین آفسٹ طباعت رنگارنگ تصاویر)

(مطبوعہ ایران)

انسانی مشین	ترجمہ	مولانا صلاح الدین احمد	۱/۵۰
آواز	〃	〃	۱/۵۰
پرندے	〃	〃	۱/۵۰
پھول پھل اور بیج	〃	〃	۱/۵۰
چاند	〃	〃	۱/۵۰
حرارت	〃	〃	۱/۵۰
روشنی	〃	〃	۱/۵۰
زندہ اشیاء	〃	〃	۱/۵۰
ستاروں سے آگے	〃	〃	۱/۵۰
کشش ثقل	〃	〃	۱/۵۰
کیڑوں کی سماجی زندگی	〃	〃	۱/۵۰
مٹی	〃	〃	۱/۵۰
مشینیں	〃	〃	۱/۵۰
مقناطیس	〃	〃	۱/۵۰
موسم	〃	〃	۱/۵۰

مطبوعات فرینکلن، پوسٹ بکس ۳۶۹، ۶۶۔ مزنگ روڈ، لاہور

فنی معلومات

(ذیل کی کتابیں بھی رنگین تصویروں سے مزین ہیں)

بجلی کی پہلی کتاب	ترجمہ	سید علی ناصر زیدی	۲/۵۰
ٹیلی فون کیسے کام کرتا ہے	ترجمہ	خلیق ابراہیم خلیق	۱/۲۵
خلاء میں سفر کی پہلی کتاب	ترجمہ	مولانا غلام رسول مہر	۲/۵۰
طیاروں کی پہلی کتاب	ترجمہ	مولانا غلام رسول مہر	۲/۵۰
موٹروں کی پہلی کتاب	ترجمہ	مولانا غلام رسول مہر	۲/۵۰

تاریخ

تاریخ بھی مزے کی چیز ہے (تصویردار)	ترجمہ	مولانا عبدالمجید سالک	۱/۵۰
سو تاریخی واقعات (تصویردار)	ترجمہ و ترتیب	مولانا غلام رسول مہر	۷/-

سوانح

سو بڑے آدمی (تصویردار)	ترجمہ و ترتیب	مولانا عبدالمجید سالک	۵/-
غریب لڑکے جو نامور ہوئے (مصور سرورق)	ترجمہ و ترتیب	مولانا عبدالمجید سالک	۴/-
لڑکیاں جو نامور ہوئیں	ترجمہ ترتیب	اختر عزیز احمد مولانا عبدالمجید سالک	۵/-
مشہور موجد اور اُن کی ایجادیں	ترجمہ	ابوالحسن نغمی	۲/۷۵

مذہب و اسلامیات

خدا ہمارے ساتھ ہے	ترجمہ	مولانا صلاح الدین احمد	۱/۲۵
خدا موجود ہے	ترجمہ	پروفیسر عبدالحمید صدیقی	۲/۵۰
اسلام اور قانون جنگ و صلح	ترجمہ	مولانا غلام رسول مہر	۹/-

تعلیم و تعلّم

آزاد تعلیم اور جمہوری نصب العین	ترجمہ	سید وقار عظیم	۳/-
بچے کی تعلیم میں گھر اور مدرسے کا تعاون	ترجمہ	فضل محمد خاں	۸/-
تعلیم کے مقاصد	ترجمہ	ڈاکٹر سید محمد عبداللہ	۵/۵۰
مدرسے کی زندگی میں بچے کی رہنمائی	ترجمہ	سید وقار عظیم	۱/۶۲
والدین اور معلمین	ترجمہ	شاہد احمد دہلوی	۱/۵۰

انسانیات

مستقبل کا انسان	ترجمہ	سید قاسم محمود	۶/-
ثقافت کا مسئلہ	"	"	۱/-
قدیم تہذیب اور جدید انسان	"	"	۳/۵۰
قدیم علوم اور جدید تہذیب	ترجمہ	سید ہاشمی فرید آبادی	۱/-

تاریخ

انسائیکلوپیڈیا تاریخ عالم	ترجمہ	مولانا غلام رسول مہر	
جلد اوّل، تاریخ اسلام	"	"	۱۲/-
جلد دوم، تاریخ عالم	"	"	۱۲/-
جلد سوم	"	"	۱۴/-

تاتاریوں کی یلغار	ترجمہ	عزیز احمد	۱۲/۰
صلیبی جنگیں	ترجمہ	سید رئیس احمد جعفری	۵/۰
عرب دنیا	ترجمہ	ڈاکٹر محمود حسین	۱۲/۰
کتابیں جنھوں نے دنیا بدل ڈالی	ترجمہ	مولانا غلام رسول مہر	۶/۰

سوانح

ایڈیسن	ترجمہ	محمد سعید	۳/۵۰
چند عظیم علمائے جراثیم	ترجمہ	عبدالمجید قریشی	۱۰/۰
سقراط	ترجمہ	آنسہ صبیحہ حسن	۲/۵۰
غازیان تہذیب	ترجمہ	سید ہاشمی فرید آبادی	۵/۰
سلطان صلاح الدین ایوبی	ترجمہ	پروفیسر محمد یوسف عباسی	۱۷/۵۰
نور محل	ترجمہ	شبلی ایم کام و حبیب اشعر دہلوی	۷/۵۰

معاشیات

آبادی کا مسئلہ	ترجمہ	شبلی ایم کام	۱/۵۰
خوراک کا مسئلہ	ترجمہ	〃 〃 〃	۱/۵۰
عظماء کے معاشی نظریات	ترجمہ	ڈاکٹر ایس ایم اختر	۶/۰

فلسفہ

داستانِ فلسفہ	ترجمہ	سید عابد علی عابد	۱۶/۰
ناقابلِ تسخیر ذہنِ انسانی	ترجمہ	محمد صفدر میر	۲/۵۰
فلسفے کی نئی تشکیل	ترجمہ	انتظار حسین	۲/۰

فنونِ لطیفہ

شاہکار تصاویر	ترجمہ و ترتیب	سیّد امتیاز علی تاج	۷/۵۰

جغرافیہ اور سیاحت

عرب اور اہلِ عرب	ترجمہ	مولانا غلام رسول مہر	۶/-
نیویارک سے پیرس تک پہلی پرواز	ترجمہ	گروپ کیپٹن فیاض محمود	۳/۵۰
یہ ہے شمالی افریقہ	ترجمہ	سیّد عابد علی عابد	۲/۵۰

ناول، افسانے، ڈرامے

انجان راہی	ترجمہ	شان الحق حقی	۳/۵۰
بادبان	ترجمہ	سیّد قاسم محمود	۶/-
بشر ہے کیا کہیے	ترجمہ	سیّد عابد علی عابد	۶/۵۰
پہلا خون	ترجمہ	غلام حسین	۲/۵۰
چنگیز خاں کے سنہرے شاہین	ترجمہ	اشفاق احمد	۶/-
دھوپ چھاؤں	ترجمہ	ولی اشرف صبوحی	۷/-
زندگی ہے یا کوئی طوفان ہے	ترجمہ	سیّد رئیس احمد جعفری	۳/۵۰
شہر پناہ	ترجمہ	ابنِ انشا	۳/۵۰
گھاس کا سمندر	ترجمہ	سیّد قاسم محمود	۱/۵۰
قیامت کی رات	ترجمہ	سیّد عابد علی عابد	۷/-
مغرور	ترجمہ	سیّد رئیس احمد جعفری	۴/-
ننھی بی بیاں	ترجمہ	حجاب امتیاز علی	۵/۵۰

نئے پُرانے	ترجمہ	محمد یوسف عباسی	۴/۰
ہمیں چراغ ہمیں پروانے	ترجمہ	قرۃ العین حیدر	۱۰/۰
ویران ہے دل	ترجمہ	قیسی رامپوری	۶/۰
اندھا کنواں	ترجمہ	ابنِ انشا	۷/۵۰
انوکھی کہانیاں	ترجمہ	شاہد احمد دہلوی	۵/۰
بڑا ریچھ	ترجمہ	ولی اشرف صبوحی	۳/۵۰
باپ کی نگری	ترجمہ	سیّدہ نسیم ہمدانی	۶/۰
حیرت ناک کہانیاں	ترجمہ	شاہد احمد دہلوی	۴/۰
قصص الحمرا	ترجمہ	سیّد وقار عظیم	۷/۵۰
خزانے کی تلاش	ترجمہ	شبلی ایم کام	۲/۵۰
سورج کے ساتھ ساتھ	ترجمہ	عشرت رحمانی	۶/۵۰
لاکھوں کا شہر	ترجمہ	ابنِ انشا	۳/۵۰
ایک حمام میں	ترجمہ	عشرت رحمانی	۳/۰
پھول کی پتی، ہیرے کا جگر	ترجمہ	ہلال احمد زبیری	۶/۰

نئی کتابیں

آدمی کی انسانیت	ترجمہ	مولانا محمد بخش مسلم	۷/۵۰
فلسفے کا نیا آہنگ	ترجمہ	بشیر احمد ڈار	۳/۵۰
کائنات اور ڈاکٹر آئن شٹائن	ترجمہ	میجر آفتاب حسن	۱/۷۵
مشرق و مغرب کو ملنا ہی پڑے گا	ترجمہ	سیّد ہاشمی فرید آبادی	۱/۷۵
کیا سائنس ہمیں بچا سکتی ہے	ترجمہ	پروفیسر عبدالواحد	۱/۷۵